Title of the Book

حیات و تصنیفات کلیم

شریف النساء بیگم

حیات و تصنیفات کلیم

فہرست

حرفِ آغاز

کتب خانہ خواتین دکن (خواتین دکن لائبریری) ۱۹۴۳ء میں قائم ہوئی۔ اس سے نہ صرف خواتین حیدر آباد بدر آباد کے باہر کی خواتین و علم دوست اصحاب اور ریسرچ اسکالر بھی استفادہ کرتے ہیں۔

یہ کتب خانہ دراصل شری نصیر الدین ہاشمی کا ذاتی کتب خانہ تھا اس کو انہوں نے خواتین کے استفادہ کے لئے عام جسٹر کرادیا ہے۔ اس کتب خانہ کے ساتھ ادارہ تحقیقات (ریسرچ انسٹی ٹیوٹ) بھی ہے تاکہ تحقیقی مقالات شائع جائیں۔

ادارہ تحقیقات کے ارکان انتظامی حسبِ ذیل خواتین ہیں:-

) مسز جہاں بانو نقوی ایم۔ اے (۲) مسز کمیشوری روپ کرن ایم۔ اے

) مس نیرہ بانو کاوس جی ایم۔ اے۔ ایم ایڈ (۴) مس سعید جہان ایم۔ اے۔ ایم ایڈ

) مسز برہان الدین (۶) مسز رُوحی علی اصغر

س ادارہ تحقیقات کا مقصد یہ ہے کہ خواتین کی قدیم اور جدید تحقیقات کو طبع کرکے منظر عام پر لایا جائے تاکہ اگر رف ہم اپنے قدما کے افکار و خیالات اور اسالیب بیان سے لطف اندوز ہوں تو دوسری طرف عصر حاضر کی قابل خواتین کے رنامے اور تحقیقی مقالے زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر علمی ذخیرہ میں اضافہ کا موجب بنیں۔ جامعات میں جو مقالے ڈاکٹریٹ ری کے لئے منظور کئے جاتے ہیں اور باوجود تحقیقی ہونے اور اہمیت رکھنے کے ان میں سے اکثر طبع ہوکر شایع نہیں ہوتے ہ [illegible] ئے تو ایک طرف اصحابِ علم و فن ان سے مستفید ہوں گے اور دوسری طرف مصنف و مولف کی محنت ی ڈاکٹری کی ڈگری کے علاوہ معاوضہ بھی [illegible] ملے گا۔

اس ادارہ کے کام کے آغاز کے لئے مرکزی حکومت ہند کے وزارت سائنٹفک ریسرچ و کلچرل آفیس سے کچھ رقمی امداد بوں کو شایع کرنے کے لئے اس شرط سے ملی کہ اسی قدر رقم ادارہ بھی صرف کرے چنانچہ اس طرح اس وقت دو کتابیں شایع ں ان اصحاب اور خواتین کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتی ہوں جنہوں نے ان کتابوں کے کئی کئی نسخے خریدنے بیشگی رقمیں عنایت فرمائیں اور ہم کو اس قابل بنایا کہ حکومت کی شرائط کے مطابق یہ کتابیں چھاپ سکیں۔

جو کتابیں شایع کی گئی ہیں ان میں سے ایک مقالہ امتحان پی۔ ایچ۔ ڈی۔ جامعہ عثمانیہ کا منظورہ ہے جس کو ڈاکٹر شریف النسا بیگم نے فارسی کی ڈاکٹریٹ کے لئے پیش کیا تھا۔ یہ مقالہ ابو طالب کلیم کی حیات اور شاعری سے متعلق ہے۔ کلیم دربارِ عادل شاہی اور پھر شاہجہان کے دربار کا مشہور شاعر اور ملک الشعراء تھا۔

دوسری کتاب جو دو جلدوں پر مشتمل ہے شری نصیر الدین ہاشمی کی مرتبہ وضاحتی فہرست اُردو مخطوطات کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری) ہے۔ محققین اور اصحابِ علم کو کتب خانوں کے ذخیرہ سے استفادہ کے لئے وضاحتی فہرست کی شدید ضرورت ہوتی ہے۔

کسی زبان کی تاریخ کا اصولی حیثیت سے مطالعہ کرنے کے لئے ضرورت ہے کہ سارا ادب پیشِ نظر رہے لیکن اُردو ادب سارے ملک میں پھیلا ہوا ہے، اس پر دسترس مشکل ہے اس لئے زبان اور ادب کی خدمت کے لئے یہ ضروری ہے کہ مفصل اور مکمل وضاحتی فہرستیں مرتب کر کے شایع کی جائیں۔ یہ چیزیں یورپ میں ایک سائنس کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ کے اُردو مخطوطات کی ایک مختصر فہرست شایع ہوئی اور انڈیا آفس کے دکنی قلمی کتابوں کی فہرست نصیر الدین ہاشمی صاحب نے "یورپ میں دکنی مخطوطات" کے نام سے شایع کی ہے اور پھر ادبیات اُردو کی فہرست کی پانچ جلدیں ڈاکٹر سید محی الدین زور صاحب نے شایع فرمائی ہیں اور سالار جنگ کے کتب خانہ کی اُردو مخطوطات کی فہرست بھی ہاشمی صاحب کی مرتبہ شایع ہو گئی ہے اس کے علاوہ بمبئی کی جامع مسجد کے اُردو مخطوطات کی فہرست بھی پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی کے زیرِ نگرانی شایع ہوئی ہے۔ اب اس فہرست سے اس قسم کے ذخیرہ میں ایک اور کتاب کا اضافہ ہوگا جس کو ہاشمی صاحب نے نہایت کد و کاوش اور محنت سے مرتب کیا ہے۔

ادارہ کو توقع ہے کہ آیندہ مزید کتابیں شایع کی جائیں گی۔ ادارہ کی جانب سے میں فضیلت مآب شری ہمایوں کبیر منسٹر سائنٹیفک ریسرچ و کلچرل آفیرس کا ادارہ کی امداد کے بابتہ شکریہ ادا کرتی ہوں اور حکومت آندھرا سے توقع کرتی ہوں کہ سالانہ امداد جاری کر کے ادارہ کے علمی کاموں کو ترقی دینے کا موجب بنے گی۔

(ڈاکٹر) [illegible]

صدر خواتین دکن لائبریری و ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

پیش لفظ

سولھویں صدی عیسوی کے آغاز میں شاہانِ تیموریہ کا چراغِ اقبال گُل ہوگیا اور دودمانِ صفویہ برسرِ اقتدار آیا اور اس کے ساتھ ہی مذہبی عناصر و تخیلات کا احیار و فروغ عمل میں آنے لگا قصیدہ گوئی ختم ہونے لگی جس سے اظہارِ علمیت کے سوا حصولِ معاش بھی مقصود ہوتا تھا۔ شاہانِ ادب نواز کا حکم تھا کہ شاہوں کی مدح کے بجائے آئمہ کے مرثیئے لکھے جائیں:

"باد بگویند، منقبتِ آئمہ علیہم السلام سازد و از آنان پاداشِ اخروی چشم دارد"

گویا [illegible] ایرانی اہلِ ادب یعنی، قدردانانِ علم و ادب کی سرپرستی و ذرائع معاش کے فقدان سے دوچار ہونے لگے لیکن اسی زمانہ میں سلاطین مغلیہ کی شاہانہ فیاضیاں شعرائے ایران کے لئے ابرِ رحمت بن گئیں اور انہوں نے محسوس کرلیا کہ "ایران زمین" میں اُن کا قلم "سامانِ تحصیلِ کمال" حاصل نہیں کرسکتا۔ اُن کے جواہر ریزوں کی چمک صرف سرزمین ہند ہی میں معراجِ کمال پر پہنچ سکتی ہے، لہذا

ایران کے اکثر بلند پایہ شاعروں نے اپنے وطن مالوف کو خیر باد کرتے ہوئے وارد ہندوستان ہو کر شاہانِ مغلیہ کے سایۂ عاطفت میں اپنے فن کو ارتقا کی آخری منزل تک پہنچایا، چنانچہ آج بھی ان مایہ ناز فنکاروں کے شہ پارہ ہائے کلام ہندوستان کے ہر صاحبِ ذوق سے دادِ تحسین حاصل کر رہے ہیں۔ اور "حیات و تصنیفات کلیم" بھی ایک ایسے ہی باعظمت شاعر کی سعی گراں قدر کا اعتراف ہے جس کو زمانہ کی ناقدرشناسی نے پردۂ خفا میں ڈال رکھا تھا۔

میرزا ابوطالب متخلص بہ کلیم نے مابین ۹۹۰ھ - ۹۹۴ھ ہمدان میں جنم لیا۔ دار الفضل شیراز میں علوم متداولہ کی تحصیل کی اور عنفوانِ شباب میں بحری راستہ سے وارد ہند ہوا۔ ایران میں کلیم کی ابتدائی زندگی کے حالات باوجود تلاش و کوشش کے ہمدست نہ ہو سکے۔

کلیم کی آمدِ ہند اور سرپرستی سے متعلق بجز صاحب "فانوسِ خیال" کے تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ کلیم عہد جہانگیر میں ہندوستان آیا اور شاہنواز خان بن مرزا رستم صفوی امیر شہنشاہِ جہانگیر کی سرپرستی حاصل کی لیکن یہ صحیح نہیں ہے مکمل تحقیق و مفصل بحث کے بعد یہ ثابت کیا گیا ہے کہ کلیم پہلی مرتبہ ۱۰۱۰ھ - ۱۰۱۴ھ کے درمیان بحری راستے سے وارد دکن ہوا، اور شاہنواز خان شیرازی وزیر ابراہیم عادلشاہ ثانی والی بیجاپور (متوفی ۱۰۲۰ھ) اس کا پہلا سرپرست تھا۔ مذکورہ [illegible] شاہنواز خان کے نام کی یکسانیت نے تذکرہ نگاروں کو غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا تھا، لیکن کلیم کے قصائد [illegible] پیش بین" کا لفظ صاف طور پر شاہنواز خان شیرازی کے عہدے کو ظاہر کرتا ہے علاوہ ازیں ابراہیم عادلشاہ ثانی کے عہد کی تعمیر "نورس پور" (۱۰۰۸ھ تا ۱۰۱۴ھ) کے وقت "نورس بہشت" کی جو تعمیر ہوئی تھی اس کی تعمیر میں کلیم کی تحریر کردہ مثنوی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ ابراہیم عادلشاہ ثانی اور شاہنواز خان شیرازی کی فیاضیوں

و قدر دانیوں سے مسحور ہو کر وارد دکن ہوا تھا۔

۱۰۲۸ھ تک کلیم دکن میں رہا، لیکن ملک قمی، ظہوری و سنجر کاشی جیسے اساتذہ و کہنہ مشق ہستیوں کے آگے اس کا رنگ جمتا نہ تھا اور گراں بہا صلوں کے خوش آیند خواب جب شرمندۂ تعبیر نہ ہوئے، خاطر خواہ سرپرستی حاصل نہ ہو سکی تو کلیم نے ۱۰۲۸ھ میں عراق کو مراجعت کی۔

صاحبِ نظم گزیدہ کے بیان کی روشنی میں کلیم کے دو سالہ قیامِ ایران گوشۂ قناعت میں بسر ہوا اور وہ ۱۰۳۰ھ میں "درخاکِ وطن تخم مرادی نہ شود سبز" کہتا ہوا ہندوستان لوٹ آیا اور ۷، ۸ سال شمالی ہند میں میر جملہ شہرستانی متخلص بہ رُوح الامین کے دامن عاطفت سے وابستہ رہ کر گذارے۔

شاہجہان کے تخت نشین ہوتے ہی کلیم دربارِ شاہی میں باریاب ہوا اور ۱۰۴۱ھ تک ملک الشعراء کے عہدہ پر فائز ہو گیا۔ اس نے عہدِ شاہجہانی کے تقریباً ہر اہم واقعہ پر قصیدہ، مثنوی و قطعاتِ تاریخی سپرد قلم کئے اور عنایاتِ خسروی سے مستفیض ہوتا رہا۔ دو مرتبہ زر میں تُلوایا گیا۔ پادشاہنامہ لاہوری کے صفحات شاہد ہیں کہ کلیم اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کا وقتاً فوقتاً مناسب و شائستہ معاوضہ حاصل کرتا رہا۔

فرمانِ شاہجہان کی تعمیل میں کلیم اور قدسی نے دو مثنویاں تصنیف کی تھیں۔ قدسی کی مثنوی "ظفرنامہ" نامکمل ہی رہی اور کلیم نے اپنی مثنوی "شاہنامہ" کو پایۂ تکمیل پر پہنچایا، جس میں شہنشاہ شاہجہان کے دس سالہ شاندار کارناموں کا مفصل و محقق ریکارڈ قلمبند ہے۔

بحیثیت شاعر کلیم اپنی خیال بندی، مضمون آفرینی اور تمثیلی شاعری کے لئے ہمیشہ ناقابلِ فراموش رہے گا اور تمثیلی شاعری کے فروغ کا سہرا اس کے سر بھی باندھا جا سکتا ہے۔ کلیم نے اپنے معاصرین شعراء کے مقابلہ میں بہترین

د کثیر تعداد میں قطعاتِ تاریخی نظم کئے تھے۔

کلیم کی سب سے زیادہ قابلِ تحسین خصوصیت یہ ہے کہ باوجود ایرانی نژاد ہونے کے اس نے ہندوستانی ماحول و ہندی زبان کو اپنے کلام میں اس خوبی سے پیش کیا ہے کہ اس کے ہمعصروں میں کوئی اس کا ہمسر نظر نہیں آتا۔

مُلا طاہر نصرآبادی کا بیان ہے کہ کلیم نے چوبیس[۲۴] ہزار اشعار کا سرمایۂ سخن نواز و سخن شناس اصحاب نظر کے لئے چھوڑا تھا۔ میں نے حیدرآباد کے تمام کتب خانوں سے استفادہ کرکے (۲۴۸۶۸) اشعار حاصل کئے ہیں جن کے منجملہ کلیات میں (۱۰۰۴۸) اشعار اور مثنوی شاہنامہ میں (۱۴۸۲۰) اشعار ہیں۔ میرے پی ایچ۔ ڈی کے مقالہ میں تنقیدی حصہ کے ساتھ کلیات کلیم کا ایک تنقیدی ایڈیشن بھی منسلک ہے جس کی تصحیح و تدوین کے لئے میں نے ۴ کلیات اور ۹ دواوین سے استفادہ کیا تھا۔ اِس کتاب میں منظورہ صفحات کی مناسبت سے غیر مطبوعہ کلام اور منتخب کلامِ کلیم آخر میں ہدیۂ قارئین کیا گیا ہے حقیقت میں کلیم ایسے عہد کا ملک الشعراء تھا جب کہ معاصرین میں مقابلہ سخت تھا اور مغلیہ درباروں میں شاعری کا ستارہ اپنے انتہائی عُروج پر تھا۔

کلیم کی وفات سے متعلق بھی تذکرہ نگاروں و مورخین کو کچھ اختلاف ہے۔ کوئی ۱۰۶۱ھ لکھتا ہے اور کوئی ۱۰۶۲ھ۔ مگر تلاش و تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ کلیم نے ۱۰۶۱ھ میں وفات پائی اور کشمیر میں مرزا محمد قلی سلیم کی قبر کے بازو تالابِ ڈل پر دفن ہوا۔ گذشتہ ماہ اور[illegible]ٹیل کانفرنس کے بیسویں[۲۱] اجلاس میں شرکت کی غرض سے مجھے کشمیر جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ محترمی جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ صاحب، صدر شعبہ اُردو کشمیر یونیورسٹی کی معیت میں کلیم کی قبر کی زیارت کا موقع ملا، اور موصوف کی عنایت سے قبر کی تصویر

کا حصول ممکن ہوا۔ اِس محلہ کو گذشتہ تواریخ میں "دُرگجن پل" بھی کہا جاتا تھا
اب تالاب ڈل اور اس چبوترے کے درمیان ایک سڑک حایل ہے جس پر شعرا کی
قبریں ہیں اس سے متصل ایک خانقاہ بھی ہے جس میں لوگ مشغول عبادت تھے چبوترے
پر دو اور قبریں ہیں اور ایک قبر کا تعویذ مُرور زمانہ سے نیچے گر کر دفن ہوگیا ہے۔ غالباً
ملک الشعراء ہونے کی وجہ سے یہ تعویذ ممکن ہے کہ کلیم ہی کی قبر پہ لگا ہوا ہوگا کتبہ سے نام
کا پتہ تو نہ لگ سکا کیونکہ اطراف کی عبارت محو ہوگئی ہے البتہ درمیان میں ۱۲ آئمہ طاہرین
کے اسم مبارک کے اطراف نادِعلی درج ہے۔ دوسری دو قبریں معرا ہیں۔
غنی کشمیری نے وفاتِ کلیم پر جو قطعہ لکھا ہے اسکے دو شعر اس امر کے
شاہد ہیں کہ قدسی و سلیم کے ساتھ ہی کلیم بھی مدفون ہے۔ ممکن ہے دیگر دو قبریں
ان ہی شعراء کی ہوں کیونکہ جائے وقوع تو اس امر پر دلالت کرتا ہے۔

عمرہا در یادِ او زیر زمین
خاک بر سر کرد قدسی و سلیم
عاقبت از اشتیاقِ یک دگر
گشتہ اند این ہر سہ در یکجا مقیم

اس پیش لفظ کے اختتام سے قبل میرا اہم فریضہ ہے کہ میں
وزارتِ سائنٹیفک ریسرچ اور اس کے ارباب اقتدار خصوصاً عالیجناب
ہمایوں کبیر صاحب کی خدمت میں ہدیۂ تشکر پیش کرنے کی عزت حاصل کروں
کہ موصوف نے کتاب کی اشاعت کے لئے رقم عنایت فرمائی۔
میں مشکور ہوں ارباب جامعہ خصوصاً عالیجناب وائس چانسلر صاحب
کی جنہوں نے مقالہ کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔
میں مشکور ہوں شریمتی روڈا مستری، صدر کمیٹی "کتب خانہ
خواتین دکن" کی جنہوں نے اپنی مصروفیات مسلسل کے باوجود کتاب کے ضمن

میں چند سطور ارقام فرمانے کی زحمت گوارا فرمائی۔

نافرض شناسی ہوگی اگر میں محترمی جناب معتمد صاحب "کتب خانہ خواتین دکن" کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی انتھک مساعی کی وجہ سے حکومت ہند سے مالی امداد حاصل ہوئی جن کی شفقتوں اور عنایتوں نے میرے مقالہ کو کتاب کی صورت بخشی۔ جن کے ادارہ نے مجھے "مصنف" بنا کر اربابِ جامعہ پر احسان کیا۔

میں اپنے ادائیگی تشکرانہ کے فرض سے کما حقہٗ عہدہ برآ نہ ہونگی اگر اپنے ان محسن اساتذہ کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی پُر شفقت و قابل قدر رہنمائی کتاب کی تصنیف و تدوین میں اعانت کا باعث ہوئی کیونکہ بقول ایک استاذِ محترم کے میرے مقالہ کی حیثیت صحرا کے اُس خودرو پودے کی تھی جسے مشاق باغبان کی تزئین و آراستگی کا خاطر خواہ موقع نہ مل سکا تھا اور اب بھی میری تمنا تھی کہ "حیات و تصنیفاتِ کلیم" کی اتنی تراش و خراش ہو کہ ناقدین و صاحبِ ذوق حضرات کی نظروں میں میری خامیاں شہتیر نہ بن سکیں لیکن ایک طرف تو مُلازمت کی مصروفیات نے اتنی فرصت نہ دی دوسری طرف چونکہ میں "ادارہ اشاعت کتب خانہ خواتین دکن" کی مجلسِ انتظامی کے کسی معاملہ میں مداخلت کی مجاز نہیں ہوں۔

لہٰذا مواد کی حد تک میری ذمہ داری ہے، ہیئت و پیشکش کے لئے اربابِ ادارہ جواب دہ ہوں گے۔

میری انتہائی کوشش کے باوجود کاتبین کر[illegible]رشوں سے حاشیے بعض جگہ حذف ہو گئے ہیں، "باقی صفحہ آئندہ" کی تکرار ہو گئی ہے اور "معاصرین کلیم" کے باب میں حالات مقدم و موخر ہو گئے ہیں۔ بنا بریں

اس کا اعتراف میں نے ناقدین و قارئین نکتہ سنج کے آگے پیش لفظ ہی میں کر دینا مناسب خیال کیا ہے

سپردم بہ تو مایۂ خویش را

شریف النساء بیگم انصاری

ماہ نومبر ۱۹۶۱ء حیدرآباد دکن

بابِ اوّل

حیاتِ کلیمؒ

میرزا ابوطالب کلیم ہمدانی کی زندگی کے حالات تلاش وجستجو کے بعد جس قدر فراہم ہو سکے وہ یہاں بہ ترتیب زمانی قلمبند کئے جاتے ہیں۔

نام وکنیت :-

کسی معاصر یا متاخر مورخ و تذکرہ نگار نے کلیم کا نام نہیں بتایا ہے ہر ایک نے اس کی صرف کنیت یعنی ابوطالب لکھی ہے۔ زیادہ سے زیادہ کنیت سے آگے میرزا کا لفظ بڑھایا ہے۔ سعدی کے تخلص کی وجہ اتابک سعد زنگی کے دربار سے وابستگی بتائی جاتی ہے۔ حافظ کا نام شمس الدین تھا لیکن انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا تھا اسی مناسبت سے حافظ تخلص کرنے لگے۔ بنا بریں قیاس کہتا ہے کہ کلیم کا نام ممکن ہے میرزا موسیٰ رہا ہو اور اس نے اسی مناسبت سے کلیم تخلص کرنا شروع کیا ہو لیکن سوء ادبی کے خیال سے اس کا نام مع کنیت نہیں لیا جاتا ہوگا اور بعد میں اس کی کنیت ہی مستعمل رہی اور وہی مشہور ہو گئی۔ یوں بھی عربی تہذیب کے اثر سے بعض ایرانی بھی نام لینے کی بجائے کنیت سے مخاطب کرنا محبت کی علامت سمجھتے تھے۔

میرزا[1] کے لفظ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تعلق کسی فوجی جاگیردار خاندان سے رہا ہو کیونکہ میرزا اکثر فوجی عہدہ داروں اور جاگیرداروں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

وطن :-

کلیم کے وطن سے متعلق اختلاف ہے بعض تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ کلیم ہمدانی تھا اور بعض رقمطراز ہیں کہ وہ کاشانی تھا۔ معاصر مورخ عبدالحمید لاہوری (متوفی ۱۰۶۵ھ) لکھتے ہیں :-

---

[1] فرہنگ آنندراج۔ جلد سوم، ص ۴۹۶

این لفظ بیشتر از القاب بادشاہان و پادشاہزادگان بود و دریں روزگار بر بزرگ زادگان و رئیس پسران اطلاق کنند و در ایران بر سادات نیز مجوز است۔

"ابوطالب متخلص بہ کلیم، ہمدانی مولد، کاشانی وطن است[1]" موطن

بختاور خان اس مسئلہ پر اس طرح روشنی ڈالتے ہیں :-

"کلیم موسوم بہ طالب، مولدش ہمدان است[2]"

صاحب ید بیضا (متوفی ۱۲۰۰ھ) کا بیان ہے کہ :-

"ابوطالب کلیم، مولدش ہمدان و موطنش کاشان است[3]"

آتشکدہ[4] میں لکھا ہے :

"در وطنِ او اہلِ تذکرہ خلاف کردہ اند، بعضی او را ہمدانی و بعضی کاشانی نوشتہ اند، آنچہ مظنونِ فقیر است

این است کہ اصلش کاشی است و گویا مدتی در ہمدان می بود[5]"

صاحب بہارستان سخن (متوفی ۱۱۷۱ھ) کلیم کے کلام کی روشنی میں یہ تحریر کرتے ہیں :-

"اصلش از ہمدان است، اماچون در کاشان بیشتر بودہ بہ کاشانی شہرت یافت و خود گفتہ ؎

زنہار مگوئید کلیم از ہمدان نیست[6]"

مذکورہ بالا ماخذوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اکثر تذکرہ نویس اس پر متفق ہیں کہ وہ ہمدان میں پیدا ہوا مگر چونکہ ہمدان کے جنوب مشرقی شہر کاشان میں اپنا بچپن گذارا اور جب تعلیم کے لئے شیراز آیا تو براہ راست کاشان سے شیراز آیا اسی لئے اُسے کاشانی سمجھا جانے لگا۔ یہاں ہمدان و کاشان کے حالات کا نہایت اجمالی خاکہ بطور تعارف بیان کرنا غالباً غیر ضروری نہ ہوگا

ہمدان[7] :- عہد عتیق میں میڈیا کا صدر مقام تھا۔ ابن حوقل لکھتا ہے کہ ہمدان ایک عمدہ شہر تھا۔ اسلامی فتوحات کے بعد دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا اس کے بازاروں میں سامان تجارت کی بہتات تھی۔ گرد و نواح کا علاقہ زرخیز تھا خصوصاً زعفران بکثرت پیدا ہوتی تھی اور وساور کی جاتی تھی۔ ہمدان ۶۱۷ھ م ۱۲۲۰ء میں مغلوں کی یورش سے برباد ہوا تھا۔ شہر نہاوند اس کے

---

(۱) پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول حصہ دوم، ص : ۳۵۳

(۲) مراۃ العالم، ورق : ۴۱۷ ب (بختاور خان کے بجائے میر بقا کو مصنف لکھا گیا ہے)

تمام مورخین و تذکرہ نگاروں نے "ابوطالب" لکھا ہے مگر بختاور خان کے پاس صرف "طالب" نام پایا جاتا ہے، ممکن ہے یہ کاتب کا سہو ہو۔

(۳) ید بیضا، ص : ۲۰۶

(۴) لطف علی آذر کا سنہ وفات قطعی معلوم نہ ہو سکا بحوالہ شام انجمن اختتام (بارھویں صدی کہا جا سکتا ہے)

(۵) آتشکدۂ آذر، ص ۲۴۹، کاشان کے لحاظ سے نسبت کاشانی ہی ہونی چاہیے مگر اکثر اہلِ زبان تذکرہ نویس اختصار کے مدِ نظر "کاشی" لکھدیتے ہیں اور کاشان کے برتن کاشی کہلاتے تھے ممکن ہے اسی لحاظ سے نسبت کاشی استعمال کی جانے لگی ہے۔

(۶) بہارستان سخن، ورق : ۲۱۵ (۷) جغرافیہ خلافت مشرقی، ص : ۲۷۶؛ Ency. of Islam, Vol, I, P. 242

مضافات میں ہے ۔ ہمدان کے جنوب مغرب میں پہاڑ الوند تھا جسے یاقوت اروند لکھتا ہے اور اس کا ذکر کلیم کے اشعار میں بھی ملتا ہے ۔

کاشان[1] :- ہمدان کے جنوب مشرق میں واقع ہے یہاں سے اصفہان کو راستہ جاتا ہے اور اس سفر میں تین دن صرف ہوتے تھے ۔ قم سے ۱۲ فرسخ پر واقع ہے اور یہاں سے ایک سڑک شیراز کو جاتی ہے ۔ اس شہر کو اصطخری نے خوشنما شہر بتایا ہے اور لکھا ہے کہ اس کے مکانات قم کی طرح کچے بنے ہوئے تھے ۔ روغنی ظروف اور روغنی اینٹوں کے لیے یہ شہر مشہور تھا اس کی چیزیں کاشی کہلاتی تھیں ۔ یہاں کے باشندے فرقہ امامیہ کے نہایت غالی شیعہ تھے ۔ مستوفی کا بیان ہے کہ کاشان دراصل ہارون الرشید کی ملکہ زبیدہ نے تعمیر کروایا تھا ۔

حال ہی میں ایک ایرانی ادیب آقائے کشاورز صدر نے دیوانِ کلیم کو "کلیم کاشانی" کے نام سے ایک مختصر مقدمہ کے ساتھ شایع کیا ہے جس میں موصوف نے کلیم کے کاشانی ہونے کا ثبوت مندرجہ ذیل عبارت میں پیش کیا ہے :-

" ولی محلِ تولد و موطنِ او مورد اختلاف است ۔ بعضی وی را کاشانی و برخی ہمدانی می شناسند و ازیں اختلاف و استنباط از چند بیت در اشعارِ او چنین برمی آید کہ حتی در زمانِ حیاتِ خود کلیم ہم زاد گاہش بینِ کاشان و ہمدان مشخص نشدہ است چنانکہ خودش یک جای گوید :

کلیم آسایش و عیشِ جہان را ٭ برائے اہل کاشان می گذارد

و جائے دیگر می گوید :

کلبۂ تاریک من پیشم سوادِ اعظم است ٭ فارغ از کاشان کلیم از گوشہ کاشانہ شد

و بالآخر می گوید :-

من ز سوادِ سخنم چون کلیم ٭ نہ ہمدانی و نہ کاشانیم

گویا یکی ازایں دو نقطہ موطن اصلی و دیگری وطن ثانوی او بودہ ۔ شاید پدرش ہمدانی و خودش در کاشان نشو و نما نمودہ و تحصیلاتِ خود در آنجا بہ پایان رسانیدہ باشد[2] ۔ "

شعر اول سے کاشان، کلیم کے موطن و مولد ہونے کا ثبوت نہیں ملتا اور شعر سوم جو ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اس سے کلیم کے ہمدانی یا کاشانی ہونے پر کوئی روشنی نہیں پڑتی ، البتہ ایک شعر اس کے کلام سے ایسا ملتا ہے جس سے اچھی طرح وضاحت

---

[1] جغرافیہ خلافت مشرقی ، ص ۲۵۵ ؛ Ency. of Islam, VOL. II - P. 786

[2] کلیم کاشانی ، ص ۵۰

ہوتی ہے کہ وہ ہمدانی تھا۔

چنانچہ کہتا ہے ؎

در دامنِ الوند دگر غنچہ شود گل ٭ زنہار مگوئید کلیم از ہمدان نیست

شعر پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ لوگ اس کے ہمدانی ہونے کے متعلق مُشتبہ تھے اس لئے شاعر نے "زنہار مگوئید" کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور اپنے ہمدانی ہونے پر فخر کیا ہے۔

حیاتِ کلیم کی دیگر تفصیلات سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ ہمدان میں پیدا ہوا۔ عنفوانِ شباب میں فارغ التحصیل ہو کر سیدھا دکن آیا، یہاں ۱۰۲۸ھ تک مقیم رہا، بعد ازاں ۱۰۳۰ھ سے زندگی کی آخری سانسوں تک شمالی ہند میں سکونت پذیر رہا۔ اس طرح وہ ہندوستان میں کاشان سے زیادہ یعنی ۴۴، ۴۵ سال تک مقیم رہا۔ بربنارِ اصول قومیت و وطنیت اُسے ہندوستانی کہنا مناسب ہو سکتا تھا لیکن چونکہ وہ ایرانی نژاد تھا اس لئے ہماری رائے میں اُسے ہمدانی کہنا ہی صحیح ہو گا۔ آقائے کشاورز صدر کے پیش کردہ ثبوت کی بناء پر اُسے کاشانی کہنا از روئے اُصولِ قومیت شاید صحیح نہ ہو۔

تاریخ پیدائش:-

کسی معاصر یا متاخر تذکرہ نگار و مورخ کے ہاں کلیم کی تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں چلتا اور نہ کلیم نے اپنے کلام میں کہیں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ کب پیدا ہوا یا فلاں وقت اس کی عمر اتنی تھی۔ تاریخ پیدائش معلوم کرنے میں تاریخ وفات اور صحیح عمر بہت ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں مگر افسوس کہ کسی نے وفات کے ساتھ عمر نہیں لکھی۔ اب کلیم کی تاریخ پیدائش معلوم کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ اس کی آمدِ ہند کا سنہ اور اس زمانے میں اس کی صحیح عمر ہے۔

(۱) تذکرہ نگاروں کے فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں کلیم آغازِ شباب میں کاشان سے شیراز گیا تھا۔

"کلیم در آغازِ جوانی بہ شیراز شتافتہ دانش آموزی خواہش گرفت و لختی بہ علومِ رسمی آشنا شدہ رہ نوردِ ہندوستان گردید[۱]"

آغازِ شباب سے مُراد ۱۴، ۱۵ سال لی جائے اور یہ فرض کیا جائے کہ اس نے کم از کم ۶، ۷ سال تعلیم حاصل کی ہو گی اور پھر شیراز سے ہند آیا تو آمدِ ہند کے وقت کلیم کی عمر ۲۰، ۲۱ سال قرار پا سکتی ہے۔

(۲) دوسرا بحث طلب نقطہ یہ ہے کہ کلیم کس سنہ میں واردِ ہند ہوا؟ یہ بحث مستقل عنوان کے تحت آئندہ صفحات پر آئے گی اسلئے مجملاً اس بحث کو یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔

نواب شاہنواز خان شیرازی (متوفی ۱۰۲۰ھ) ابراہیم عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۰۳۵ھ) کا وزیر تھا اس کا اقتدار ۱۰۰۳ سے ۱۰۱۸ھ تک انتہائی عروج پر تھا اور ہندوستانی سرحد سے بہت آگے شیراز کے علمی و ادبی حلقوں میں اس کی فیاضیوں کے

---

[۱] پادشاہنامہ قزوینی، ورق ۴۶۱ ب

تذکرے پہنچ گئے تھے[1] اس لئے بہت سے شعرا، تلاشِ معاش اور اپنے علمی جوہر کو اُجاگر کرنے کے لئے دکن آتے تھے۔ کلیم بھی خوش آیند مستقبل کی اُمید اور ہندوستان کی شنیدہ خوبیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے لئے شیراز سے سیدھا دکن آیا۔ ۱۰۰۸ھ اور ۱۰۱۴ھ کے درمیان "نورس پور" کی تعمیر ہو رہی تھی۔ کلیم کی ایک مثنوی اور دو قصائد سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ اُس نے وہ شاہنواز خان اور اس کے قصر "نورس بہشت" کی تعریف میں سُپردِ قلم کئے تھے اور اس عہد کی تاریخی تفصیلات[2] کے لحاظ سے یہ دس سو دس (۱۰۱۰ھ) اور دس سو چودہ (۱۰۱۴ھ) کے درمیانی زمانے کے تحریر کردہ قرار پاتے ہیں۔ لہٰذا اغلب ہے کہ کلیم ۱۰۱۰ھ اور ۱۰۱۴ھ کے درمیان واردِ ہند ہوا ہوگا۔ اگر ہندوستان میں وارد ہونے کے وقت اس کی عمر ۲۰، ۲۱ سال فرض کی جائے، تو اس کی پیدائش نوسو نود، نوسو چورانوے (۹۹۰ھ-۹۹۴ھ) میں واقع ہوئی ہوگی، اور چونکہ اس کا انتقال دس سو اکسٹھ (۱۰۶۱ھ) میں ہوا تھا بنا بریں اس کی عمر اس حساب سے ۷۰، ۷۱ سال قرار پاتی ہے۔

جب کتب تواریخ اور تذکرے کسی ادیب یا شاعر کی ابتدائی زندگی کے حالات سے خالی ملتے ہیں اور خود شاعر بھی بطور انکسار یا بطور پردہ پوشی اپنے کلام میں کہیں اپنے لڑکپن کا صریحانہ یہی، سرسری ذکر بھی نہیں کرتا تو محقق کے لئے یہ امر بڑی مشکلات کا باعث بن جاتا ہے کیونکہ خارجی ذرائع یا داخلی شواہد ہی نتائج اخذ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں لہٰذا آج کلیم کے ابتدائی حالات بالکل تاریکی میں ہیں اور اس حصہ سے متعلق کوئی قطعی رائے قایم کرنا دشوار ہو گیا ہے پھر بھی جو کچھ معلومات مختلف ذرائع سے حاصل ہو سکی ہے ان کو ہم ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

تعلیم:-

کلیم کی ابتدائی زندگی کے متعلق تذکرہ نگار صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ اس نے شیراز جاکر علوم متداولہ کی تحصیل کی اور پھر ہندوستان چلا آیا۔

عبدالحمید لاہوری[3]۔ محمد امین قزوینی[4] اور بختاور خان[5] کا بیان ہے کہ:-

"کلیم، عندلیبِ گلشنِ سخندانی در آغاز جوانی بہ شیراز شتافتہ دانش آموزی خواہش گرفت و لختی بہ علوم رسمی آشنا شدہ رہ نوردِ ہندوستان گردید۔"

پیشِ نظر دور میں علوم متداولہ سے مُراد عموماً فقہ، حدیث، کلام اور فلسفہ لی جاتی تھی اور کلامِ کلیم سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ

---

(۱) تاریخ فرشتہ، جلد دوم، مقالہ سوم، روضۂ دوم، ص: ۷۸ تا ۸۳۔ تاریخ دکن (سلسلۂ آصفیہ) حصہ دوم، ص: ۲۱۶

(۲) تاریخی تفصیلات آئندہ صفحات میں درج ہیں۔

(۳) پادشاہنامہ لاہوری، جلد اول حصہ دوم، ص: ۳۵۲

(۴) پادشاہنامہ قزوینی، ورق: ۲۷۶ ب

(۵) مراۃ العالم، ورق: ۳۱۸ ب

وہ ریاضی، ہیئت، منطق وغیرہ سے بھی بخوبی واقف تھا جو اس زمانے کے نصاب کے لازمی اجزا تھے۔ دارالعلم[1] شیراز میں کثرت سے مدارس تھے اور کلیم اپنے پیشروؤں کی طرح اسی مرکزِ علم سے تحصیل علوم کر کے نکلا تھا لیکن پھر بھی ایک بات تشنہ رہ گئی کہ اس نے کن کن ہستیوں سے فیض حاصل کیا تھا؛ چونکہ میرزا جلال[2] اسیر کے متعلق اس کے قلم سے ایسے اشعار نکلے ہیں جن سے اسیر کے تتبع کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے اگر ہم انہیں کلیم کا استاد مانیں تو شاید حقیقت سے بعید نہ ہوگا۔

میرزائے ما جلال الدین بس است — از سخن سنجان طلب گارِ سخن

راستی طبعش، استادِ من است — کج فہم بر فرقِ دستارِ سخن

جلال الدین کی شخصیت کی کلیم نے وضاحت نہیں کی ہے۔ ظن غالب ہے کہ اس سے مراد اس کے ہمعصر شاعر میرزا جلال اسیر ہیں جن کے حالات متعدد تذکروں میں ملتے ہیں۔ انہوں نے ۱۰۴۹ھ میں انتقال کیا اور ان کے تتبع کا اعتراف صائب نے بھی کیا ہے اور ممکن ہے کلیم نے ان کے رنگِ سخن سے فیض حاصل کیا ہو۔ سوائے میرزا جلال اسیر کے ہم کو کسی شخصیت کا پتہ نہ چل سکا جس سے کلیم نے اکتساب کیا ہو۔

کلیم کی آمد ہند:-

کلیم کے ہندوستان آنے کے موقع پر دکن کی جو سیاسی حالت تھی اس کا نہایت ہی اجمالی خاکہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اس کے کلام کا ماحول سمجھنے میں سہولت ہو۔

سلطنتِ بہمنیہ (۱۳۴۷ء تا ۱۵۲۷ء) کے اختتام پر پانچ[5] خود مختار ریاستوں کا قیام ہوا۔ بریدشاہی (بیدر) (۱۴۸۷ء تا ۱۶۱۹ء / ۸۹۳ھ تا ۱۰۲۸ھ)، عادل شاہی (بیجاپور) (۱۴۹۰ء تا ۱۶۸۶ء / ۸۹۵ھ تا ۱۰۹۷ھ)، عماد شاہی (برار) (۱۴۹۰ء تا ۱۵۷۲ء / ۸۹۵ھ تا ۹۸۲ھ)، قطب شاہی (گولکنڈہ) (۱۵۱۸ء تا ۱۶۸۷ء / ۹۲۴ھ تا ۱۰۹۸ھ)، اور نظام شاہی (احمدنگر) (۱۴۹۰ء تا ۱۶۲۳ء / ۸۹۵ھ تا ۱۰۲۳ھ)

یہ پانچوں ریاستیں توازن قوت کو برقرار رکھنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتی تھیں کہ جنوبی دکن کی ریاست بیجانگر سے آن بن ہوگئی اور جنگ تالیکوٹ ۹۷۲ھ م ۱۵۶۵ء وقوع پذیر ہوئی۔ اس کے بعد دکن کی سیاسی حالت غیر متوازن ہوگئی۔ کیونکہ علی عادل شاہ (متوفی ۹۸۸ھ) والئی بیجاپور کی قوت بہت بڑھ گئی تھی اور نظام شاہی حکمران اپنی ہمسایہ ریاستوں سے بدعہدی کرنے لگے تھے لیکن اتفاق کی بات ہے کہ علی عادل شاہ کا انتقال ہوگیا اور ابراہیم عادل شاہ ثانی سریرآرائے سلطنت ہوا اس کی اور سلاطین گولکنڈہ کی یہ کوششیں رہیں کہ توازنِ قوت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں کیونکہ دکن کا امن اسی اصول سے وابستہ تھا

---

[1] حیاتِ سعدی، ص : ف، "تم را دارالمومنین و نیز دارالعباد گفتہ اند" شیراز را ہم دارالعلوم خواندہ اند۔ حیاتِ سعدی۔ ص ۲ :- "در آن عصر مدارس متعدد در مرکز اسلامیت برپا بود و طالبان علم از بلاد دور برائے تحصیل علم بمدارس مذکور میآمدند۔"

[2] ماثرالکرام، ص ۵۳۰ "شاعر ادا بند است و موجد اندازہ دلپسند۔ میرزا صائب سخن او را اکثر تضمین می کند و در مقطعے میگوید :-

خوشا کسے کہ چو صائب ز ہماجان سخن — تتبعِ سخنِ میرزا جلال کند

میرزا جلال از اجلۂ سادات شہرستان صفاہان است و بمصاحبت شاہ عباس ممتاز زمان۔ پیوستہ سرگرم صحبت ارباب کمال بود در عین جوانی بربسترِ ناتوانی افتاد و در سنہ تسع واربعین والف (۱۰۴۹ھ) غبارِ ہستی بباد فنا داد۔"

نظام شاہی حکمران دوسری ہمسایہ سلطنتوں سے اُلجھ اُلجھ کر نہ صرف سیاسی توازن بگاڑ رہے تھے بلکہ خود کمزور ہو رہے تھے اسی اثناء میں سنہ ۱۰۰۴ھ میں مغلوں نے حملہ کیا اور محل وقوع کے لحاظ سے اس کی زد میں سب سے پہلے سلطنت نظام شاہیہ ہی آئی۔ آخر کار سنہ ۱۰۱۹ھ میں اندرونی کشمکشوں اور مغلوں کی مدافعت سے تنگ آکر چاند بی بی نے خودکشی کرلی اور احمد نگر، برہان پور اور اسیر گڈھ مغلوں کے قبضہ میں آگئے۔ نظام شاہی سلطنت نے دم توڑ دیا اور اقتدارِ دکن کی حمایت کے لئے ابھی ملک عنبر نے تقویت حاصل نہیں کی تھی۔ اس وقت گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستیں ہی ایسی رہ گئی تھیں جن میں علمی فضا قائم تھی، اور شاہانہ فیاضیوں کی وجہ سے دکن رشکِ ایران بنا ہوا تھا اور اسی خوشگوار مسابقت کی وجہ سے انھیں الٹے تمتزن کا موقع ملا۔ ایرانی اربابِ ہنر بحری راستے سے واردِ دکن ہوتے تو پہلے انہیں ریاستِ بیجاپور ہی میں سرپرستی حاصل ہوجاتی تھی کیونکہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۰۳۷ھ) کا وزیر شاہنواز خان شیرازی (متوفی ۱۰۲۰ھ) ایرانی نژاد تھا اور اس کی علم دوستی و فیاضی کے چرچے اہلِ ایران کو مسحور کئے ہوئے تھے چنانچہ کلیم کے قدم اپنے پیشروؤں کی طرح اس طرف اُٹھنے لگے۔ کلیم کا ایک شعر اس کی آمدِ دکن کا واضح ثبوت ہے ؎

بسیرِ عزم بیجاپور گشتم　　رہے با اختری خوش دشت پیما

پیشِ نظر زمانے میں سلاطین دکن کو مغلوں کے حملوں کا ہمیشہ کھٹکا لگا رہتا تھا بنا بریں سرحدی چوکیوں کا انتظام و انصرام بہت سخت تھا اور حکام و عمالِ سرحد ہر وقت چوکس رہتے تھے۔ ان کی فرض شناسی و بیدار مغزی کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ جب کلیم نے اپنے دوست اختری یزدی کے ہمراہ بیجاپور کی سرحد میں داخل ہونے کی کوشش کی تو جاسوسی کے شبہ میں گرفتار کر لیا گیا اور نظر بند کر دیا گیا۔

جس طرح کلیم کے وطن کے بارے میں اختلاف ہوا تھا اسی طرح اس کی آمدِ دکن سے متعلق بھی اختلاف آرا ہے۔

۱۔ معاصر مورخین و تذکرہ نگاروں میں بجز ناظم تبریزی کے اکثر اس پر متفق ہیں کہ کلیم ہندوستان آیا اور دکن میں مقیم رہا مختلف لوگوں سے فیض یاب ہوتا رہا پھر شاہجہان کی تخت نشینی کا شہرہ ہوا تو وہ آگرہ آیا اور دربار سے توسل حاصل کیا۔

۲۔ متاخر مورخین و تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ پہلی مرتبہ دکن آنے کی بجائے آگرہ گیا اور دوسری دفعہ ۱۰۳۰ھ میں جب اس نے ہندوستان مراجعت کی تو دکن کا رُخ کیا۔

لیکن صحیح صورتِ حال یہ ہے کہ

(۱) کلیم پہلی مرتبہ ۱۱ویں صدی کی دوسری دہائی میں دکن آیا۔

(۲) ۱۰۲۸ھ میں ہندوستان سے پھر عراق کو مراجعت کی اور دو سال وہاں مقیم رہا۔

(۳) ۱۰۳۰ھ میں ہندوستان لوٹا اور واردِ آگرہ ہوا۔

اس اجمال کی تفصیل کے لئے زیرِ نظر صفحات میں بحث کی جاتی ہے۔

۱۔ معاصر مورخ عبدالحمید لاہوری و محمد امین قزوینی لکھتے ہیں۔

"ملحتی برسمی علوم آشنائی بہم رسانیدہ رہ نوردِ ہندوستان گردید۔ اگرچہ مدتی درسرزمین دکن و برخی دیگر ممالک ہندوستان بسر بردہ طرفی از کامرانی نہ لبستہ بُود۔ اما چون طنطنۂ اورنگ آرائی حضرت شاہنشاہی گوشِ جہانیان برافروخت ...... بآستانِ معلیٰ رسیدہ درزمرۂ بندگان درآمد"[1]

ان کے بیان سے کلیم کا پہلی دفعہ براہ راست دکن آنا ثابت ہوتا ہے لیکن اس میں ۱۰۲۸ھ میں عراق جاکر دوبارہ ۱۰۳۰ھ میں ہندوستان آنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ کلیم کے کلیات کے ایک قطعۂ تاریخی[2] سے شہادت ملتی ہے کہ وہ ۱۰۲۸ھ میں عراق واپس گیا تھا۔

۲۔ متاخر مورخین و تذکرہ نگاروں میں منجملہ اور کے دو شخصیتیں قابلِ اسناد ہیں۔ عبدالجبار ملکاپوری اور شبلی نعمانی۔ عبدالجبار ملکاپوری کا بیان ہے۔

"کلیم تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد تلاشِ معاش میں سفر اختیار کیا۔ جہانگیر کے زمانے میں ہند آیا۔ شاہنواز خان صفوی کے مکان پر فروکش ہوا۔ خان موصوف نے کلیم کے ساتھ مہمان نوازی کے مراسم کریمانہ طور پر ادا کئے ابھی جہانگیر کے دربار میں رسائی نہیں ہوئی تھی کہ وطن کی محبت دامن گیر ہوئی ۱۰۲۶ھ میں وطن مالوفہ کی طرف مراجعت کی۔ وطن پہنچکر دو ڈھائی سال سے زیادہ نہیں ٹھیرا پھر ہندوستان واپس آیا۔ اولاً دکن میں آیا۔ ابراہیم عادل شاہ والئ بیجاپور کے پاس جارہا تھا کہ راہ میں جاسوسی کے شبہ میں گرفتار ہوا۔ قلعہ شاہ درک میں قید کیا گیا۔ قید خانہ میں عادل شاہ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا معلوم نہیں اس کا قصیدہ عادل شاہ کے مُلاحظہ میں گزرا یا نہیں، غالباً قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قصیدہ عادل شاہ کے مُلاحظہ میں نہیں گزرا۔ اگر گزرتا تو عادل شاہ کی عنایت و قدردانی سے مالامال ہوجاتا اور شاہجہان کے دربار میں پہنچنے کی تمنا نہ کرتا آخر چند روز کے بعد قید خانہ سے رہا ہو کر شاہجہان کے دربار کا عزم جزم کیا اور قصیدہ میر جملہ شہرستانی کی مدح میں موزوں کیا۔ اسمیں اپنا تمام حال و قید خانہ کے مصائب کا ذکر بھی کیا ہے" (مذکورہ قصیدے کے چند اشعار جو زیر بحث موضوع سے متعلق ہیں درج کیے جاتے ہیں)

فلک قدرا! نمی پُرسی کہ گردُوں	چرا آزرد مارا بے محابا
چرا آزرد بیمارِ غمے را	کہ می آید بہ درگاہِ مسیحا
بعزم سیر بیجاپور گشتم	رہے با اختری خوش دشت پیما
دو بالِ طائر شوقیم ھر دو	نمی بودیم یک ساعت شکیبا

۱؎ پادشاہنامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۳۵۴

۲؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۶۹ ب

بچنگِ راہداران اوفتادیم — چگوئیم تا چہا کردند با ما
یکی گوید کہ دزد انند باشند — بہ زنداں چند گو زنجیر فرسا
دیگر گوید کہ جاسوسِ فلانند — کہ از تفتیش ما گشتند رسوا
یکی می گوید ایشان را بکاوید — کہ شاید نامۂ گردد ہویدا
بجرم ایں کہ می مانند بہ نامہ — کشیدند استخوانہا را ز اعضا
کنون در چنگِ ایشاں مبتلاییم — نمی دانیم چارہ جز مدارا
ز بہرِ پاسِ ہندو ہائے با تیغ — چو مو استادہ دایم بر سرِ ما
عجب دارم کہ با ایں منعِ جادہ — چسان بے خواست آمد تا بآنجا
اشارت کن کہ چوں اقبال گردیم — بخاکِ آستانت جبہہ فرسا[1]"

ان کے اس بیان میں تین[3] امور غور طلب ہیں۔

۱۔ کلیم نے ایک قصیدہ ابراہیم عادل شاہ کی مدح میں لکھا جس کے متعلق شبہ ہے کہ وہ اس تک پہنچ نہ سکا۔

۲۔ کلیم نے قید سے رہا ہو کر دربارِ شاہجہانی کا رُخ کیا اور وہاں جا کر میر جملہ شہرستانی کی مدح میں قصیدہ موزوں کیا جس میں اپنے قید خانے کے مصائب کا ذکر کیا۔

۳۔ دوسری دفعہ ۱۰۳۰ھ میں جب کلیم ہندوستان آیا تو پہلے دکن آیا۔

(۱)۔ معاصر مورخین خاموش ہیں اور متاخر مورخین و تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ کلیم نے قید میں ایک قصیدہ ابراہیم عادل شاہ کی مدح میں لکھا۔ سارے کلیات کا بنظر تعمق مطالعہ کرنے کے بعد قید سے متعلق دو[2] قطعے ملتے ہیں اور جس "قصیدہ" کا ذکر ہر تذکرہ نگار کرتا ہے وہ کہیں نہیں ملتا اور اگر ان تذکروں کی بات تسلیم کر لی جائے تو یہ سمجھنا ہوگا کہ ان قطعوں کے مطلع امتدادِ زمانہ کے نذر ہو گئے ہوں گے اور قصیدے قطعوں کی شکل میں باقی رہ گئے ہوں گے جو بعید از قیاس ہے اور پہلے قطعہ میں تو مقطع بھی نہیں۔ چونکہ دیوان اس کی حیات میں مدون نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا احتمال ہے کہ یہ قطعہ نامکمل ہو۔ باوجود تلاش کے اس کے مابقی اشعار کسی ماخذ سے ہمدست نہ ہو سکے۔

دوسرا زیر بحث امر یہ ہے کہ پہلے قطعہ میں اس کا کوئی مخاطب نہیں ہے اور دوسرے قطعہ میں شاہنواز خان کا نام واضح طور پر درج ہے۔ اس لئے اس کا مخاطب تو مسلمہ طور پر شاہنواز خان ہی ہے لیکن پہلے قطعہ میں چونکہ کسی کا نام نہیں ہے تو اسے کسی نے شاہنواز خان سے منسوب کر دیا ہے اور کسی نے میر جملہ شہرستانی سے، اور نہ کوئی قصیدہ ایسا ملا جس کو بادشاہِ وقت کے نام سے منسوب کیا جا سکے، موجودہ معلومات کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف

---

[1] تذکرہ محبوب الزمن، ص: ۹۵۱

تذکرہ نگاروں کی محض قیاس آرائی ہے۔

سارے قرائن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلیم شبہ میں گرفتار کر لیا گیا اور نظر بندی کے دوران میں اس کی علمیت اور قابلیت سے عہدہ داران فوج متاثر ہوئے اور انہوں نے ہی اس کی ہمت افزائی کی اور اس نے ایک قطعہ کسی مقتدر اعلیٰ کی طرف مخاطبت کر کے لکھ دیا۔ مگر چونکہ سیاسی حالات کا اقتضا یہ تھا کہ مکمل اطمینان ہونے تک رہا نہ کیا جائے اس لئے حکام قید خانہ اس سے ہمدردی رکھنے کے باوجود اُسے رہا نہ کر سکے اور اغلب ہے کہ انہوں نے ہی اُسے دوسرا قطعہ سپردِ قلم کرنے کی ترغیب دلائی ہو جس میں شاہنواز خان کا نام پایا جاتا ہے اور اُسی قطعہ کو وزیرِ دقت شاہنواز خان شیرازی کے دربار میں پہنچایا گیا ہو اور اُسی کے حکم سے رہائی ہوئی ہو۔

۲۔ صاحب محبوب الزمن کے بیان کے مطابق اگر کلیم قید سے رہا ہو کر میر جملہ شہرستانی کے پاس گیا اور وہاں قصیدہ موزوں کیا، تسلیم کریں تو عقل و تحقیق دونوں نہیں مانتے کیونکہ اس کے مطالعہ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ قطعہ یعنی جیسے قید کے مصائب میں لکھا گیا ہے۔ تیغوں اور برچھیوں کی چمک سے کلیم کی آنکھوں میں جو خیرگی پیدا ہو رہی تھی اور خوف سے جسم پر جو لرزہ پڑ رہا تھا، اس کا نقشہ صاف الفاظ میں کھینچا ہے۔ دوسرے سے "کنون در چنگ ایشان مبتلایم" میں "کنون" کا لفظ بتاتا ہے کہ شاعر ماضی کا کوئی واقعہ نہیں بلکہ حال کی تکلیف بیان کر رہا ہے اور بعد ازیں آخری شعر میں "اشارت کن" کا لفظ خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ شاعر نے اس اُمید سے یہ الفاظ استعمال کئے تھے کہ ممدوح کے اشارے پر وہ قید سے رہا ہو جائے گا۔ تاریخ شاہد ہے کہ میر جملہ شہرستانی ۱۰۲۷ھ میں فرمان جہانگیری سے ہندوستان آیا تھا اور بقول عبدالجبار کلیم ۱۰۲۸ھ میں عراق لوٹ گیا تھا۔ ایسی صورت میں اس کی ملاقات میر جملہ شہرستانی سے ہونے کے امکانات ہی کم ہوتے ہیں تو اُسے علم دوستی کے اظہار کرنے یا فیاضی کے دریا بہانے کا موقع ہی کب ملا ہوگا اور دوسری دفعہ کے سفر میں قید سے چھوٹ کر آگرہ پہنچنے کے بعد اس قسم کا قطعہ لکھنا تو لایعنی ہے۔

۳۔ اگر عبدالجبار ملکاپوری کے بیان کی تطابق میں بفرض محال یہ مان لیا جائے کہ کلیم نے ۱۰۳۰ھ کے بعد بیجاپور کا قصد کیا تھا تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کلیم کے کلیات میں "نورسپور" سے متعلق جو رباعی[1] دستیاب ہوئی ہے اور شاہنواز خان کی عمارت کی تعریف میں جو مثنویاں و قصائد ملے ہیں ان کا سنہ ارقام کیا ہوگا؟ اور اگر مذکورہ بالا قطعے وغیرہ ۱۰۳۰ھ اور ۱۰۳۶ھ کے درمیان لکھے گئے تھے تو تاریخ سے ان معلومات کی تردید ہوتی ہے کیونکہ ۱۰۲۰ھ میں شاہنواز خان وزیر ابراہیم عادل شاہ ثانی فوت ہو چکا تھا اور ملک عنبر کی غارت گری سے دکن میں دھوم مچی ہوئی تھی اور ۱۰۳۴ھ میں تو ملک عنبر نے شہر نورسپور کو لوٹ کر اُسے کھنڈر میں تبدیل کر دیا تھا[2]۔

---

[1] کلیات کلیم، ورق: ۳۰۹ ب [2] بساتین السلاطین، بستانِ پنجم، ص: ۲۷۲ "ملک عنبر باز در سنہ ہزار و سی و چہار با جمعیت پنجاہ ہزار سوار بر نورسپور تاختہ آوردہ خرابی کمال بظہور رسانید۔"

دوسرے یہ کہ اگر کلیم نے ۱۰۳۴ھ اور ۱۰۳۶ھ کے درمیان آگرہ کا رُخ کیا تھا تو اُس زمانہ میں شہنشاہ جہانگیر حکمراں[1] تھا شاہجہان کی حکمرانی کا تصور ہی سرے سے غلط ہے اور جبکہ پہلی دفعہ اُسے اُس دربار سے کوئی فیض حاصل نہیں ہوا تھا تو دوسری دفعہ کوئی امید وہ کیسے وابستہ کرسکتا تھا۔ ایسی صورت میں صاحب محبوب الزمن کا یہ حوالہ ناقص قرار پاتا ہے۔

۱۰۳۰ھ کے بعد کلیم کے وُرود بیجاپور کے دوسرے حامی شبلی ہیں۔ تذکرہ کلیم کے چیدہ جملے جن کا تعلق زیر بحث موضوع سے ہے نقل کئے جاتے ہیں۔

"(کلیم) نے آغاز جوانی میں شیراز جاکر علوم درسیہ کی تحصیل کی۔ جہانگیر کے عہد حکومت میں شاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی ایک مشہور امیر تھا۔ کلیم نے اوّل اس کے دربار میں رسائی پیدا کی لیکن ۱۰۲۸ آ میں وطن کی یاد نے بے چین کیا۔ دو برس بھی (وطن میں) گزرنے نہ پائے تھے کہ پھر ہندوستان آیا۔ اب کی اس نے میر جملہ شہرستانی کا دامن پکڑا۔ کلیم کی شاعری کا اگرچہ سکّہ جمتا جاتا تھا اس کے سرپرست بھی دربار شاہی میں خاص اعزاز رکھتے تھے لیکن جہانگیر تک اس کی رسائی نہ ہو سکی جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ دربار کا ملک الشعراء طالب آملی تھا کلیم کی ناکامیابی کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ نورجہاں بیگم اس کی شاعری کی معتقد نہ تھی اور اکثر اس کے اشعار پر حرف گیری کیا کرتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ کلیم نے دربار میں پہنچنے سے پہلے جابجا خاک چھانی، شاہجہاں نامہ میں لکھا ہے کہ وہ دکن میں مارا مارا پھرا۔ اس کی تصدیق اس سے بھی ہوتی ہے کہ کلیم کا ایک قصیدہ ابراہیم عادل شاہ کی مدح میں بھی ہے۔ ایک اور قصیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیجاپور کے ارادہ سے چلا تھا کہ راہ میں جاسوسی کے شبہ میں پکڑا گیا، اور قلعہ شاہدرک میں رکھا گیا۔

چنانچہ کہتا ہے ؎

فلک قدرانمی پرسی کہ گردوں	چرا آزرد مرا بے محابا

یہ قصیدہ شاہنواز خان کے نام لکھا ہے اور آخر میں لکھا ہے ؎

اشارت کن کہ چوں اقبال گردیم	بخاکِ آستانت جبہہ فرسا[2]

مولانا شبلی کے اس بیان سے چار باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں۔

۱۔ کلیم شیراز سے سیدھا عہد جہانگیر میں ہندوستان آیا اور شاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی سے منسلک ہوا جو جہانگیر کا امیر تھا۔

۲۔ ۱۰۲۸ھ تک ہندوستان میں رہ کر واپس وطن لوٹا۔

---

[1] شہنشاہ جہانگیر - ۱۰۱۴ھ تا ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ

[2] شعر العجم، جلد سوم، ص: ۲۰۵ تا ۲۰۸

۳۔ ۱۰۳۰ھ میں دوبارہ ہندوستان آیا اور میر جملہ شہرستانی کا دامن پکڑا۔

۴۔ شاہجہاں نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دکن میں مارا مارا پھرا اور سفر بیجاپور کے موقع پر جاسوسی کے شبہ میں گرفتار ہو کر شاہدرک میں قید رہا اور ایک قصیدہ شاہنواز خان صفوی کے نام لکھا۔

۱۔ دیگر متاخر مورخین و تذکرہ نگاروں کی طرح شبلی بھی سفر اول میں کلیم کے عہد جہانگیر میں ہندوستان آنے اور شاہنواز خان صفوی سے منسلک ہونے پر متفق ہیں۔ اس مسئلہ پر ملکاپوری کے بیان کی تردید میں بحث کی جا چکی ہے۔

۲۔ ۱۰۲۸ھ تک یہاں رہ کر واپس ایران جانے کا خیال ہر لحاظ سے دُرست ہے۔

۳۔ ۱۰۳۰ھ میں دوبارہ ہندوستان آیا اور میر جملہ شہرستانی سے وابستہ ہوا۔ یہ استدلال بھی صحیح ہے۔

۴۔ شاہجہاں نامہ کے حوالے سے اس خیال کا اظہار فرماتے ہیں کہ کلیم "دکن میں مارا مارا پھرا تھا" اور قید سے رہائی کے لئے اس نے شاہنواز خان کا وسیلہ ڈھونڈھا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

(۱) کلیم جب دکن گیا تھا تو شاہنواز خان صفوی سے متعارف تھا اور شبلی کے مذکورہ حوالہ کی روشنی میں یہ بات مسلمہ ہے کہ شاہنواز خان سے موصوف کی مُراد شاہنواز خان صفوی ہی ہے۔

(۲) میر جملہ شہرستانی ابھی کلیم کی فہرست ممدوحین میں نہیں آیا تھا ورنہ اعانت طلب کرنے کے لئے میر جملہ کو بھی مخاطب کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا کلیم یا تو ۱۰۲۸ھ سے کچھ پہلے دکن گیا تھا اور وہاں سے شاہنواز خان کی مدد سے رہائی پا کر ایران کو مُراجعت کی یا پھر ۱۰۳۰ھ کے بعد دوسرے سفر کے دوران میں دکن گیا تھا اور ہنوز میر جملہ شہرستانی سے واقف نہ تھا۔

تذکرہ محبوب الزمن کے فاضل مصنف کے استدلال کی تردید کے ضمن میں ان اُمور سے تفصیلی بحث کی جا چکی ہے کہ کلیم کا ممدوح شاہنواز خان شیرازی ۱۰۲۰ھ تک رحلت کر چکا تھا اور اس کے بعد کلیم کا بیجاپور آنا یقیناً لاحاصل تھا اور اگر شاہنواز خان صفوی سے اس کے اتنے اچھے مراسم ہوتے کہ اُسے قید بیجاپور سے چھڑا سکتے تو ظاہر ہے کہ وہ اسی سے وابستہ رہتا دکن ہرگز نہ جاتا۔ اور جب شبلی مرحوم شاہنواز خان ہی کے ذریعہ کلیم کو رہائی دلانے پر مُصر تھے تو انہیں "فلک قدررا" والے قطعے کے بجائے قافیہ فریاد، امداد والا قطعہ پیش کرنا چاہیے تھا جس میں شاہنواز خان کا نام درج ہے قطع نظر اس کے کہ یہ شاہنواز خان شیرازی تھا یا شاہنواز خان صفوی تھا یہاں متعلقہ شعر پیش کئے جاتے ہیں جن پر شبلی اپنے دعوے کی بُنیاد رکھ سکتے تھے۔

حدیث شکوہ گردوں بلند خواہم کرد	مگر بدرگہ نواب خان رسد فریاد
پناہ اہل ہنر شاہنواز خان کہ کند	ز رائے روشن اُو آفتاب استمداد
جہاں بذات علیم المثال اُو نازاں	بداں مثابہ کہ اہل ہُنر با ستعداد
زہے شکستہ اہل ہُنر درست از تو	چہ واقع است کہ مارا نمی کنی امداد
سزائے بے گنہاں گر چنین بود بحکم	بفرض اگر گنہی کس بما کند اسناد

بکنج دہ، من سی روزہ، مست رسوا را | زمانہ چلہ نشین کردہ است چوں زہاد
رو آبود کہ فراموشش کردۂ از من | خصوص از پئ صد گونہ شکوۂ بیداد
رضائے آمدن از نیست رخصتِ رفتن | کرم نما کہ دریں رہ نمی تواں ایستاد
بداں شتابہ ازیں آمدن سبک شدہ ام | کہ ہمچو موج بہ پس میروم ز جنبش باد
ہزار کوہِ غمم سدِّ راہ شد تا کے | ز نوکِ خامہ کنم کارِ تیشۂ فرہاد
کلیم گوہر ارزندہ ایست حیرانم | کہ از کجا بکفِ طالعِ زبوں افتاد[1]

ان تمام تفصیلات کے بعد ہم یہ کہنے کے موقف میں ہیں کہ موصوف نے دیگر تذکرہ نگاروں وغیرہ کے بیانات کو ملا دیا ہے۔ چونکہ "فلک قدرا" والے قطعہ کو عبدالجبار ملکاپوری میر جملہ سے متعلق قرار دے چکے تھے اس لئے شبلی نے اسے شاہنواز خان سے منتسب کر کے مبہم سا نتیجہ نکالا ہے جس کی وجہ سے محقق کو غلط فہمی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلیم شیراز سے پہلی دفعہ بحری راستے سے ہندوستان آیا کیونکہ دکن آنے کیلئے یہی راستہ زیادہ قریب ہوتا تھا اور شاہنواز خان شیرازی کے چرچے اکثر اربابِ ہنر کی کشش کا باعث بنے ہوئے تھے اور محلِ وقوع کے لحاظ سے گولکنڈہ سے قبل عادل شاہی سلطنت ہمارا راستے میں آتی تھی۔ چنانچہ کلیم سیدھا بیجاپور پہنچا تاکہ شاہنواز خان شیرازی کی سرپرستی حاصل کرسکے۔

کلیم کا ممدوح :۔ جہاں کلیم کے وطن اور اس کی آمدِ ہند کے مسائل متنازعہ فیہ تھے وہیں اس کے ممدوح کی شخصیت بھی معرضِ اختلاف بن گئی ہے۔

بجز (عبدالحمید لاہوری، محمد امین قزوینی اور صاحب فانوس خیال، تمام مورخین تذکرہ نگار اور فہرست نگاروں کے نتیجۂ فکر کی تنقیح و تنقید کریں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ "کلیم شہنشاہِ جہانگیر کے ابتدائی عہد میں ہندوستان آیا اور شاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی کے سلکِ مداحان میں منسلک ہوا"، چنانچہ خزانہ عامرہ سے اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے۔

"کلیم در عہد جہانگیری بسیر ہند خرامید و باشاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی[2] (متوفی ۱۰۶۹ھ) مربوط گشتہ

---

[1] کلیاتِ کلیم اورق: ۳۸ و ب

[2] ماثر الامراء، جلد دوم، ص، ۶۷۰ - شاہنواز خان صفوی - میرزا بدیع الزمان نام داشت مشہور بہ میرزا دکنی، رشید ترین پسران میرزا رستم قندھاری ست - در عہد جہانگیری بہ معارج دولت و امارت مرتقی گشتہ بہ خطاب شاہنواز خانی چہرۂ کامرانی برافروخت و صوبہ ٹھٹھہ و بہار بخدمات پادشاہی می گزرانید - در سال سیوم صاحب قرانی ثانی بہ ہمراہی خواجہ ابوالحسن تربتی باستخلاص ناسک و تربنک تعیین گشت - بنا بر علو نسب و والا دودمانی خان مشار الیہ بیست و سوم ذی الحجہ سال دہم جشن ازدواج شاہزادہ محمد اورنگ زیب بہادر با صبیہ کریمۂ او منعقد گردید - و در سال پانزدہم صبیۂ دیگرش بہ جہت شاہزادہ محمد مراد بخش خواستگاری شد - و در سال بیستم بہ صاحب صوبگیٔ مالوہ سر برافراخت بیست و نہم جمادی الاخری ۱۰۶۹ھ در مین جنگ تیرے بر نافش رسیدہ کار او تمام ساخت"

رعایت فراوان یافت[1]"

میر غلام علی آزاد (متوفی ۱۲۰۰ھ) اس نظریہ کی تائید ان الفاظ میں کرتے ہیں :-

"دو بار بسیر ہند شتافت، کرت اول در عہد جہانگیری رسید و باشاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی صحبت کوک گردید[2]"

صاحب ریاض الشعراء کا بیان ہے :

"در عہد جہانگیر بادشاہ بہ ہندوستان آمدہ[3]"

قدرت اللہ گوپاموی اس خیال پر یوں صاد کرتے ہیں :

"در آغاز شباب بعہد جہانگیری وارد ہندوستان گشتہ بارتباط باشاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی بہرہ اندوز فواید گردید[4]"

کتب خانہ بانکی پور کے فہرست نگار ڈینیسن راس (D. Ross) لکھتے ہیں :

After pursuing a course of studies in Shiraz, Abu Talib Kalim in his youth came to India, during the reign of Jahangir, and attached himself to Shahnawaz Khan, son of Mirza Rustum Safawi."[5]

گذشتہ صفحات میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ کلیم عہد جہانگیر میں شمالی ہند نہیں گیا بلکہ بحری راستے سے دکن آیا اور شاہنواز خان شیرازی کی شخصیت اس کے لئے مرکز جاذبہ بنی ہوئی تھی۔ مگر مندرجہ بیانات سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ کلیم شاہنواز خان صفوی جس کی ولدیت میرزا رستم صفوی تھی سے مربوط ہوا۔ اس خیال کی بنیاد غالباً کلیاتِ کلیم کی ایک مثنوی اور دو قصائد ہوئے ہیں جن میں شاہنواز خان کا نام ملتا ہے اور ولدیت کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ بشہنشاہ جہانگیر کا عہد اور شاہنواز خان کے نام کے ساتھ ہی قدرتی طور پر تذکرہ نگاروں اور مورخین کا ذہن فوراً عہد جہانگیری کے ایک امیر شاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی کی طرف منتقل

---

[1] خزانۂ عامرہ، ص: ۳۹۱

[2] مآثر الکرام، ص: ۷۷

[3] ریاض الشعراء، ص: ۷۱۹

[4] نتائج الافکار، ص: ۳۶۷

[5] Catal. Bankipore Lib. Per. Mss. Vol. III. p. 97

ہوگیا۔ صرف صاحب "فانوس خیال"[1] نے شاہنواز خان بیجاپوری لکھا ہے۔ اگرچہ تذکرہ نگار نے بھی لکھا تب بھی کلیات کلیم کا بہ امعان نظر مطالعہ کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ کلیم کا ممدوح عہد جہانگیری کا ایک امیر شاہنواز خان[2] بن میرزا رستم صفوی نہیں بلکہ ابراہیم عادل شاہ ثانی (۹۸۸ھ تا ۱۰۳۷ھ) والیٔ بیجاپور کا وزیر "نواب شاہنواز خان شیرازی"[3] ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ کلیم کے اشعار ذیل میں شاہنواز خان کے نام کے ساتھ اس کے عہدہ کی صراحت بھی ملتی ہے۔ مثنوی کے دو بیت ہیں ؎

در و از صورتِ نواب دوراں   بہر سو ہست صد خورشید تاباں

---

[1] فانوس خیال، ورق ۱۰۴۰ ب

[2] مآثر الامرا، جلد دوم، ص: ۶۷۰ (حالات شاہنواز خاں بن میرزا رستم صفوی)

[3] تاریخ فرشتہ، جلد دوم، مقالہ سوم، روضہ دوم، ص: ۷۸

درآنوقت کہ علی عادل شاہ مبلغ گران مصحوب مردم معتبر بشیراز فرستاد خواجہ سعد الدین عنایت بمقتضائی قل سیروا فی الارض بر قامت آں معدن فضل و کمال راست و از راہ دریا با جمعیت موفور بدار السلطنۃ بیجاپور تشریف شریف ارزانی فرمود و آنخدود در تفرج کردر معظم بلاد ہندوستان را مانند برہان پور و اجین و آگرہ و دہلی سیر نمودہ۔ و بتاریخ نہصد و نود و ہشت بدار السلطنۃ بیجاپور آمدہ۔ از ندیمان مجلس ہمایوں درگاہ گردید و در اواخر سنہ الف ہجری بعنوان ایلچی گری و ایقاع صلح و شکستن قلعۂ متحدث نزد برہان شاہ کہ در سرحد عدالت پناہ اقامت داشت تشریف شریف ارزانی فرمود۔ چوں بر مسند منصب کار ملکی تمکین و استقلال تمام بہم رسانیدہ بمقتضائی رائی زرین چناں مناسب دید کہ حضرت شہنشاہ خود بر واقعات کار ملکی و مالی مطلع گردد۔ بتاریخ سنہ الف در قطعۂ یاقوت ایں عبارت نقش کرد "شاگرد ابراہیم عادل شاہ شاہنواز خان" و آں را نگین انگشتری ساخت و در آں روز خطاب عنایت خان بخطاب شاہنواز خان مبدل گردانیدند۔ در ہماں زمان سلطان جہاں بر زبان الہام بیان آورد کہ ہمت پادشاہانہ مصروف بآنست کہ منزل کہ خلد از تماشائی آں سرافتخار برافراز د طرح نمودہ باتمام رسانی خان والامنزلت قصری دیپنگاہی بنا نہاد...

...... مثمن مسمی بنورس بہشت۔ بتاریخ بست و سوم ماہ ربیع الثانی سنہ عشر و الف[۱۰۱۰] از مطلع امید خان کیوان ایوان کوکب خط نزادہ سعادت مندار جمند موسوم بمیرزا علاء الدولہ طلوع نمود و جشن عالی ترتیب یافتہ و عدالت پناہ بمنزل بہشت آسا تشریف آوردہ و پایۂ قدر و منزلت شاہنواز خان با علی علیین رساند۔ و مولانا ملک قمی و ظہوری قصائد غرا گذرانیدہ بہ تحسین شہنشاہ جم تمکین اختصاص یافتند۔

(کامی شیرازی، از ڈاکٹر امیر حسن عابدی۔ مجلہ علوم اسلامیہ علیگڈھ۔ جون ۱۹۶۰ء، ص: ۷۰)

شاہنواز خان کی تاریخ وفات سے متعلق معاصر تاریخیں خاموش ہیں۔ کامی شیرازی کے دیوان سے ایک رباعی حاصل ہوئی ہے جس سے تاریخ وفات کا استخراج کیا گیا ہے ؎

آں سرو کہ بود بر جہاں تو بخشش   برکند چوں صرصر اجل از بیخش

چوں سال وفاتش از فرد جستم گفت   از شاہنواز خان طلب تاریخش

۱۰۲۰ھ

وزیر پیش بین دستورِ دانا　　دلش آئینۂ احوالِ۔۔ فردا[1]

"وزیر" اور "دستور" دو الفاظ شاہنواز خان کی وزارت کے شاہد ہیں۔"

پناہِ اہلِ ہنر شاہنواز خاں کہ کُند　　ز رائے روشنِ اُو آفتاب استمداد[1]

شاہنواز خان کی علم دوستی اور اربابِ ہُنر کی قدردانی کا اظہار اس شعر سے واضح طور پر ہوتا ہے

خانِ جم رُتبۂ شاہنواز کہ ہست　　نقدِ شاہی ازو تمام عیار[2]

نقدِ شاہی کا اشارہ بتاتا ہے کہ مالیہ و دارالضرب بھی اس کے اختیار میں تھا۔

مزید برآں ابراہیم عادل شاہ ثانی کی تعریف میں بھی قصاید ہیں اس میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے نام ولقب کو لفظی اشتراک کی بناء پر کلیم نے بھی استعمال کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی شاہنواز خان کی مدح ہونے سے شاہنواز خان کی شخصیت کی قطعی تصدیق ہوتی ہے اور دونوں کا تعلق معلوم ہوتا ہے۔

اے بنایت بسان کعبہ شدہ　　در زمانِ شہ خلیلؑ اطوار
خسرو نہ سپہر　ابراہیم　　کارفرمائے ثابت و سیار
پیشۂ ظلم نارِ نمرودے　　گلشنِ عدل آبِ دریا بار
شہریارے کہ پاس گلشش را　　بخت نواب خاں بود بیدار
خانہ جم رُتبہ شہنواز کہ ہست　　نقدِ شاہی ازو تمام عیار[3]

قابلِ غور بات یہ ہے کہ شاہنواز خان بن مرزا رستم صفوی کے جو تفصیلی حالات مآثر الامراء میں درج ہیں ان میں کہیں بھی اس کا ذکر نہیں ہے کہ وہ شاعر یا سخن سنج و ادب نواز تھا۔ صمصام الدولہ شاہنواز خان کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ

"ہم دلدادۂ راگ و نغمہ خوانندہ و سازندہ (کہ اُو فراہم آمدہ بود) در ہیچ سرکارے آں وقت (در عہد شاہجہاں) بنود[5]"

دوسرے یہ کہ جن عمارتوں کی تیاری پر کلیم نے ایک مثنوی اور دو قصاید لکھے تھے ان کا ذکر بھی شاہنواز خان بن مرزا رستم صفوی کے یہاں نہیں ملتا۔

تیسرے یہ کہ کلیم کے معاصر مورخین عبدالحمید لاہوری اور محمد امین قزوینی اپنے اپنے "پادشاہ نامہ" میں لکھتے ہیں

[1] کلیات کلیم، ورق: ۹۳ ب　　[2] کلیات کلیم، ورق ۶۴۲ ب
[3] کلیات کلیم، ورق: ۳۹ ا　　[4] کلیات کلیم، ورق: ۳۹ ا
[5] مآثر الامراء، جلد دوم، ص: ۶۷۵

" از آنجا (شیراز) بہ ہند آمدہ مدتی در دکن وچندے دریں مملکت وسیع اوقات گذرانید[۱]"
اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ وہ شیراز سے براہِ راست واردِ دکن ہوا اور حسبِ توقع ابراہیم عادل شاہ ثانی (متوفی ۱۰۳۷ھ) کی علم پروری اور شعر نوازی اور شاہنواز خان شیرازی کی داد و دہش کی شہرت اسے مسحور کئے ہوئے تھی۔ عہدِ جہانگیر کے امیر شاہنواز خان بن مرزا رستم صفوی کا قیام بیجاپور ان سنین کے مابین کسی تاریخ سے ثابت ہونا تو درکنار اس کا اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کلیم کا اس کے یہاں مقیم ہونا بالکل بعید از قیاس ہے۔
معاصر مورخین کے علاوہ دیگر تذکرہ نگاروں نے کلیم کی وفات کے بہت دنوں بعد اس کے حالات تحریر کئے ہیں اور خود کلیم نے اپنی زندگی سے متعلق کوئی مواد نہیں چھوڑا' اس لئے تذکرہ نگار مختلف الخیال رہے اور اب تک کسی نے تحقیق کر کے حالات قلمبند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لہٰذا مذکورہ بالا استدلال کی روشنی میں ہم پچھلے تذکرہ نگاروں کے بیانات کو کالعدم کر کے یہ ثابت کرنے کے موقف میں ہیں کہ کلیم کا ممدوح " سپہر مرتبہ نواب شاہنواز خان (متوفی ۱۰۲۰ھ) وزیر ابراہیم عادل شاہ ثانی[۲] تھا نہ کہ شاہنواز خان بن میرزا رستم صفوی امیر عہدِ جہانگیری۔

کلیم کے ورودِ دکن کا سنہ :-

شاہنواز خان شیرازی کی شخصیت مزید موثق ہو جائے گی جبکہ ہم کلیم کے ورودِ دکن کے سنہ کا تعین بھی تاریخی شواہد کی روشنی میں کر دیں گے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ کلیم کو راستے میں بہت سی صعوبتیں جھیلتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچنا پڑا اور جب کلیم فلکِ کج رفتار کی نوازشوں، محبس کی کلفتوں سے نجات پاکر آزادی کی فضا میں سانس لینے لگا تو اس نے اپنے محسن شاہنواز خان کے آستانہ پر جبینِ نیاز خم کی۔ چونکہ صاحبِ سیف تو تھا نہیں اس لئے قلم ہی کا سہارا لینا پڑا۔ ایک قصیدہ اور مثنوی ہمیں ملتے ہیں جو شاہنواز خان کی امارت کی تعریف میں لکھے گئے تھے اور مادح و ممدوح کے تعلقات کے شاہد بھی ہیں اور کلیم کے وارد دکن ہونے کی تاریخ کا تعین بھی اسی قصیدہ اور مثنوی کے سنہ ارقام کا پتہ لگنے پر ہو سکتا ہے
شاہنواز خان ۱۰۰۳ھ سے ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مزاج دکار و بار میں دخیل ہونے لگا تھا۔ اور منصبِ کار ملکی پر فائز ہو کر ۱۰۱۰ھ میں انتہائے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ ۱۰۱۸ھ تک تاریخ فرشتہ میں اس کے حالات ملتے ہیں۔ تاریخ فرشتہ و بیجاپور کی دیگر تواریخ سے یہ مواد ملتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے ایک نیا شہر بسانے کا منصوبہ باندھا اور ۱۰۰۸ھ میں اس کی تعمیر و تشکیل کا کام اس نے اپنے "وزیر پیش بیں" شاہنواز خان کے تفویض کیا[۲]۔ چنانچہ ۱۰۰۸ھ سے ۱۰۱۴ھ تک اس نئے شہر میں عمارات کی تعمیر ہوتی رہی جس کا اظہار کلیم کے ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

---

[۱] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول حصہ دوم ص: ۳۵۳ ؛ پادشاہ نامہ قزوینی، ورق: ۲۷۶ ب

[۲] تذکرۃ الملوک، شیرازی - ورق: ۱۰۹ اب - بساتین السلاطین - بستان پنجم - ص: ۲۴۶

نتواں گفت پیشِ ہمتِ او — خاک و زر را یکے بود مقدار

خاک را او بآسمان بردہ — ایں بنا شاہد ہمیں گفتار[1]

اس شہر کا نام ابراہیم عادل شاہ نے "نورس پور" رکھا[2]۔ چراغوں سے جگمگاتے شہر کی منظر کشی کلیم کی مندرجہ ذیل رباعی میں ملتی ہے ؎

شبہا ز چراغ و شمع در "نورسپور" — ہر ذرہ زند لافِ تجلی با طور

ہر روز ز شوقِ ایں چراغاں تا شب — خورشید فتیلہ تابد از رشتۂ نور[3]

شاہنواز خان نے ۱۰۰۹ھ میں "نورس بہشت" کے نام سے ایک محل تعمیر کیا[4]۔ ۱۰۱۰ھ میں اس کے ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام علاؤ الدولہ تھا اس کے جشنِ پیدائش کے سلسلہ میں شاہنواز خان نے بادشاہ کی بڑے تزک و احتشام سے ضیافت کی۔ اس موقع پر شعرائے پائے تخت نے مدح سرائی کی۔ ظہوری نے ایک مثنوی لکھی تھی جس سے تاریخ نکلتی ہے اس کے چند شعر یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔ ان سے کلیم کی تحریر کردہ مثنوی و قصیدہ کے موضوع کی مطابقت بھی بہ آسانی ہو سکے گی۔

لے بنا ہا ہمہ نہادۂ تو — ہر کجا ہر چہ ہست دادۂ تو

کردہ افسانہائے ایں گلزار — خواب ہا را تمام باغ و بہار

صرف شد بے دریغ ماہے چند — شد بہ ہر ماہ کارِ سالے چند

شد بہ اتمام پیش کہ زود انباز — گشت تاریخ انتہا "آغاز" (۱۰۰۹)

اس کے سوا ظہوری کا ایک اور قصیدہ اس عمارت کی تفصیلات کا حامل ہے جس کی مطابقت تاریخ فرشتہ کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

۱؎ کلیات کلیم، ورق: ۳۸/ب

۲؎ تاریخ فرشتہ، جلد دوم ص: ۱۵۷

۳؎ کلیات کلیم، ورق: ۳۰۹ ب

۴؎ تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص: ۱۵۷ "و بالائی ایں دروازہ عمارتی است مسمی بنورس بہشت"

۵؎ Zuhori - Life and Works, P. 327 to 329.

"حُوران بہشت وغلمان ورضوان از ہوائے آں مکان نزہت سرشت بیتاب ومضطر، اشعۂ شمسۂ اش خورشید ضیاگستر وغرفات شرفاتش مطلع شمس وقمر" [۱]

ظہوری کے محولہ قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں ؎

"اساسِ قصرِ چنیں خواب کے تواں افگند	کہ دستِ ہمتِ آں صدر کاران افگند
علوئے کنگرہ اش تا بغایتے برسید	کہ آسماں را از چشمِ اختران افگند
شبِ سیاہ فروغِ بیاضِ دیوارش	موذنانِ را از صبح در گمان افگند
چون خشتِ عرصۂ اُو داشت رنگِ فیروزہ	فلک بہ مغلطِ خور را دراں میاں افگند
بجود فروشد وصد بار وہمِ دُور اندیش	چو شمسہاشس اشعۂ بر آسماں افگند" [۲]

صاحبِ تاریخ فرشتہ نے جو تفصیلات عمارت شاہنواز خان کے متعلق بیان کی ہیں، اس کا کچھ حصہ یہاں درج کیا جاتا ہے جس سے بعد ازاں کلیم کی مثنوی و قصاید سے مطابقت کی جائے گی۔

"طرح آں عمارت کہ مرقوم خامۂ لطایف نگار گردید، بدیں نہج است چہار دیوار دارد کہ ضلع اُو قریب چہار صد گز شرعی است بجانب شمالی و دروازہ کشادہ می شود، یکی دروازہ ایست بغایت رفعت وبزرگی وبجانب بازار کہ مشہور است بہ بازارِ شاہنواز خان باز می شود، و دروازۂ دیگر واقع است نزدیک چارسوی دربار پادشاہی وبالائی ایں دروازہ عمارتی است مسمیٰ بہ دونورس بہشت"۔ از درون وبیرون بوم ودیوارہا را مطلا ساختہ نقاشانِ چیرہ دست صورتہائی مرغوب برآں کشیدہ اند۔ مردمیکہ بدار الامارۃ تردد می نمایند۔ اول بہ تماشائے آں مشغول گردیدہ۔ والہ وشیدائے صُورتہا می شوند بعدہ بہ تکلیف درجہ طبیعت از انجا قدم پیشتر می گذارند .... و در وسط حقیقی آں چار دیوار عمارتیست در نہایت ارتفاع مشتمل بر ایوان طولانی کہ دو طرفِ آں حجرہاست وایں صفہ رُو بہ شمال است وعقبش طنبی در نہایت زیبائے وطنبی کہ عبارت از شرقی وغربی باشد نیز ابوابہاست" [۳]

کلیم نے "نورس بہشت" کی جو تعریف کی ہے اس میں فرشتہ کی طرح قصر کے ساتھ ایوان کی آرایش وزیبایش کا ذکر بھی کیا ہے۔ علاوہ بریں محل کی نقاشی پر لوگوں کے مسحور ہونے کا ذکر بھی کلیم کے اشعار میں موجود ہے۔ اس لئے اب کلیم کی۔

۱۔ تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص: ۱۵۷

۲۔ Zuhuri - Life and Works, P. 329

۳۔ تاریخ فرشتہ، جلد دوم، ص: ۱۵۷

مثنوی کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

زہی قصری کہ گردونت دہد باج | سخن را بردہ تعریفت بمعراج
ز انبوہِ سران سجدہ پرواز | درش از نقش جبہہ سینہ باز
کند تا صورتت ایوان تماشا | نہادہ عرش و کرسی در تہ پا
درو از صورتِ نوابِ[1] دوراں | بہر سو ہست صد خورشید تاباں
زلالِ کوثر است و صاف زمزم | نم او زخم جدول راست مرہم
ز تمثالِ شہ و گلہائے بے خار | در ایوان بینی ابراہیم و گلزار
شہِ عادل، خدیوِ ملکِ اقبال | کشادہ جبہہ اش امید را فال
خلیل آسا بنوعی بت شکستہ | کہ نظمِ یاد تار از ہم گسستہ
وزیرِ پیشِ بیں دستورِ دانا | دلش آئینہ، احوالِ فردا[2]

نورس بہشت کی تعریف میں ایک اور قصیدہ کلیات میں ملتا ہے جس کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

اے خجستہ بنائے عرش آثار | عالمِ فیض و مہبطِ انوار
کمترین صورتے ز ایوانت | نہ صدف لاجورد چرخ بکار
آسماں با ہمہ بلندئ خویش | دامنِ رفعتت تراست غبار
روستائے بسیر شہر آید | گر دریں جا بہشت یابد بار
اے بنایت بسان کعبہ شدہ | در زمانِ شہِ خلیل اطوار[3]
خسروِ نہ سپہر ابراہیم | کار فرمائے ثابت و سیار
نتواں گفت پیشِ ہمتِ او | خاک و زر را یکی بود مقدار
خاک را او بآسماں بردہ | ایں بنا شاہد ہمیں گفتار[4]

---

[1] نواب شاہنواز خان

[2] کلیات کلیم، ورق: ۹۳ ب

[3] ظہوری کے مندرجہ ذیل شعر سے مشابہت ہو رہی ہے ؎ Zahuri life & works P. 328

شاہ ایواں خلعت ابراہیم | کعبہ جادہ رکن و ہفت اقلیم

[4] کلیات کلیم، ورق: ۱۳۹ الف

اِن اشعار کے تاریخی مواد اور دیگر شعراء کے کلام کی مطابقت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلیم نے شاہنواز خان کے قصر "نورس بہشت" کی تعریف مذکورہ بالا جشنِ تولدِ علاؤ الدولہ کے انعقاد سے قریب کے زمانہ میں کی ہے جشن کے موقع پر نہیں کیونکہ اگر وہ شاہ کی شرکتِ جشن کے وقت وہاں موجود ہوتا تو قصاید و مثنوی میں اس کا ذکر کہیں نہ کہیں، اشارۃً و کنایۃً ہی سہی ضرور کرتا تھا اور جب کہ دوسرے شعراء نے قصاید لکھے ہیں تو کلیم کے نہ لکھنے میں کونسا امر مانع ہو سکتا تھا بلکہ باریابی و تقرب کا یہ سب سے مناسب موقع ہوتا تھا اور کلیم اس سے استفادہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ لہٰذا یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلیم ۱۰۱۰ھ اور ۱۰۱۴ھ کے درمیان واردِ بیجاپور ہوا نہ کہ ۱۰۰۸ھ - ۱۰۱۰ھ کے قریب جیسا کہ "اورینٹل کالج میگزین" کے فاضل مقالہ نگار[۱] نے تحریر فرمایا ہے۔

کلیم بیجاپور میں :-

کلیم کے وُرودِ دکن وغیرہ کے سنین و واقعات قلمبند ہو چکے ہیں اور اب یہ دیکھنا ہے کہ اس نے یہاں آنے کے بعد ابتدائی زمانہ کس طرح بسر کیا۔

کلیم نو مشق و نو عمر تھا، ملک قمی، ظہوری، سنجر کاشی وغیرہ کی سی پختہ مشق ہستیوں کے آگے اس کا رنگ نہ جمتا تھا حالات بتلاتے ہیں کہ اُسے نہ دربارِ عادل شاہی میں بار مل سکا اور نہ شاہنواز خان سے حسبِ توقع سرپرستی ملی کیونکہ ایک قصیدہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں اس کے نوازے جانے کا اعتراف ہو بلکہ شاہنواز خان کی مدح میں کلیم کا ایک ایسا قصیدہ نظر سے گذرا ہے جس میں ممدوح کی عدم توجہی اور اپنی دربدر کی ٹھوکریں کھانے کی توجیہ یوں کی ہے ؎

مرا جفائے تو زین شہر پائے رفتن داد	زصید گاہ ہت پرواز کردم از پر تیر[۲]

اور پھر اسی قصیدہ میں ممدوح کی بزم میں بار حاصل کرنے کی اجازت پُورے عجز کے ساتھ مانگی ہے ؎

برم پناہ ز روزِ سیہ بخورشیدے	کز وست عالم اقبال و بخت را تنویر
سپہر مرتبہ نواب شہنواز کہ ہست	بزورِ بختِ جوان دستگیرِ عالم پیر
بمجلسی کہ تو مئے می کشی زبد مستیت	ز تابِ بادہ اگر رنگ کس کند تغییر
وھم بہ بزم دہ آنچہ ہست قسمتِ خاک	بمن فشان و مرا خاک رہگذارت گیر
ملالِ خاطرت آمد بہ یاد دلبس کردم	کہ بہر قافیہ آمد بجا طرم دلگیر[۳]

۱ؔ اورینٹل کالج میگزین دا گست (۱۹۵۹ء)، ص: ۲۳، ۲۴ (فاضل مقالہ نگار کا ضروری بیان یہ ہے) "کلیم کے ان اشعار سے تقریباً اس بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ اس نے شاہنواز خان کے نئے محل کی مدح میں یہ اشعار نظم کئے ہوں گے۔ ان سے یہ بھی خیال ہوتا ہے کہ کلیم اس محل کے بننے کے قریب ہی زمانے میں ہندوستان آیا ہوگا، اس خیال کی صحت میں اس کے ورودِ بیجاپور کی تاریخ ۱۰۰۸ھ - ۱۰۱۰ھ کے قریب ہوگی۔"

۲ؔ کلیاتِ سلیم، ورق، ۳۶و ۳ؔ کلیاتِ کلیم - ورق: ۳۶ب تا ۳۸و

کلیم کے ممدوح شاہنواز خان شیرازی کا انتقال (دس سو بیس) ۱۰۲۰ھ میں ہوگیا اور کلیم بے سہارا ہوگیا۔ اسی زمانے میں یعنی ۱۰۲۰ھ میں سلطان محمد قلی قطب شاہ کا انتقال ہوا چونکہ سلطانِ مرحوم لاولد فوت ہوا تھا اس لئے اس کا بھتیجہ سلطان محمد قطب شاہ سریر آرائے سلطنت گولکنڈہ ہوا۔ قلی قطب شاہ کے عہد کے ایک مدبر امیر میر جملہ شہرستانی تخلص بہ رُوح الامین کی طبیعت محمد قطب شاہ سے میل نہ کھاسکی اور وہ بیجاپور چلا آیا۔ "ماثر الامراء" کے اسی جملہ سے ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

"میراز گولکنڈہ بہ بیجاپور پیوست، باعادل شاہ نیز صحبتِ اُو درنگرفت"[1]

میر جملہ شہرستانی تقریباً ۱۰۲۱ھ اور ۱۰۲۲ھ کے درمیانی عرصہ میں دربار عادل شاہی میں حاضر ہوا۔ اس وقت ابراہیم عادل شاہ ثانی برسرِ حکومت تھا۔ ظاہر ہے کہ محمد امین میر جملہ شہرستانی دربار قطب شاہی سے راندۂ درگاہ ہو کر نکلا تھا اس لیے اس کو وہاں بار نہ مل سکا اور وہ نا اُمید ہو کر ایران چلا گیا۔ گمانِ غالب یہ ہے کہ بیجاپور میں کلیم کی ملاقات میر جملہ سے ہوئی ہوگی اور اگر میر جملہ کا سا سخن نواز دربارِ عادل شاہی میں باریاب ہوتا تو کلیم کو اس کس مپرسی کے عالم میں نہ ایران لوٹنے کی ضرورت پیش آتی اور نہ دکن میں بے یار و مددگار رہنا پڑتا۔

میر جملہ شہرستانی کی کلیم سے اس ملاقات کے بارے میں "کلیم کی ہندوستان میں آمد" کے فاضل مقالہ نگار نے ایک نیا خیال پیش کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میر جملہ شہرستانی سے کلیم گولکنڈہ میں ملا تھا اور میر جملہ کے خوانِ احسان سے بہرہ یاب ہوا تھا۔

"دراصل کلیم اپنے سفرِ اول میں میرزا محمد امین رُوح الامین سے گولکنڈہ میں ملا ہے اس قیاس کی وجہ یہ ہیں۔
کلیم کے دوست ناظم تبریزی نے "نظم گزیدہ" میں لکھا ہے کہ شاہنواز خان کے مرنے کے بعد میرزا محمد امین شہرستانی سے کلیم گولکنڈہ میں ملا تھا۔ خارجی اور داخلی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزائے مذکور ۱۰۲۱ھ میں گولکنڈہ سے نقل کر بیجاپور آیا۔ یہاں کچھ دنوں رہا مگر مستقل طور پر قیام کی صورت غالباً نہ نکلی اس بنا پر وہ اصفہان چلا آیا یہاں شاہ عباس صفوی کے ۲۸ ویں سالِ جلوس یعنے ۱۰۲۳ھ میں دربارِ شاہی میں باریابی ہوئی .... ۱۰۲۷ھ میں دربارِ جہانگیری میں باریاب ہوا۔ اس سے ظاہر ہے کہ اگر سفرِ اول میں کلیم میر جملہ سے ملا تو ۱۰۲۰ھ کے قبل گولکنڈہ میں ملا ہوگا"[2]
موصوف کا ماخذ صاحبِ نظم گزیدہ کا یہ بیان ہے۔

---

[1] ماثر الامراء۔ جلد سوم، ص: ۴۱۵

[2] اورینٹل کالج میگزین (اگست ۱۹۵۹ء) ص: ۲۷،

"درخدمت شاہنواز خان نشو ونما یافتہ، بعد از وفاتِ شاہنواز خان منظورِ نظر تربیت میرزا محمد امین شہرستانی کہ در گلکنڈہ میر جملہ بود، گشتہ"[1]

مذکورہ عبارت سے کہیں یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ کلیم سفرِ اوّل میں میر جملہ سے گولکنڈہ میں ۱۰۲۰ھ سے قبل ملا تھا۔ ناظم تبریزی کی مُراد سفرِ دوم سے بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اس میں جو بیان ہے وہ بصراحت سنہ نہیں ہے ممکن ہے کہ مولف نے دو ممدُوحین کا ذکر تقدیم و تاخیر کے لحاظ سے کیا ہو۔

خلاصہ یہ کہ فاضل مقالہ نگار کے بیان کی تردید کے لئے ہمارے پاس دو وجُوہ ہیں:۔

۱۔ تاریخی شواہد سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ شاہنواز خان کا انتقال ۱۰۲۰ھ میں ہوا۔ اس وقت تک تو کلیم اس سے وابستہ رہا اس کے فوراً بعد یعنی ۱۰۲۱ھ میں میرزا امین میر جملہ شہرستانی خود گولکنڈہ سے دستار و آبرو سنبھالتا ہوا عادل شاہی دربار میں حاضر ہوا۔ اس وقت خود اس کو ایک سہارے کی ضرورت تھی وہ کیسے کلیم کو سہارا سکتا تھا۔ اور ۱۰۲۰ھ کے بعد اتنا وقت ہی نہیں رہا تھا کہ گولکنڈہ جاتا۔ اغلب ہے کہ کلیم کی میر جملہ سے مُلاقات اس دوران میں ہوئی ہوگی نہ کہ گولکنڈہ میں۔

۲۔ دوسرے یہ کہ جب کلیم بیجاپُور میں رہ کر شاہنواز خان کے ساتھ ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مدح کر سکتا تھا تو پھر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ گولکنڈہ میں رہ کر اس کا قلم اپنے ولی نعمت کی تعریف کے ساتھ ساتھ قلی قطب شاہ کی مدح سے کیوں گُریزاں رہا۔ کلیم کا کلیات قلی قطب شاہ کے نام سے یکسر خالی ہے۔ لہٰذا مندرجہ دلائل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کلیم محمد امین میر جملہ شہرستانی سے صرف اس کے قیامِ بیجاپور کے وقت ۱۰۲۱ھ اور ۱۰۲۲ھ کے درمیان ملا تھا۔ نہ تو تواریخ سے اس کے قیام گولکنڈہ کا ثبوت ملتا ہے نہ خود اس کے کلام سے۔

میر جملہ کے سے مُدبر و شاعر کا حشر کلیم کے سامنے تھا اور ویسے بھی دربارِ عادل شاہی کا ایک ایک شاعر رحلت کرتا جا رہا تھا اور بہت ممکن تھا کہ ان کی رفاقت و شفقت کے لیے مستقبل میں باعث تقویت ثابت ہوتی۔ ۱۰۲۱ھ میں سنجر کاشی نے اس دارِ فانی سے کُوچ کیا[2]۔ ۱۰۲۵ھ میں چند ماہ کے وقفہ سے ظہوری و ملک قمی نے وفات پائی۔ ملک قمی کی وفات کا مُستند ثبوت خود کلیم کی اس بیت سے ملتا ہے ؎

بجستم سالِ تاریخش ز ایام بگفتا "اُوسرِ اہلِ سخن بود"[3] ۱۰۲۵ھ

ان سانحوں کے علاوہ جیسے جیسے دن گذرتے جا رہے تھے، عادل شاہی و قطب شاہی سلطنتیں، مغلیہ حکمرانوں کے

---

[1] نظم گزیدہ، ورق: ۱۴۶ الف

[2] مآثر الکرام، ص: ۲۷

[3] کلیات کلیم، ورق: ۲۴۳ ب

آئے دن کے حملوں کی زد میں آرہی تھیں۔ گو ملک عنبر کا سا جرنیل پُشت پناہی کر رہا تھا تاہم اُسے بھی ۱۰۲۶ھ میں شہزادہ خرم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اس کا اثر عادل شاہی قطب شاہی اور نام نہاد نظام شاہی سلاطین پر خراج کی شکل میں ظاہر ہوا۔ قدرتی طور پر انتشار کے زمانے میں نغمہ وسرود بھی اطمینانِ قلب کا باعث نہیں ہو سکتے تھے۔ کلیم کی "آوارہ گردی" بڑھتی گئی چنانچہ وہ خود کہتا ہے ؎

آوارۂ گہی کلیم خواہم — کز ہند تواں باصفہان رفت[1]

کلیم کی مراجعت عراق:-

جب ہر طرف سے توقع اُٹھ گئی تو کلیم کو یادِ وطن ستانے لگی اس کے دو شعر سے جذبات کی ترجمانی ہوتی ہے

جنوں خواہد بیاباں تنگ طفلاں ہم ہوس دارد — مرا اے بخت یاری کن بمیدانِ صفاہاں بر[2]

کلیم اندر غریبی آزمودی قیمت خود را — کنوں ہمت بدزلیس زیرہ را دیگر بکرماں بر

اور عراق کو مراجعت کی توجیہہ کلیم نے "آہنگِ حجاز" کہہ کر کی ہے ؎

کلیم از ہند اگر دستانِ رفتن می زند ایدل — ندانی خارج آہنگش کہ آہنگِ حجاز است این[3]

قیاس کہتا ہے کہ وہ حاجیوں کے قافلے کے ساتھ ہی رمضان یا شوال ۱۰۲۸ھ میں بیجاپور سے اپنے وطن کی طرف کوچ کیا ہوگا۔ اس مراجعت کی تاریخ اس قطعہ میں نکالی ہے ؎

طالب زہوا پرستی ہند — برگشت وسوی مطالب آمد

تاریخ توجہہ عراقش — "توفیقِ رفیق طالب" آمد[4] (۱۰۲۸)

کلیم حالات سے مجبور ہو کر ہندوستان سے نکل تو پڑا مگر حسرتوں کا پُشتارا لئے ہوئے تھا اور پچھتا رہا تھا۔ غالباً راستے ہی میں اُسے ہندوستان چھوڑنے پر افسوس ہوا اور اس نے موثر غزل لکھی جس کے ہر شعر سے حسرت ٹپکتی ہے اور جو اس کے جذبات کی عکاسی کرتی ہے ؎

بہ ہر منزل فزوں دیدم زہجراں زارئ دل را — خوشا حالِ جرس فہمیدہ است آرامِ منزل را

ز شوقِ ہند زاں سان چشمِ حسرت برقفا دارم — کہ رو ہم گر براہ آرم نمی بینم مقابل را

چمن را غنچۂ نشگفتہ بسیار است می ترسم — کہ در گلزارِ ایراں ہم نہ بینم شادماں دل را

اسیرِ ہندم و زیں رفتنِ بیجا پشیمانم — کجا خواہد رساندن پر فشانی مرغ بسمل را

---

1. کلیاتِ کلیم، ورق:- ۱۲۴ الف
2. کلیاتِ کلیم، ورق:- ۲۲۵ الف
3. کلیاتِ کلیم، ورق:- ۲۸۴ ب
4. کلیاتِ کلیم، ورق:- ۶۹ ب

اگرچہ ہندگردابست اماں ازدی نمی خواہم | نگیرد دستِ استغنائی من دامانِ ساحل را
باریاں می رود نالاں کلیم از شوق ہمراہاں | بہ پائے دیگراں ہمچو جرس طے کردہ منزل را[1]

کلیم دو سال تک ایران میں رہا۔ صاحبِ نظم گزیدہ کا بیان ہے[2]:-

"در سنہ ہزار و بیست و ہشت بہ عراق معاودت نمود و در اصفہان فقیر بہ ملاقات ایشاں رسیدہ مُدّتِ دو سال برفاقت و مصاحبت ایں فقیر قناعت می نمود تا آں کہ در سنہ ہزار و سی آں متوجہ ہند و بندہ متوجہ مکہ شُد"

یہ شاہ عباس صفوی کا زمانہ تھا۔ میر جملہ شہرستانی کے سے مُدبّر، صاحب سخن و منزلت کے حامل شخص کی وہاں خاطر خواہ قدر نہ ہوسکی[3] تو کلیم کس شمار میں تھا۔ دو سال گوشۂ قناعت میں گذار کر پھر وہ ہندوستان لوٹ آیا۔ قرائن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے حالات میں کوئی تغیر نہ ہوا اور جب اس نے اپنی زندگی میں کوئی خوشگوار تبدیلی محسوس نہ کی اور پھر ہندوستان کی یاد ستانے لگی تو وہ دوبارہ غالباً بری راستے سے ہندوستان لوٹ آیا اور اس کے سفر اور ان ساری سرگرمیوں کی تفسیر اس شعر میں ملتی ہے ؎

در خاکِ وطن تخم مرادی نشود سبز | بیہودہ کلیم ایں ہمہ سرگرم سفر نیست[4]

کلیم کی بازگشت بہ ہندوستان :-

تمام مآخذ اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ ۱۰۳۰ھ میں کلیم دوبارہ ہندوستان آیا[5] اور وہ سیدھا شاہانِ مغلیہ کے دربار میں رسائی کی غرض سے وارد آگرہ ہوا۔ اس زمانہ میں میر جملہ شہرستانی آگرہ میں مقیم تھا اور اس کی کلیم سے ۱۰۲۱ھ اور ۱۰۲۲ھ کے درمیان وُرود بیجاپور کے زمانے میں ملاقات ہوئی ہوگی اور اسی تعارف اور جذبۂ ہم وطنی و علم دوستی نے کلیم کو مربوط ہونے کے مواقع بہم پہنچائے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ کلیم بھی اس وقت تک منجھ کر پختہ کار ہو چکا ہوگا۔ لہٰذا آگرہ آنے کے بعد میر جملہ کی سی سخن نواز شخصیت نے اس کو سہارا دیا[6] اور وہ شاہجہان کے تخت نشین ہونے تک اسی کی سرپرستی میں اپنے فن کو ترقی دیتا رہا، کیونکہ اگر وہ دربارِ جہانگیری میں بار پانے کی سعی کرتا اور خواہ وہ لاحاصل ہی ہوتی تب بھی شہنشاہ جہانگیر کی مدح میں

۱؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۲۲ الف   ۲؎ نظم گزیدہ، ورق:

۳؎ مآثر الامراء، جلد سوم، ص: ۹۱۵

۴؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۶۰ ب

۵؎ خزانہ عامرہ، ص: ۳۹۱   Catal. India office per, Mss, Vol. II. Col, 728

۶؎ شعر العجم، جلد سوم، ص: ۲۰۶

لکھے ہوئے قصیدے، قطعات وغیرہ ضرور اس کے کلیات میں دستیاب ہوتے، چونکہ اس قسم کا کوئی ریکارڈ ہمیں نہیں ملتا اور صرف شاہجہان کی مدح ہر جگہ نظر آتی ہے اس لیے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ۱۰۳۰ھ اور ۱۰۳۷ھ کے درمیانی عرصہ میں کلیم نے بجز میر جملہ شہرستانی کے کسی اور کا دامن نہیں تھاما۔

ان ۶، ۷ سال کے دوران میں کسی وقت آگرہ میں کھجلی کی وبا پھوٹ پڑی تھی اور خود کلیم اس میں مبتلا تھا۔ اسی وقت اس نے "در ایام جرب" کے عنوان سے ایک قصیدہ لکھا تھا اس کی ایک بیت میں محمد امین شہرستانی تخلص بہ رُوح الامین کا ذکر کیا ہے ؎

محیطِ علم، محمد امین کہ پیوستہ　　فلک بہ گردش گردد چو دورۂ دامن

ایک قصیدہ "تہنیتِ عید" کے موقعہ پر میر جملہ شہرستانی کی مدح میں تحریر کیا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

قدسیان گردند مشقِ نامِ آں فرخندہ فال　　شکلِ نون بر لوحِ گردوں بنگر اینک از ہلال
پادشاہِ کشورِ دانشوری رُوح الامین　　آں کہ از ضبطش مزاجِ دہر دارد اعتدال
چوں بہ بوسم دستِ زرپاشِ ترا در روزِ عید　　می شود زرین لبم زین فیض مانند ہلال[1]

ان قصاید کے سوا کلیم نے اپنی دو غزلوں کے مقطعوں میں بھی رُوح الامین کی عظمتوں کو اجاگر کیا ہے ؎

ہر کہ بر رُوح الامیں شعر نخواند ست کلیم　　کہ ہمہ رُوح امیں است سخنداں نہ شود[2]
عزلتِ گوش ز روح امین گشت کلیم　　بس بود گر سرِ تحسینِ طپیدن داری[3]

شہنشاہِ جہانگیر کا بروز یکشنبہ ۲۸ صفر ۱۰۳۷ھ انتقال ہوا۔ شہزادہ شاہجہاں کے خسر آصف خان نے اپنے داماد کے لیے راستہ صاف کر دیا تھا چنانچہ روز یکشنبہ ۲۲ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ شاہجہان کی بادشاہی کا اعلان کر دیا گیا جب آصفجاہ اور شاہزادگان والاتبار نے شاہجہاں کے دکن سے براہ گجرات دارالخلافہ آنے کی اطلاع پائی تو استقبال کے لیے غرہ رجب ۱۰۳۷ھ دارالسلطنت لاہور سے آگرہ روانہ ہوئے[4]۔ کلیاتِ کلیم میں اس روانگی کے وقت کا تحریر شدہ قطعہ موجود ہے۔ گمان غالب ہے کہ یہ پہلا قطعہ تھا جو کلیم نے آصفجاہ کی مدح میں سپردِ قلم کیا تھا اور اسی اُمید پر کہ آصفجاہ کے ذریعہ دربار میں رسائی ممکن ہوگی۔ اس قطعہ کا مقطع یہ ہے ؎ گفتند "بہ صحت و سلامت"[5] (۱۰۳۷ھ)

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق ۳۳ ب

[2] " " ۱۹۴ ب

[3] " " : ۲۹۷ ا

[4] بادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص : ۷۹

[5] کلیاتِ کلیم، ورق : ۶۸ ب

دربارِ شاہجہان سے کلیم کی وابستگی
اور
اُس کی شاعری کا عُروج

۸ رجمادی الثانی[1] ۱۰۳۷ھ (۱۶۲۸ء) میں شہزادہ خرم شہاب الدین محمد شاہجہاں صاحب قرآن ثانی کے لقب سے سریر آرائے سلطنت ہوا اور تاج پوشی کی رسم ادا کی گئی۔ ابوطالب کلیم ہمدانی میر جملہ شہرستانی کی سرپرستی میں اپنے فن کو ارتقائی منازل پر پہنچا رہا تھا۔ اور اب اس کی دیرینہ تمناؤں کی تکمیل کا وقت آ پہنچا تھا کیونکہ وہ کُہنہ مشق ہو چکا تھا۔ آدابِ شاہانہ و زندگی کے نشیب و فراز سے واقفیت ہو چکی تھی، چنانچہ آستانِ معلی کی جبین سائی کے لیے دربارِ شاہجہانی میں حاضر ہوا۔ اس کی آمدِ دربار کی توثیق عبدالحمید لاہوری کے ان جملوں سے ہوتی ہے :-

"اما چون طنطنۂ اورنگ آرائی حضرت شاہنشاہی (شاہجہان) گوشِ جہانیان برافروخت و ہمگی ہنروران اقالیم سبعہ روی اُمید بدین درگاہ کہ کعبہ آمالِ آرزومندان است نہادند (کلیم) بآستانِ معلی رسیدہ در زمرۂ بندگان درآمد و بگذارشِ محامد و نگارشِ مفاخر این والا دولت، ابد مدت دامنِ آرزو گرانبار روائے گردانید"[2]

اکبر و جہانگیر کے عہد میں شہنشاہ جھروکہ سے اپنی رعایا کو درشن دیتے تھے اور اس موقع پر حاضرین کے لیے شامیانہ ایستادہ کیا جاتا تھا۔ شاہجہان نے تخت نشین ہونے کے فوراً بعد حکم دیا کہ وہاں شامیانے کی بجائے ایک عمارت تعمیر کی جائے چنانچہ ۷۰ گز طول اور ۲۲ گز عرض کا "ایوانِ پیشِ جھروکۂ شاہی" ۲۵ رذی الحجہ ۱۰۳۷ھ کو مکمل ہوا۔ کلیم نے اس ایوان کی تعریف میں یہ رباعی لکھی اور صلے سے سرفراز ہوا ؎

۱۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۸۷۔

۲۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۳۵۴

این تازه بنا که عرش همسایهٔ اُوست — رفعتِ حرفی ز رتبت پایهٔ اُوست
باغیست که هر ستون سبز ش سرویست — کاسایشِ خاص و عام در سایهٔ اُوست[1]

کلیم نے رجب ۱۰۳۷ھ میں پہلا قطعہ حضورِ آصف جاہ میں گذرانا تھا اور اس کی دوسری رُباعی معاصر تاریخ میں درج ہے جو ذی الحجہ میں تعمیر ہونے والی عمارت کے سلسلہ میں لکھی گئی تھی لہٰذا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۴، ۵ مہینے کے عرصہ میں کلیم کو دربار میں رُسوخ حاصل ہو گیا تھا۔

۱۰۳۷ھ کے اختتام تک شاہجہان کی تخت نشینی کی خبر چاروں طرف پہنچ چکی تھی اور چونکہ ابھی بادشاہ دارالسلطنت کے اُمورِ داخلی میں مصروف تھا اس لیئے شمال مغربی سرحد کے سرکش سرداروں نے اس موقع کو غنیمت سمجھکر اپنی سرحدوں سے قریب کے علاقوں کی تسخیر کا ارادہ کیا۔ چنانچہ نذر محمد خان والی بلخ نے تسخیر کابل کی جرأت کی اور اس کی سرکوبی کے لیئے شاہجہان نے فوجیں روانہ کیں۔ چنانچہ محرم ۱۰۳۸ھ کو لشکر خان کی سرکردگی میں لشکرِ شاہی کابل میں داخل ہوا۔ افواج کی روانگی کے وقت کلیم نے ایک قطعہ لکھا۔ پادشاہ نامہ لاہوری[2] اور عمل صالح[3] کنبوہ میں صرف "لشکرِ فتح" درج ہے۔ اشعار نہیں لکھے ہیں مگر دیوان میں یہ پُورا قطعہ رقم ہے جس کی آخری بیت سے اس کی وجہ تحریر کی تصدیق ہوتی ہے اور لشکر خان کے نام کی مناسبت لفظی بھی پائی جاتی ہے ؎

آں کہ تاریخ یافت "لشکرِ فتح"[4] — تاجِ اقبال را نہادہ بسر (۱۰۳۸ھ)

معاصر تاریخ پادشاہ نامہ لاہوری، عمل صالح سنہ وار مرقوم ہیں۔ اس کے سنہ ۱۰۳۸ھ کے وقایع میں درج ہے کہ ایک سوداگر خواجہ نظام عرصہ سے سُرخی مایل سفید رنگ کے ایک ہاتھی کی پرورش کر رہا تھا کیونکہ اس رنگ کے ہاتھی کمیاب ہوتے ہیں۔ جب وہ بڑا ہوا تو خواجہ نظام نے اس کو حضورِ شاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس موقعہ پر ابوطالب کلیم نے یہ رباعی سپردِ قلم کی اور "صلۂ شایستہ" حاصل کیا ؎

بر فیل سفیدت کہ بمیناد گزند — شد بختِ بلندِ اُو دیدہ نگند
چُوں شاہِ جہاں برو بر آمد گوی — خورشید شد از سپیدۂ صبح بلند[5]

۱۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۲۲۳، عمل صالح، جلد اول، ص: ۳۱۲

۲۔ " " " ص: ۲۱۵ (طالب کلیم تاریخ رخصتِ افواجِ نصرت امتزاج بمالش اوزبکیہ "لشکرِ فتح" یافتہ)

۳۔ عمل صالح، جلد اول، ص: ۳۰۲

۴۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۵۹ ب

۵۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۲۶۸ - عمل صالح، جلد اول، ص: ۳۴۳

کلیاتِ کلیم کے ایک قطعہ[1] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جب لشکرِ شاہی نذر محمد خان کی سرکوبی کرکے مظفر و منصور پایۂ تخت پہنچا تو کلیم نے یہ قطعہ تاریخی لکھا تھا۔ بادشاہ نامہ وغیرہ میں اس کا ذکر نہیں ہے مگر ڈینسن راس (D. Ross) نے کتب خانہ بانکی پور کے کیٹلاگ میں اس قطعہ کا عنوان "تاریخ برگشتن لشکرانہ کابل" دیا ہے[2]۔ اور مقطع سے ۱۰۳۹ھ نکلتا ہے اس لیئے اس حوالے کے ذریعہ اس امر کی توثیق ہوتی ہے کہ کلیم نے اس موقع پر بھی قطعۂ تاریخی سپرد قلم کیا تھا جس کے چیدہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں ؎

ثانی صاحب قرآن کز ہستیت — فتنہ از سرحد امکان بازگشت
دشمنت در گوشۂ از مملکت — گرچہ جمع آمد پریشان بازگشت
گرباد تاخت آخر باخت او — رزم جو آمد گریزان بازگشت
غنچۂ از گلشن کابل نچید — با دلی پُر خار حرمان بازگشت
رایتِ اقبالِ شان انگند و گفت — "دیو از ملک سلیمان بازگشت"[3] (۱۰۳۹ھ)

سپہ سالار خان جہاں لودی، نظام شاہی سلطنت کی سرکوبی میں جہانگیر کے عہد سے مشغول تھا لیکن شاہجہان کے ابتدائی زمانہ سے بغاوت کا خیال اس کے سر میں سما گیا تھا چنانچہ ۱۰۳۹ھ سے خان جہان[4] کے خلاف فوج کشی ہو رہی تھی اور دریا خان و "پیرا" یعنی خان جہان مختلف مقامات پر پناہ لیتے پھر رہے تھے اور شاہی افواج اس کے تعاقب میں مصروف تھیں خواجہ ابوالحسن کی سرکردگی میں جنگ ہوئی اور آخر کار ۱۰۴۰ھ میں دریا خان قتل ہوا۔ اس کے بعد خان جہان کو قتل کرکے دونوں باغیوں کے سر یکے بعد دیگرے "خواجۂ کارگار" نے "بارگاہِ گردوں جاہ" میں پیش کیے[5]۔ اسی وقت کلیم نے ایک رباعی تحریر کی جس میں دریا و حباب کی رعایت لفظی ہے۔ عبدالحمید لاہوری نے اس کی وجہ تحریر کو ان الفاظ میں قلمبند کیا ہے

۱۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۶۸ الف

۲۔ Catal. Bankipore Lib. Pers. Mss. Vol. III. P. 97.

۳۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۶۸ ب "تاریخ برگشتن از کابل" "دیو از ملک سلیمان بازگشت" ۱۰۳۹ھ

۴۔ مآثر الامراء، جلد اول، ص: ۶۱۷ "خان جہاں لودی پسرِ دولت خاں لودی شاہو خیل است۔ پیر خان نام داشتہ، در سنہ ۱۰۱۸ھ خان جہان را با دوازدہ ہزار سوار جرار ضمیمۂ عساکر منصورہ ساختند۔ خان جہاں چندی در لانجی وہم آسایش گرفتہ از راہ برار بولایت نظام شاہیہ درآمد۔ در ۱۰۴۰ھ بزخم تیر یادھو سنگھ بر زمین افتاد و عبداللہ خان زخمی سر او را بحضور ارسال داشت۔"

۵۔ بادشاہ نامہ لاہوری۔ جلد اول، حصہ اول، ص: ۲۶۱
(خواجہ کارگار سرہائی آن دو نگونساران بہ بارگاہِ گردوں جاہ آورد)

"طالبای کلیم این رباعی در افروزن شعلۂ حیات دریا و فرونشتن حباب زندگانی پیرا منظوم ساختہ، بمسامع بشایر مجامع رسانید و بصلۂ گرامی دامن امیدش گرانبار گردید ؎

این مژدۂ فتح از پئے ہم زیبا بوُد | این کیف دو بالا چہ نشاط افزا بُود
از رفتنِ "دریا" "سر" "پیرا" ہم رفت | گویا سرِ او حباب این دریا بُود[۱]

۱۰۴۰ھ سے جلوس شاہجہانی کا چوتھا سال شروع ہوا۔ یہ سال کئی اعتبار سے مغل سلطنت کے لئے تشویشناک تھا۔

۱- خان جہان لودی کی بغاوت زور پکڑ چکی تھی جس کو شہنشاہ نے خود فرو کیا تھا اس کا ذکر ما قبل چند سطور کیا گیا ہے۔

۲- بلاد دکن و گجرات میں امساک باران کی وجہ سے ایک ہلاکت آفرین قحط پڑا تھا۔

۳- مرتضیٰ نظام شاہ والی احمدنگر (متوفی ۱۰۴۰ھ) نے خان جہان لودی کو پناہ دی تھی اور یہ حرکت ایک قسم کا اعلانِ بغاوت تھی اور ابھی مغلیہ افواج اس کو کیفر کردار تک پہنچانے کا منصوبہ باندھ ہی رہی تھیں کہ فتح خان پسر ملک عنبر نے اس کو قتل کر دیا[۲]۔ والئ احمدنگر کے انجام اور قحط کی تفصیلات کو کلیم نے ایک مثنوی میں بیان کیا ہے۔ یہ مثنوی (۱۶۰) اشعار پر مشتمل ہے۔ مثنوی کی ابتدا یُوں ہوئی ہے ؎

چو اقبال از نظام الملک برگشت | بکشتِ بختِ اُو شبنم شرر گشت
نظام الملک چوُں از بختِ ناساز | نمی شد ز آستان بوسی سرافراز
عقابِ قہر شاہ چیرہ و جنگ | تشکارِ ملکِ اُو را کرد آہنگ[۳]

صاحب عمل صالح نے مثنوی سے چند اشعار قحط کی تفصیلات کے ساتھ اسطرح درج کئے ہیں:-

"چنانچہ میزبانِ تہی چشمان مایۂ کلام ابوطالب کلیم دریں باب می گوید ؎

نشان از ابر و باران آں چنان رفت | کہ گفتی برج آبی زآسمان رفت
ز تنگی گر فقیر و گر غنی بود | بخوانِ رزقِ اُو غم خوردنی بود
نظرہا قرص مہ را کردہ تاراج | بنانِ شب فلک ہم گشتہ محتاج"[۴]

مذکورہ بالا مثنوی کو سپرد قلم کرنے کا ذکر ابوطالب کلیم نے مثنوی "شاہنامہ" میں مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے ؎

---

[۱] پادشاہنامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۳۵۲ - عمل صالح، جلد اول، ص: ۴۰۹

[۲] حدیقۃ العالم، جلد اول، ص: ۳۲۹

[۳] کلیات کلیم، ورق: ۸۳ ۱-ب

[۴] عمل صالح، جلد اول، ص: ۴۱۰

ولی ماندی آخر ازیں خاکدان | نہ شہنامہ غم نامہ یادگار
در آں عہد غم پرور جاں گسل | کہ بد سال ہجری ہزار و چہل
بتوصیف خشکی و قحط و وبا | یکی مثنوی کلک دستاں سرا[1]

۴۔ ۱۰۴۰ھ کا چوتھا المناک واقعہ ممتاز محل کی رحلت تھا۔ ۱۷ ذیقعدہ ۱۰۴۰ھ کو ملکۂ وقت نے اس دار فانی سے کوچ کیا اور شاہجہان پر مصیبت کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ کلیم نے جس قطعہ میں تاریخ وفات کہی ہے اس کا مصرعۂ تاریخی یہ ہے ؎ "صبح دم زین الم نمی خندد"[2] (۱۰۴۰ھ)

چونکہ بادشاہ کے لیے یہ سانحہ عظیم تھا معلوم ہوتا ہے کہ کلیم بھی بے حد متاثر ہوا اور ایک رباعی بھی اس کے قلم سے تراوش پائی جو معنوی و صوری خوبیوں کے اعتبار سے قطعہ سے بہتر ہے ؎

از حق چو ندا شنیده ممتاز محل | زود از همگی بریده ممتاز محل
رضوان در خلد بهر تاریخش | "فردوس محل گزیده ممتاز محل" (۱۰۴۰ھ)

ممتاز محل کی تجہیز و تکفین کے بعد اس کے عارضی روضہ کے اطراف شاہجہاں نے ۵ لاکھ کے صرفہ سے کئی مہمان خانے اور دلکشا ایوان تعمیر کروائے[3] جن میں سے دو کے متعلق کلیم نے مثنویاں لکھی تھیں جن کے مقطعہ تاریخ سے مزید توثیق ہوتی ہے۔

طاق ایوان بادشاہ جہان | "باد محراب انجم و افلاک"[4] (۱۰۴۰ھ)
چنین گفت طبع حقایق شناس | "سعادت سرائی همایون اساس"[5] (۱۰۴۰ھ)

۱۰۴۱ھ میں محمد جان قدسی ہندوستان آیا اور دربار شاہجہانی میں بار پانے کے لیے اسے بہت دنوں انتظار نہ کرنا پڑا۔ اس نے ایک شاندار قصیدہ حضور شاہ میں گذرانا جس کے صلہ میں بادشاہ نے خلعت اور دو ہزار روپے انعام عطا کیا۔[6]

۱۔ شاہنامۂ کلیم، ورق: ۱۱۴ الف ۲۔ کلیات کلیم، ورق: ۱۶۱ الف

۳۔ عمل صالح، جلد اول، ص: ۴۵۲ "و در یک جانبش مسجدی رفیع بنیاد و جانب دیگر قرینۂ آں مہمان خانۂ عالی نفس والا و انش حجرہا و ایوان ہائے دلکشا ...... سراہائے فرح افزا ...... بنیاد پذیرفتہ"

۴۔ کلیات کلیم، ورق:

۵۔ " "

۶۔ عمل صالح، جلد اول، ص: ۵۰۸

قدسی پایہ کا شاعر تھا مگر چونکہ بقول صاحب عمل صالح اس وقت تک کلیم ملک الشعراء ہو چکا تھا۔ بنا بریں قدسی کے لیے
موقع نہ تھا کہ وہ اس مرتبہ کو پہنچ سکے۔

"بہ تحریک بخت کار فرما چوں گفتارش ہوش فریب و دلاویز و طبعش معنی رس و فیض آمیز بود بخطاب
ملک الشعرائی امتیاز یافت اگرچہ استحقاق آں منصب جلیل القدر حاجی محمد جان قدسی داشت اما ازیں
رو کہ پیش از رسیدن حاجی او باین خطاب سرافرازی یافتہ بود و تا دم آخر بر و بحال ماند و تغییری
راہ نیافت[1]"

کلیم کا ملک الشعراء ہونا تمام اسناد کے نزدیک مسلم ہے اور محمد صالح کنبوہ معاصر مورخ ہونے کی وجہ سے زیادہ
مستند ہے اور وہ بھی اعتراف کرتے ہیں گو قدسی کو اس شرف کا زیادہ مستوجب سمجھتے ہیں لیکن اس سے حقایق نہیں بدل سکتے
محمد صالح کی اس "خواہش" کو متاخرین لے اڑے اور بعضوں نے قدسی کو ملک الشعراء لکھدیا۔ حالانکہ محمد صالح نے صاف لکھا ہے کہ کلیم
آخر وقت تک اس منصب پر فائز رہا اور تاریخ و تذکرے شاہد ہیں کہ قدسی نے ۱۰۵۶ھ میں انتقال کیا لہٰذا وہ ملک الشعراء نہ ہو سکا
یہ صرف چند تذکرہ نگاروں کا قیاس ہے۔

۱۰۴۱ھ جلوس شاہجہانی کا یہ پانچواں سال تھا اور کلیم اتنے عرصہ تک ۶ قطعے، ۴ رباعیاں، ایک مثنوی نظم کر چکا تھا
آصف خان خسر شاہجہان کا دامن تھامے ہوئے وہ دربار شاہی میں داخل ہوا تھا اور ہر موقع پر اس کے خامۂ گوہر بار سے اشعار
تراوش ہوتے رہتے تھے وہ اپنے ماحول سے باخبر رہتا تھا ہر فتح پر اظہار مسرت، دشمن کی موت پر فی البدیہہ مبارکباد ہر وقت
اس کے پیش نظر رہتی تھی اس کی شاعری مزاج ناآشنا نہیں تھی۔ اور ۱۰۴۰ھ[2] میں آصف جاہ کی بالاگھاٹ کی مہم پر روانگی کے
وقت بھی کلیم نے تاریخی قطعہ لکھا تھا۔ اس کے علاوہ بعض تذکروں[3] سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ جب قیصر روم نے شاہجہاں کو تہنیت
نامۂ تخت نشینی روانہ کیا تو ساتھ ہی اس کے لقب پر اعتراض کیا کہ وہ تو صرف ہندوستان کا پادشاہ ہے شاہجہاں کا لقب کیسے اختیار
کیا۔ شاہجہان، آصف جاہ سے اس کے جواب کے سلسلے میں مصروف گفتگو تھا کہ کلیم کو اطلاع ہوئی اور اسی وقت اس نے ایک قصیدہ نظم کیا
جس کے ایک شعر سے شاہجہان کے لقب کی توجیہہ ہوتی ہے ؎

ہند (۵۹) و جہان (۵۹) ز روی عدد ہر دو چوں یکیست　　شہ را خطاب شاہجہانی مبرہن است

شاہجہان نے یہ بیت جواب میں لکھ بھیجی اور کلیم کو زر میں تلوایا اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ جلوس[4] سے قریب
ہی کا ہوگا۔ ایک تو یمین الدولہ آصف جاہ کی حمایت دوسرے خود اس کے ذاتی کمالات کی وجہ سے قیاس کہتا ہے کہ ۱۰۴۱ھ

۱؎ عمل صالح، جلد سوم، ص: ۴۰۲　　۲؎ کلیات کلیم، ورق ۶۰

۳؎ مفتاح التواریخ، ص: ۲۵۸ - Moughal poetry, P. 40

تک اُسے ملک الشعرائی کا خطاب مل گیا ہوگا۔

۱۰۴۲ھ کی ابتداء میں شاہجہان نے شکار سے فارغ ہو کر برہان پور سے اکبرآباد مراجعت کی۔[1] اس موقع پر کلیم نے ایک قطعہ پیش کیا جس کی آخری بیت سے تاریخ کا استخراج کیا ہے ؎

"باز آمد حق بہ مرکز خود (۱۰۴۲ھ) تاریخ سعادت ورود است[2]

غرہ شعبان ۱۰۴۲ھ شہزادہ داراشکوہ کی شادی اس کی بنت عم شہزادہ پرویز کی لڑکی سے ہوئی[3] اور اکثر شعراء نے قصیدے لکھے اتاریخیں کہیں، کلیم نے بھی ایک قطعہ میں تاریخ کہی، جس کا مقطعہ یہ ہے ؎

خرد بہر تاریخ تزویج گفت "قرآن کردہ سعدین برج جلال"[4] (۱۰۴۲ھ)

شہزادہ داراشکوہ کی شادی کے ۲۰، ۲۲ دن بعد ۲۲ شعبان ۱۰۴۲ھ کو شہزادہ محمد شجاع کی رسم عقد جبینہ مرزا شاہنواز خان صفوی کے ساتھ ادا کی گئی اس وقت کلیم کے قلم سے ایک قطعہ صفحۂ قرطاس پر ظہور پذیر ہوا جس کے مقطعہ ذیل سے تاریخ نکلتی ہے ؎ "مہد بلقیس بسر منزل جمشید آمد"[5] (۱۰۴۲ھ)

خواجہ ابوالحسن عہد شاہجہانی کے بہت اعلیٰ رتبہ سپہ سالار اور آخر عمر میں وزارت اعلیٰ کے عہدہ پر مامور تھے ظفر خان احسن حاکم کشمیر ان کے لڑکے تھے اور کلیم سے اچھے مراسم ہونے کی وجہ سے جب ۱۹ رمضان ۱۰۴۲ھ کو خواجہ نے وفات پائی[6] تو کلیم نے مرحوم سے اپنے دیرینہ تعلقات کا اظہار ایک قطعہ کی صورت میں کیا جس کے آخری مصرعہ سے تاریخ برآمد ہوتی ہے ؎

"با امیر المومنین محشور باد"[7] (۱۰۴۲ھ)

اس سال کا ایک یادگار واقعہ شہزادہ اورنگ زیب کا ہاتھی سے مقابلہ ہے۔[8] ۲۹ ذیقعدہ ۱۰۴۲ھ کو شاہجہان بطور تفریح ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے میں مشغول تھا۔ اتفاقاً ایک ہاتھی نے اورنگ زیب پر حملہ کر دیا۔ اورنگ زیب نے جس مردانگی سے ہاتھی کا مقابلہ کیا اس کا نقشہ کلیم نے ایک مثنوی میں نہایت واضح انداز میں کھینچا ہے اور اس نے شہزادہ کو افراسیاب سے بڑھا دیا ہے اور بالکل بجا بڑھایا ہے کیونکہ اس صغیر سنی میں واقعی افراسیاب نے بھی کوئی کارنامہ انجام نہ دیا ہوگا ؎

بہ تکلیف فطرت دلیری نمود بہ سنی کہ تکلیف بردے نمود

دریں سن اگر بودے افراسیاب ہمی گشتی از دیدن فیل آب

---

[1] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۴۵۳
[2] کلیات کلیم، نسخہ ب، ورق ۸۹ و
[3] " " " ص: ۴۵۶
[4] عمل صالح، جلد اول، ص: ۵۳۳
[5] " " ص: ۴۶۴ - عمل صالح، جلد اول، ص: ۵۴۳ - کلیات کلیم، ورق ۶۰ ب
[6] " " ص: ۴۶۴ - سرو آزاد، ص: ۹۵
[7] کلیات کلیم، ورق: ۶۰ ب
[8] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۴۹۱

کلیم نے ایک اور قطعہ لکھا جس میں شہزادہ اورنگ زیب کی بہادری کی تعریف ہے اور اس میں شہزادے کے ہاتھی سے مقابلہ کرنے کی تفصیلات ہیں؎

شیردل شہزادہ فطرت بلند اورنگ زیب — آب شمشیرش بآتش دعویٔ پیکار کرد
در حضور ثانیٔ صاحب قرآن شاہجہان — جراتش بافیلِ مست آہنگِ گیرودار کرد
نیزہ اش چون از سرآن فیل جویٔ خون کشاد — سیل گفتی سویٔ دشت آہنگ از کہسار کرد
زخشِ آں رستم دل از آسیب فیل از پا فتاد — جان فدایٔ شہسوار عرصۂ پیکار کرد[2]

۹ ربیع الاول ۱۰۴۳ھ صادق خان میر بخشی نے وفات پائی[3]۔ مرحوم آصف جاہ کے بہنوئی ہوتے تھے اور خود شہنشاہ نے تعزیت کی رسم ادا کی تھی اس عزت افزائی کے نتیجہ میں ملک الشعراء کلیم نے بھی اپنا فرض سمجھا کہ قطعہ لکھ کر اظہارِ تعزیت کرے چونکہ مرحوم کا تعلق شاہی خاندان سے تھا اس لئے غالباً دو تاریخیں اس کے قلم سے تراوش ہوئیں، پہلے قطعہ کا مقطعہ مذکور ہے۔

سالِ تاریخ ایں چنیں ماتم — "چیست غیر از قضیۂ جانسوز" (۱۰۴۳ھ)

دوسرے قطعہ کے دو شعر[4] یہ ہیں؎

رفت صادق خاں زدہر آں نور چشم مردمی — در غمش چو مردمک خونابہ آشامیم ما
گفتمش مارا بما بگذار تاریخ این بس است — "بے وجودِ صبح صادق تیرہ ایامیم ما"[5] (۱۰۴۳ھ)

جلوس کے ساتویں سال موسمِ گرما کے آغاز پر شاہجہان نے سیرِ کشمیر کا ارادہ کیا۔[6] ۳ رشعبان ۱۰۴۳ھ کو سواری شاہانہ اکبر آباد سے پنجاب کی طرف روانہ ہوئی۔ کلیم نے اس کی تاریخ کہی ہے؎

شاہ جہان و ثانی صاحب قرآں کہ چرخ — از خاکِ درگہش بہ جہان آبروی داد
آمد بہ سیرِ گلشنِ لاہور چوں بہار — گلہائے خاطرِ ہمہ را رنگ و بوی داد
تاریخ ایں عطیۂ کبریٰ سپہر گفت — "پنجاب را سعادتِ جاوید روی داد"[7]

۱؎ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۴۹۱

۲؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۶۶ ب ـ شعر العجم، جلد سوم، ص: ۲۱۲ —— اس واقعہ کے متعلق مولانا شبلی سے ایک سہو ہو گیا ہے۔ "عمل صالح موسوم بہ شاہجہان نامہ، جلد اول، ص: ۵۵۴" سے جو حوالہ لیا گیا ہے وہ آغاز سال ششم از جلوس مبارک یعنی ۱۰۴۲ھ کا ہے اور مولانا نے شعر العجم میں "واقعات ۱۰۴۱ھ" لکھا ہے۔ ممکن ہے یہ کاتب کی غلطی ہو۔

۳؎ ماثر الامراء، جلد دوم، ص: ۶۹۲ —— "صادق خان پسر آقا طاہر در عہد جہانگیری بہ منصب درخور سربلندی یافت۔ سال ہشتم جلوس بخطاب خانی مورد نوازش شد و سالِ نہم بہ تعلقہ بخشگیری و از اصل و اضافہ ناموری افراشت۔ در سال اول جلوس فردوس آشیانی ہمراہ شاہزادہا آمدہ دولت بار یافت۔ حسب الالتماس یمین الدولہ، صادق خان بہ بحالی تعلقہ بخشگیری و عطائے قلمدان مرصع آب رفتہ بجو آورد و سال ششم، نہم ربیع الاول ۱۰۴۳ھ ہزار و چہل و سہ ہجری برحمت ایزدی پیوست"۔

۴؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۵۹ ا ـ ۵؎ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول حصہ دوم، ص: ۴ ـ ۶؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۵۸ ا، ب

شاہجہان نے دہلی سے نکل کر بمقام پالم "پارکاب" کیا اور وہاں شکار کھیلا۔ ایک دن میں چالیس[1] ہرن شکار کئے بادشاہ کے مہارتِ نشانہ کا یہ عالم تھا کہ دوبار گولی چلانے کی نوبت نہ آتی اور دہلہ اول ہی پر ہرن ختم ہو جاتا۔ کلیم نے اس واقعہ کے متعلق جو رباعی رقم کی ہے۔ اس میں مبالغہ انتہا کو پہنچ گیا ہے ؎

چوں شاہِ جہان پادشہ شیر شکار — انگند بہ پالم پئے نخچیر گذار
روزے بہ تفنگِ خاص بآن چل آہو — انگند کہ نفگند بہ یک صید دوبار[1]

۱۰۴۴ھ میں شہنشاہ شاہجہان نے تختِ طاؤس تیار کروایا۔ حاجی محمد جان قدسی اور دیگر معاصر شعراء نے اس کی تاریخیں لکھیں[2]۔ کلیم نے بھی ایک قطعہ سپردِ قلم کیا جس کا مطلع ہے ؎

پادشاہا! پایہ تخت بود تاج سپہر — دولتِ گردوں نگوں کش یکسر وچار افراست[3]

اسی سال یعنی ۱۰۴۴ھ میں تین مبارک ومسعود واقعات ظہور پذیر ہوئے[4] اور کلیم نے ان سب کو ایک قصیدہ میں سمو دیا ہے۔ صاحب عمل صالح اس کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

"یگانہ شاعر نادر سخن، جادو کلام طالبائی کلیم نیز قصیدہ در تہنیت اعیاد ثلثہ عید نوروز وعید فطر وعید قدوم اسعد بہ دار الخلافہ عظمیٰ سمت نظم دادہ وچند بیت در تعریف آن برج شمس وقمر در ضمن آں درج نمودہ وآں ابیات کہ بادشاہِ دقیقہ سنج، ہنر نواز اُورا سر بہ زر وزن نمودہ بی ملاحظہ ترتیب با مطلع دریں نامۂ نامی ایراد یافتہ[5] ؎

"نجستہ مقدم نوروز وغرۂ شوال — فشاندہ اندگُلِ عیش بر سرِ مہ وسال"

قصیدہ کافی طویل ہے۔ ۱۶۰ اشعار پر مشتمل ہے اور کلیات میں مکمل درج ہے اس لئے صرف زیرِ بحث موضوع سے متعلق چند اہم اشعار یہاں پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ؎

نجستہ مقدم نوروز وغرۂ شوال — فشاندہ اندگُلِ عیش بر سرِ مہ وسال
بزمِ عیش دو جام است در کفِ ساقی — ضرور تست بلی ایں دو عید را دو ہلال

---

[1] بادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصۂ دوم، ص: ۷

[2] عمل صالح، جلد دوم، ص: ۸۸ — تاریخ اتمام (تخت طاؤس)، را قدسی "اورنگ شاہنشاہِ عادل" یافتہ۔

[3] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۵۸ الف

[4] مفتاح التواریخ، ص: ۲۴۳، سرو آزاد، ص: ۸۶ — ان تذکرہ نگاروں نے ۴ واقعات لکھے ہیں، لیکن معاصر تاریخوں اور خود کلام کلیم کی داخلی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ تین واقعات ظہور پذیر ہوئے تھے، شعر ملاحظہ ہو۔

ہلالِ دلخوشئی اہلِ اکبر آبادم — کہ از سہ عید گرفتند کام دل امسال

[5] عمل صالح، جلد دوم، ص: ۸۸، بادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصۂ دوم، ص: ۴۴

هلالِ دلنوشتیِ اهلِ اکبر آبادم   که از سه عید گزنتند کام دل امسال

بچشم مردم دار الخلافه عید نویست   غبار موکبِ شاهِ جهان، جهانِ جلال

شرف پذیرد نوروز در چنین عیدی   که بادشاه نشیند به تختِ استقلال

بوصفِ تختِ مرصع گهرفشان گشتم   خدا نصیب کند عمرِ خضر و طُولِ مقال

۱۰۴۵ھ میں پھر ججھار سنگھ[1] بندیلہ کی بغاوت نے سر اُٹھایا۔ اس کی سرکوبی کے لیے فوجِ شاہی روانہ کی گئی اور آخر کار خانِ زمان و فیروز جنگ کی سرکردگی میں لشکرِ شاہی نے گونڈ قبائل کی مدد سے ججھار سنگھ کو کیفرِ کردار تک پہنچایا اور باغیوں کے سروں کو مع مالِ غنیمت کے دار الخلافہ پہنچا دیا گیا۔ کلیم نے اِن احوال پر مشتمل (۳۶۱) اشعار کی ایک طویل مثنوی لکھی ہے جس کے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں[2]

بگویم قصهٔ ججهار مردُود   که آغازش چه و انجام چوں بود

همیشه در دکن تا بود پیکار   درآں لشکر کمک می بود ججهار

اگر گاهی بخود اندر وطن بود   پسر از جانبِ اُو در دکن بود

در ایامی که سالِ هشتمین بود   که شه فرمانده رُوئے زمین بود

پسر برگشت و کارِ اُو دگر شد   بنائے دولتش زیر و زبر شد

همیں اُو با پسر زانجا بدر رفت   دو گامی عیدِ بسمل پیشتر رفت

از و اسباب و اسپ و فیل و مالش   بدستِ لشکر آمد با عیالش

سرِ بے مغز را بالا کشیدن   چو ناخن در عقب وارد بریدن

دو سر بر یک سناں یک بار در شد   حبابِ هر دو آخر سر بسر شد

۱ـ ماثر الامرا، جلد دوم، ص: ۲۱۴، ۲۱۵

"پسر راجه برسنگھ دیواست۔ بعد فوت پدر بخطاب راجگی و منصب مناسب ترقی کرده تا آخر عهد جنت مکانی بمنصب چهار هزاری مرتقی شده، پدرِ اُو مال بسیار فراهم کرده بود۔ بمقتضائی الخائن خائف واهمه بخاطر راه داده۔ پس از چند روز نیم شبی از اکبرآباد فرار نموده۔ چوں این خبر بعرض پادشاه رسید مهابت خان خانخاناں با اکثرے از امرای حضور بر سرِ اُو تعین یافت۔ ججهار سنگھ ناچار توسل مهابت خان جسته درخواست عفو جرائم نمود۔ پادشاه قبول این معنی فرمود۔ مشار الیه بخطاب راجگی نامور گردید۔ پس از رسیدن بوطن سال هشتم باغوای طبیعت فساد سرشت بهیم نرائن زمیندار چوراگڈھ بقتل رسانید۔ طایفهٔ گوند آں هر دو را مطابق سنه ۱۰۴۴ھ بقتل رسانیدند۔ خاندوران سرهای هر دو را بریده نزد فیروز جنگ آورد۔"

۲ـ کلیاتِ کلیم، ورق ۱۰۴الف - ۱۱۵ب

شہنشاہِ اکبر کے عہد سے شاہجہان کے عہد تک (یعنی ۱۰۰۴ھ سے ۱۰۴۵ھ تک) تقریباً ۴۰ سال سے دکن کی تسخیر کی کوشش جاری تھیں خود شاہجہان نے اپنے جلوس کے بعد سے ۱۰۴۵ھ تک دو دفعہ یہاں کے مختلف قلعے فتح کئے تھے اور فتوحات کا سلسلہ جاری تھا مگر منصوبۂ فتح پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ رہا تھا کیونکہ سلاطینِ دکن ۱۰۲۶ھ سے باجگذار تو ہو گئے تھے لیکن یہ باجگذاری صرف برائے نام تھی کیونکہ دکنی سلطنتیں ملک عنبر کے پردے میں شمال کی ہر دست درازی کا جواب دے رہے تھے اور دکن کا سیاسی توازن برقرار رکھنے کے لیے ہر طرح مدافعت پر آمادہ تھے اور ساتھ ہی سلاطین مغلیہ بھی تسخیرِ دکن پر تلے ہوئے تھے چنانچہ جنگوں کے اس تسلسل سے مجبور ہو کر ۱۰۴۵ھ میں شاہجہان بہ نفسِ نفیس دکن روانہ ہوا بقول کلیم ایک سال میں ایسے چالیس[1] قلعے فتح کئے جن کا ایک ایک قلعہ اپنے استحکام کی وجہ سے ناقابلِ تسخیر تھا اس شاندار کارنامہ پر کلیم نے حسبِ ذیل رباعی تحریر کی۔

شاہا! بختت کشورِ اقبال گرفت — تیغت ز عدو ملک و سر و مال گرفت
چل قلعہ بیک سال گرفتی کہ بیکیش — شاہان نتوانند بہ چل سال گرفت[2]

ہر سال قمری مہینے کے لحاظ سے روایتاً شہنشاہ کو سالگرہ کے موقع پر زر و جواہر میں تول کر غرباء میں تقسیم کیا جاتا تھا اور اربابِ ہنر کو ازراہِ قدر دانی صلے عطا کئے جاتے۔ جاگیریں عنایت ہوتی تھیں چنانچہ ۱۰۴۵ھ میں "جشنِ وزنِ شہنشاہ" کے موقع پر کلیم نے جو قصیدہ نظم کیا تھا وہ صرف کلیات میں دستیاب ہوتا ہے اس کے اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی سال یعنی ۱۰۴۵ھ میں لکھا گیا تھا کیونکہ اس میں چالیس قلعوں کی تسخیر کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس قصیدے کے چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں:۔

صاحبقرانِ ثانی کز حسنِ عہدِ او — گلزارِ دہر رونقِ باغِ جنان گرفت
سامانِ عید وزنِ مبارک ہمی کند — دوراں کہ جملہ حاصلِ دریا و کان گرفت
دوراں ز خوانِ حشمتِ شاہی بجشنِ وزن — اوراقِ نہ فلک را یک بیرہ پان گرفت
تعدادِ قلعہا و فتوحات چوں کنم — ہر روز کشوری شہ گیتی ستان گرفت
حکاکِ تیغ کُند برو نامِ فتح را — ہر قلعہ را کہ ہمچو نگین در میان گرفت
چل قلعہ فتح شد کہ یکی دیوگیر بود — کان را نمی توان بہ کمند و کمان گرفت
زاں گونہ مرتفع کہ اگر قلعہ دارِ آں — راضی شود تواں کمک از آسمان گرفت[3]

۱۔ شاہنامہ کلیم، ورق: ۱۹۸ ب۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۱۸۱

۲۔ عمل صالح، جلد دوم، ص: ۱۹۳

۳۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۶ ب

۲۲ رذی الحجہ ۱۰۴۶ھ کو شہزادہ اورنگ زیب کی رسمِ شادی دخترِ شاہنواز خان بن مرزا رستم صفوی کے ساتھ منعقد ہوئی اور کلیم نے یہ تہنیتی قطعہ تحریر کیا جس کے دو شعر یہ ہیں ؎

فلک رتبہ اورنگ زیب آنکہ ایزد	کہ اقبال در سایہ اش آرمیدہ
خرد بہر تاریخ تزویج گفتا	"دو گوہر بیک عقد در آں کشیدہ"[1] (۱۰۴۶ھ)

لشکرِ شاہی نے سال کے اختتام پر بہوجپور موقوعہ صوبہ بہار اور دوسرے گیارہ قلعہ جات فتح کیے[2]۔ کسی تذکرے میں اس رباعی کا حوالہ نہیں جس سے تاریخ نکلتی ہے لیکن کلیات میں ملتی ہے، جو یہاں درج کی جاتی ہے ؎

از جلوہ شاہدانِ فرخ پے فتح	داد از پے ہم ساقی دوران مئی فتح
تاریخِ فتوحاتِ شہنشاہِ جہاں	کلکم بہ نوشت آمدہ "فتح از پے فتح"[3] (۱۰۴۶ھ)

۱۰۴۶ھ میں شاہجہان نے "قصرِ آگرہ" کی تعمیر کا حکم صادر فرمایا اور اس کے ساتھ بہت سی عمارتیں تعمیر ہوئیں مثلاً ایوان، حمام شاہی اور چند مثمن عمارات، ہر ایک پر کلیم نے قطعہ یا مثنوی ضرور لکھی ہے۔ تفصیلات کی مطابقت کے لیے اس کے کلیات سے دستیاب ہونے والے قطعات کے چیدہ چیدہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس عظیم الشان قصر کے متعلق دو اشعار یہ ہیں ؎

ز شانِ تست گر چہ رخت بہ بالاست	بظلِ مغز بالا پوست را جاست
نمود از رفعتِ شانت عیان است	مگر رخشش زخاکِ سر کشانست[4]

دولت خانۂ خاص کے مقابل ایک ایوان تعمیر ہوا جو ۵½ مربع گز رقبہ زمین پر مشتمل تھا[5]۔ اس کے متعلق کلیم نے جو مثنوی تحریر کی اس کے چند بیت یہ ہیں ؎

بہ رفعت چوں کنم تعریفِ ایوان	گذارد قافیہ اُفتد بہ کیوان
در دولت شاہجہاں مسند نشین است	کہ این سر بلندی بیش ازین است[6]

صاحب پادشاہ نامہ لاہوری اسی ایوان سے متصل ایک حمام کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

۱۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۲۶؛ عمل صالح، جلد دوم، ص: ۲۴۳

۲۔ " " " ، ص: ۲۷۲ — "نخست حصار بہوجپور را کہ حاکم نشین آں سرزمین است و بر تاب داشتوں طالع در انجا متحصن گشتہ بود محاصرہ نمود...... بیانہ قلعۂ دیگر کہ در آں نزدیکی بود مفتوح شد۔"

۳۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۱۱ ب ۴۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۹۵ الف

۵۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۲۳۸ ۶۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۹۵ الف

"متصل آن (ایوان) حمامی مشتمل بر منازل متعددہ کہ بر دریائے چون .... آں طرف آب اشراف دارد[1]"

اِس حمام کی تکمیل پر کلیم نے یہ اشعار سُپردِ قلم کئے تھے ؎

زہی از تو روئی طراوت سفید | صفا راز تو گرم پشت اُمید
سرورِ دل و راحتِ جاں توئی | بعالم قدم گاہِ پاکان توئی
وزد بادِ قہرش چُو بر روزگار | زحمام بر رو نشیند غبار
بود آتش و آب را تا فروغ | ز رویش بود مہر و مہ با فروغ[2]

دوسری عمارت جو سنگِ مرمر سے مثمن شکل میں بنائی گئی تھی اس کا قطر ۸ گز تھا۔ اس میں تین شہ نشین بھی تھے[3]۔ کلیم نے دو چھوٹی مثنویاں اِن کی تعمیر کے بعد لکھی تھیں، جن کے چیدہ اشعار درج ذیل کئے جاتے ہیں

ندارد شش جہت چون ایں مثمن | کہ باشد ہفت چرخش زیرِ دامن
ملایک چُوں کبوتر در رواقش | ثریا کوزۂ نرگس بہ طاقش
مسرت فزا، دلکشا، دل نشین | غبار درش آبروئے زمین
ز نور و فضا در نظر آئینہ است | برو نقشِ چین رنگ بر آئینہ است[4]

اپنے اسلاف کی طرح شاہجہان کو شکار کا بہت شوق تھا اور ضرورتاً دورانِ شکار میں شاہ کو چند دنوں شکار کے لیے قیام بھی کرنا پڑتا تھا۔ ۱۰۴۶ھ میں حکم شاہی سے "صیدگاہ باری" میں تالاب باری کے کنارے دو سال کے عرصہ میں ایک لاکھ چالیس ہزار روپے کے صرفہ سے سنگِ سُرخ سے ایک محل تعمیر ہوا جو "بلال محل" کے نام سے موسوم ہوا[5]۔ اس تعمیر کی توثیق کلیم کے مندرجہ ذیل اشعار سے ہوتی ہے ؎

پادشاہِ زمانہ شاہجہاں | شد بعہدش شگفتہ گلشنِ عیش
نذرِ صاحبقرانِ ثانی کرد | دہر کشتِ مراد و خرمنِ عیش
طرح در "صیدگاہِ بارے" کرد | ایں بنا را کہ شُد نشیمنِ عیش

---

[1] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصۂ دوم، ص: ۲۳۸ [2] کلیاتِ کلیم نسخہ ب، ورق: ۱۴۶ ا، ب

[3] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصۂ دوم، ص: ۲۳۹۔

[4] کلیاتِ کلیم، ورق: ۹۷ ب

[5] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصۂ دوم، ص: ۲۳۴

گشت تاریخ سالِ اتمامش "علیدگاہِ نشاط و مسکنِ عیش"[1] (۱۰۴۶ھ)

افسوس کہ صیدگاہِ باری کا محل وقوع ہمارے مستعملہ کسی ماخذ سے متعین نہ ہو سکا البتہ پادشاہ نامہ لاہوری میں اس شکارگاہ کا ذکر اکثر جگہ آیا ہے جس سے اس بات کی تصدیق تو ہوتی ہے کہ اس نام کی کوئی شکارگاہ تھی۔

۱۰۴۶ھ میں ایک مسجد اجمیر میں زیر تعمیر تھی، شاہجہان نے اسی نامکمل مسجد میں نماز ادا کی چنانچہ ۱۰۴۷ھ میں وہ پایۂ تکمیل کو پہنچی اور بے بدل خان گیلانی[2] داروغۂ زرگرخانہ اور ابو طالب کلیم نے ایک ایک قطعہ لکھا جس سے تاریخ اتمام نکلتی ہے۔ عبد الحمید لاہوری نے صرف بے بدل خان کا مصرعہ ؎ "قبلۂ اہلِ زمان شد مسجدِ شاہ جہان"[3] ہی درج کیا ہے، کلیم کی تاریخ نہیں دی ہے مگر کلیاتِ کلیم[4] میں مکمل قطعہ موجود ہے۔ جو اسی مسجد کی تعمیر کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اس کی تین وجوہ ہیں۔

۱۔ اس کے مقطعۂ تاریخی سے سنہ ۱۰۴۷ھ کا استخراج ہوتا ہے۔

۲۔ ایک شعر سے داخلی شہادت ملتی ہے۔

سرنوشتِ ساکنانش نیست جز خطِ امان　　　داده ایمن حرمتِ اجمیر را فیضِ حرم

۳۔ کلیم نے سعیدائے گیلانی کے بعد یہ قطعہ تحریر کیا ہے اور اس کے اس مصرعہ میں تعریض ہے ؎

من نگویم کعبۂ لیک این قدر گویم کہ ہست

سعیدائے گیلانی نے "قبلۂ اہل زمان" کہا ہے اور کلیم نے "کعبۂ حاجاتِ دنیا" کہہ کر شعر کو بہتر بنا دیا ہے۔ وہ اس کے محرابوں کو "قبلہ گاہِ آرزو" کہہ سکتا ہے۔ "کعبۂ ثانی" کہتا ہے لیکن "کعبہ" کہنے کو تیار نہیں کیونکہ مبالغہ میں بھی وہ تقدیس تحریمِ کعبہ برقرار رکھنا چاہتا ہے۔

اس قطعہ کے سلسلہ میں صاحب عمل صالح[5] سے ایک اختلاف ہو رہا ہے۔

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۶۸ ب

[2] ماثر الامرا، جلد اول، ص: ۴۰۵۔ "بے بدل خان سعیدائے گیلانی در عہد جنت مکانی بہ ہندوستان آمده در سلک ملازمان پادشاہی انتظام یافت۔ در عہد فردوس آشیانی بوسیلۂ معاملہ فہمی و کاردانی بخطاب بے بدل خان امتیاز گرفتہ۔ مدتہا بہ داروغگی زرگرخانۂ سرکار والا اختصاص داشت و سریر مرصع (کہ موسوم بہ تخت طاؤس بود) با ہتمام او در مدت ہفت سال صورت اتمام یافتہ۔ در جلدوی آں اورا بزر سنجیدند

[3] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصۂ دوم، ص: ۲۲۵

[4] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۲ و

[5] عمل صالح، جلد سوم، ص: ۵۵

۱۔ سنہ ۱۰۵۷ھ کے وقایع میں تعمیر شاہجہان آباد کی جو تفصیلات درج ہیں اس قطعہ کو انہوں نے اسی سلسلہ میں تعمیر ہونے والی جامع مسجد سے متعلق کیا ہے جو صحیح نہیں ہے کیونکہ مسجد کی تعمیر ۱۰۴۷ھ میں اجمیر میں ہوئی اور ثبوت کے لئے قطعہ مذکورہ کے دو شعر دوبارہ پیش کئے جاتے ہیں۔

دادہ ایمن حرمتِ اجمیر را فیضِ حرم — سرنوشتِ ساکنانش نیست جز خطِ امان
مسجدش کان کعبۂ ثانیست تاریخش بود — "کعبۂ حاجاتِ دُنیا مسجدِ شاہجہان" ۱۰۴۷ھ

۲۔ مفتاح التواریخ[۱] میں اس مسجد کی تعمیر کا ذکر ۱۰۴۷ھ میں ہے اور یہی مقطعہ پیش کیا گیا ہے جو صحیح ہے۔

۳۔ صاحب عمل صالح نے جو مقطعہ تاریخ دیا ہے اس سے ۱۰۶۷ھ نکلتا ہے۔ "قبلۂ حاجات آمد مسجد شاہجہان" ۱۰۶۷ھ اس لحاظ سے اس واقعہ کا ذکر ۱۰۵۷ھ کے وقایع میں نہیں ہونا چاہئیے تھا کیونکہ جو مقطعہ دیا گیا ہے اس سے ۱۰۵۷ھ نہیں ۱۰۶۷ھ نکلتا ہے۔ عمل صالح کے پُورے مقطعۂ تاریخی میں تعمیہ و تخرجہ بھی نہیں ہے اور کوئی طریقہ اس پر منطبق نہیں ہوتا۔

۴۔ عمل صالح میں مذکورہ قطعہ کے ۸ شعر نقل ہیں اور من جملہ اور اختلافات کے مقطعہ میں بھی اختلاف ہے اور تذکروں وغنی کاشمیری کا قطعہ تاریخی شاہد ہیں کہ کلیم ۱۰۶۱ھ میں انتقال کر چکا تھا شاید فاضل مورخ کو غلط فہمی ہو گئی ہے یا قطعہ کے نقل کرتے وقت شاید تاریخ کی طرف خیال نہیں گیا۔ دوسرا خیال یہ بھی آتا ہے کہ کلیم کا وہ قطعہ جو اس نے مسجد اجمیر کی تعمیر کے بعد لکھا تھا اس کا آخر مصرعۂ تاریخ محمد صالح کو یاد نہیں رہا اور نہ سنہ و وجہہ تحریر اور ایک مصرعہ جو کسی اور شاعر کا تھا اور کسی اور مسجد سے متعلق تھا موصوف نے ایک دوسرے سے مخلوط کر کے اپنی مطلوبہ تاریخ نکال لی کیونکہ مسجدِ اجمیر والے قطعہ کے مصرعۂ تاریخی میں ۲ لفظوں "قبلہ" کی بجائے "کعبہ" اور "آمد" کی بجائے "دنیا" کے تغیر سے ۱۰۴۷ھ کی بجائے ۱۰۶۷ھ ہو جاتا ہے۔

۱۰۴۷ھ تک کلیم نے "شاہنامۂ شاہجہانی" قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا جس کا ثبوت محمد امین قزوینی کے ان جملوں سے ملتا ہے۔

"دراوقاتِ اُو نیز لالی مضمون مشحون "پادشاہنامہ" را بہ رشتہ نظم می کنند وایں دو کتاب کہ اُو (کلیم) و حاجی محمد جان قدسی نظم می کنند، بعد از اتمام مقبولِ خاص و عام خواہند بود"[۲]

کلیاتِ کلیم میں دو قطعے موجود ہیں جن میں سے ایک قطعۂ تاریخی ہے اور اس کے مقطع سے ۱۰۴۷ھ نکلتا ہے۔ ان کے عُنوانات اور اشعار کے بغور مطالعہ سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ اس سال ایک "مرقع گلشن" تیار ہوا تھا جو جنت مکانی (شہنشاہ جہانگیر) کے عہد میں شروع ہوا تھا اور صاحبقران ثانی شاہجہان کی "حسنِ سعی" سے اختتام کو پہنچا ہے ؎

---

[۱] مفتاح التواریخ، ص ۲۴۴ — [۲] پادشاہ نامہ قزوینی، ورق: ۲۷۶ب (سنہ ۱۰۴۷ھ کے وقایع میں یہ عبارت درج ہے)

طرح ایں گلشن شہ جنت مکان کرد از نخست   ایں زمان لیکن گل اتمام بار آوردہ است
حسن سعیِ ثانیِ صاحبقران شاہ جہان   آب شادابیش اندر جویبار آوردہ است

اس کی تیاری استادانِ فن کے مُوقلم سے ہوئی ہے ۔ ہزاروں "نقش بدیع" کے انتخاب کے بعد زمانہ نے اس کو "مرقع شاہجہان" نام دیا ہے اور اس کی تاریخ کا کلیم نے "مرقعِ بے مثل و بے بدل"[1] (۱۰۴۷ھ) سے استخراج کیا ہے ۔ مرقع رقع سے مشتق ہے ۔ اس کے لغوی معنی تصاویر کا مجموعہ ہے ۔ جیسے انگلش میں البم کہا جاتا ہے ۔

معاصر یا متاخر، مورخ و تذکرہ نگار ۔ فہرست نگار و مغلیہ مصوری و فن تعمیر کے ماہرین کی متحصلہ کتب سے استفادہ کیا گیا، تمام اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں ۔ البتہ حسین پرتو بیضائی کاشانی نے "دیوانِ کلیم کاشانی" کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے ۔

"یکی از آثار پُر بہائی شاہجہان کہ بدست جہانگیر پدروی شروع و بہ ہمت شاہجہان تکمیل شدہ مرقع گلشن است کہ اکنوں در موزہ سلطنتی ایران می باشد و شاید جزو نفایسی است کہ نادرشاہ افشار از ہند بایران آوردہ ۔ ایں مرقع را نویسندۂ سطور ندیدہ اما شرحی از آن و یکی از نشرات ادارۂ کل باستان شناسی درج و نمونہ ہائی از خطوط و تصاویر آں گراور شدہ و از آن جملہ تصویر شاہجہان و فرزندش دارالشکوہ می باشد کہ گراور ایں تصویر در صفحۂ قبل بہ نظر خوانندگان می رسد ۔

مرقع مزبور مجموعۂ گراں بہائی است از خطوط اساتید خط و تصاویر متعدد از سلاطین و علماء ہنرمندان ایران و ہند و خانوادہ سلطنتی جہانگیر و شاہجہان کہ تصاویر مزبور بقلم بزرگترین نقاشان آن عصر ہندوستان ترسیم شدہ[2] ۔"

اس بیان کے سوا ہمارے پاس کوئی اور موثق حوالہ نہیں ہے جسے ہم سند کے طور پر پیش کر سکیں، اسلیے اسی پر اکتفا کرتے ہیں ۔

۱۰۴۸ھ کا آغاز ہوا ۔ شاہجہان نے دولت خانہ سہرند میں نزول فرمایا یہ عمارت باغ حافظہ رخنہ سے متصل تھی شاہ نے وہاں "دولت خانۂ خاص" اور "خواب گاہ والا" تعمیر کرنے کا کام میر علی اکبر کرور ی فوجدار سہرند کے تفویض کیا[3] ۔ یہ دلکش محلات اس سال تعمیر ہو گئے تو شاہ اس میں رونق افروز ہوئے اس کی توثیق پادشاہ نامہ لاہوری کی اس عبارت سے ہوتی ہے ۔

"ہژدہم جمادی الثانیہ بدولت خانہ سہرند کہ پیوستہ باغ حافظہ رخنہ بناشدہ تشریف فرمودند[4] ۔"

لہ کلیاتِ کلیم، ورق : ۶۵ د   ؎۲ دیوانِ کلیم کاشانی، ص : ح

؎۳ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص : ۱۱۶   ؎۴ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص : ۱۱۵

کلیم نے دو مثنویاں سپرد قلم کیں۔ مثنوی کے اشعار اور پادشاہ نامہ لاہوری کی تفصیلات ایک دوسرے کی موافقت کرتے ہیں ؎

زہی عرش بنیاد دولت اساس | چو خورشید در آسماں روشناس
کند نقش گلزار جزو آشکار | کشد گر گلی می نماید بہار
بر آوازۂ خوبیت روم و چین | سرائے شہنشاہ باید چنین
رقم دید آخر بہ لوحِ ازل | "سرائے شہنشاہ والا محل" ۱۰۴۸ء

دوسری مثنوی کے تین شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

دیدہ نظارہ وقفِ حیرت است | زین بنا کار آگاہِ دولت است
چوں تمامی یافت ایں رشکِ بہار | گوہر تاریخ ہا کردم نثار
لیک تاریخی کہ لایقِ شہرتست | "قصرِ اقبال و محلِ دولت است"[۲] ۱۰۴۸ء

"گوہرِ تاریخ ہا کردم نثار" اور "لیک تاریخی کہ لایقِ شہرتست" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی تاریخیں نکالی تھیں لیکن مندرجہ بالا شاید زیادہ پسند آئیں جنہیں اس نے "لایقِ شہرت" سمجھ کر پیش کیا ہے۔

شاہجہان ۱۰۴۳ھ میں جب سیرِ کشمیر کے لیے گئے تھے، اس وقت مناسب مقامات پر عارضی قیام کی غرض سے چند عمارتیں تعمیر کرنے کا حکم صادر کیا تھا، چنانچہ ان ہی عمارتوں میں ایک ایوان بھی تھا جو ایک حوض کے درمیان تعمیر ہو رہا تھا۔ ۱۰۴۹ھ میں وہ مکمل ہوا[۳]۔ کلیم اس زمانہ میں شاہنامہ نظم کرنے کے سلسلہ میں مقیم کشمیر تھا ممکن ہے اس نے خود مشاہدہ کیا ہو چنانچہ یہ رُباعی اس عمارت کی تاریخ اتمام پر تحریر کی ؎

ایں خانہ نگاہ را عنان گیر بود | حوضش مرآت مہر تنویر بود
تاریخ بنائی ایں ز معمارِ خرد | جستم گفتا "زینتِ کشمیر بود"[۴] ۱۰۴۹ء

۱؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۹ ب تا ۱۴۰ الف، ب

۲؎ Mughal poetry (By) Dr. Hadi Hasan. P. 38 پر ان مثنویوں کی وجہ تحریر "تعمیر قصر آگرہ" لکھی ہوئی ہے لیکن تاریخی مواد کی رُو سے تعمیر قصرِ آگرہ ۱۰۴۶ھ میں ہوئی اور مثنویوں کے اشعار و پادشاہ نامہ لاہوری کی عبارت کو بغور پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنویاں "دولت خانۂ سہرند میں تعمیر ہونے والے" محل مقدس و "دولت خانۂ خاص" کے متعلق لکھی گئی ہیں، قصرِ آگرہ کے بارے میں نہیں۔

۳؎ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص: ۲۶ "میان حوض عمارتی طبی دہ گز در ہشت گز طولانی آن دو ایوان سنگین .... بنا نہند"

۴؎ کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق: ۳۴۴ الف

کلیاتِ کلیم میں ایک قطعہ تاریخی ہماری نظر سے گذرا اس کی وجہ ارقام کی تصدیق معاصر تاریخ پادشاہ نامہ لاہوری سے بھی ہوتی ہے۔ ۱۰۴۹ھ کی شب برات[1] کے موقع پر حکم شاہی سے علی مردان خان نے دولت خانہ خاص و عام پر چوب بندی کر کے چراغان کیا تھا اور شاہجہان نے جھروکہ میں برآمد ہو کر "چراغان" کا تماشہ دیکھا۔ اس قطعہ کا مصرعہ اول ہے ؎ "غبار دیدہ بدر رفت بادازین خرگاہ"[2] اور مطبوعہ نسخہ میں "خرگاہ" کی بجائے "درگاہ" لکھا ہے۔ پُرانی اصطلاحات کی رُو سے "درگاہ" سے مُراد خلوت یعنی دیوانِ خاص لیا جاتا تھا اور "بارگاہ" سے مُراد جلوت (اصطلاح آصفی میں "جلوخانہ") یعنی دیوانِ عام اور "خرگاہ" کے لغوی معنی ہیں "خیمہ عارضی" چونکہ یہ چوب بندی کا کام عارضی خیمہ زنی کے مترادف تھا اس لیئے وہاں "خرگاہ" کا لفظ ہی موزوں ہوگا۔ مقطعہ تاریخی یہ ہے ؎

چو بارگاہِ شہنشاہ بود تاریخش — "اتاق و بارگہ پادشاہ" آمدہ است[3] ۱۰۴۹ھ

اسی سال ۲۵ شوال ۱۰۴۹ھ شاہجہان سیرِ کشمیر کے قصد سے روانہ ہوا[4] موسم زمستان تھا اور شاہ فروردی میں کھلنے والے شگوفہائے شفتالو و گلِ ریحان کے حُسن سے لُطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ راجہ جگت سنگھ کو چشموں کے دہانوں سے برف ہٹوا کر راستے صاف و قابلِ عبُور بنانے کا حکمِ شاہی صادر ہوا تھا۔ بظاہر جاڑوں میں سیرِ کشمیر تعجب خیز امر معلوم ہوتا ہے لیکن بعض موسمی پھُول و پھَل کی بہار سے اسی مخصوص موسم میں بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ اسی لیۓ غالباً شاہجہان نے موسم کی زحمت اُٹھا کر سیرِ کشمیر کا ارادہ کیا تھا۔

کلیم کشمیر میں مقیم تھا بنا بریں اس نے اس موقع پر ایک قصیدہ تحریر کیا جس میں "زمستانِ کشمیر" اور مقدم شاہ کا ذکر ہے۔ چند شعر پیش کیۓ جاتے ہیں جن میں برف باری کا نقشہ کھینچا ہے ؎

در عینک یخ نہان شد امسال — کشمیر کہ چشمِ روزگار است
تا تن از لرزہ گشتہ رقاص — دندان چو چغانہ گرم کار است
یخ بر سرِ کوچہ بندی آمد — نے راہِ پیادہ نے سوار است
امسال امید پشت گرمی — از مقدم شاہ کامگار است
آن شاہ جہانِ بختیاری — کاقبالش مملکت شکار است[6]

۲۶ محرم ۱۰۵۰ھ کو شاہجہان نے باغ صفاپور کی سیر کی[7] جو دولت خانۂ شاہی سے کچھ دُور واقع ہے اور

---

۱ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص: ۱۶۷ — ۲ کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق: ۷۹ ب
۳ دیوان کلیم کاشانی، ص: ۸۲ — ۴ " " "
۵ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص: ۱۷۹ — ۶ " " " : ۱۵۰ ب
۷ " " ص: ۱۸۹

جہاں آرا بیگم کے حکم سے اس میں ایک عمارت تعمیر کی گئی تھی اس کو آراستہ و پیراستہ کیا گیا تھا۔ بادشاہ نے چار روز تک وہاں قیام کیا اور سیر کے بعد دولت خانہ شاہی کو مراجعت کی۔ کلیم نے اس وقت ایک مثنوی سپرد قلم کی تھی جس کے تین شعر پیش کئے جاتے ہیں [۱]

زہے دلکش بنائے چرخ پایہ	جہاں از آب ورنگت برده مایہ
صفا پوراز تو زیب روزگار است	بہار از پہلوئی گُل نامدار است
ازان منظور فیضِ آسمانے	کہ عشرت خانۂ شاہجہانی[۱]

۲۷ محرم ۱۰۵۲ھ شہزادی جہاں آرا بیگم بنتِ شاہجہان اپنی خوابگاہ میں جارہی تھیں کہ اتفاقاً شمع کی لو سے ان کے دامن میں آگ لگ گئی[۲] اور شاہزادی بُری طرح زخمی ہوگئیں۔ ۱۰۵۴ھ تک ان کا علاج ہوتا رہا چونکہ شہزادی سے بادشاہ کو بہت محبت تھی بنابریں اس حادثہ نے شاہجہان کو بہت متاثر کیا۔ آخرکار شوال ۱۰۵۴ھ میں صحت یابی کے بعد جشنِ صحت منایا گیا اور شہزادی کو سونے اور چاندی میں تولا گیا اس جشن کے موقعہ پر کلیم کے خامۂ گوہر بار سے جو قصیدہ صفحۂ قرطاس پر نمودار ہوا اس کے چند اشعار یہ ہیں [۳]

ای عیدِ صحت تو جہاں را بہ از بہار	سرسبزی تو زینتِ بستانِ روزگار
کوتاہ باد دستِ حوادث ز دامنت	ای آبِ زندگی تو کجا و کجا غبار
تا کرده شعلہ کسب شرافت ز دامنت	زیبد اگر فرشتہ کند سبحہ را شرار
بس گنج ہا کہ از زر و گوہر تہی نمود	بہرِ تصدقِ تو شہنشاہِ کامگار
یارب ہمیشہ تخم بیفشانده سبز باد	در مزرعِ اُمید شہنشاہِ کامگار[۳]

میر بخشی صلابت خان، میر بخشی صادق خان مرحوم کے دوسرے لڑکے تھے۔ گذشتہ صفحات پر مرحوم کے شاہی خاندان سے تعلقات کا ذکر کر دیا گیا ہے اس لئے مزید تفصیل تکرار کا باعث ہوگی۔

صلابت خان[۴] ۳۰ جمادی الاول ۱۰۵۴ھ کو نمازِ مغرب ادا کر کے تختِ شاہی کے سیدھے طرف کھڑے

---

[۱] کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق : ۱۴۲ — [۲] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص : ۴۰۰

[۳] " " ، ورق : ۳۴ ب — عمل صالح، جلد دوم، ص : ۳۹۹

[۴] ماثر الامراء، جلد دوم، ص : ۷۳۱ — "صلابت خان روشن ضمیر، پسر دوم صادق میر بخشی است۔ سال پنجم جلوس فردوس آشیانی از اصل و اضافہ بمنصب ہزاری دویست سوار و خدمت قدبیگی از تغیر سردار خان سربلند گردید۔ سال ہشتم باضافہ پانصد سوار بمنصب دوہزاری ہشت صد سوار افتخار اندوخت و بیشتر بخطاب صلابت خان بلند آوازه گردید۔ در سال سلخ جمادی الاول مطابق ۱۰۵۴ھ ہزار و پنجاه و چہار ہجری بزخم جمدہر راو امر سنگھ جہان فانی را بدرود نمود"

سرگرم گفتگو تھے کہ راؤ امرسنگھ جو صلابت خان کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے حسد کرنے لگا تھا یکایک ان پر حملہ آور ہوا اور اس کے جمدھر کی نوک صلابت خان کے سینہ سے پار ہوگئی۔ اس زخم سے وہ جانبر نہ ہو سکے اور انتقال کر گئے۔ کلیم نے ان کی تاریخ وفات ایک قطعہ میں لکھی ہے جس کے دو اہم شعر یہ ہیں ؎

صلابت خان عزیزِ مصرِ دولت — کہ رویش بود عیدِ دیدہ ورہا
بود تاریخِ سالِ این شہادت — "کباب از ماتمِ او شد جگرہا"[1] ۱۰۵۴ء

۱۰۵۵ء میں شاہجہان نے پھر عزمِ کشمیر کیا۔ کلیم نے اس خوشی میں ایک قصیدہ لکھا اور انعام سے سرفراز ہوا تمام تذکرہ نویس و مورخ اس قصیدہ کا ذکر کرتے ہیں مگر اس کے دو چار[2] شعر بھی پیش نہیں کرتے۔ پادشاہ نامہ لاہوری میں اس طرح لکھا ہے ؎

"طالب کلیم کہ در کشمیر نظر بہ نظمِ ماثر و مفاخرِ این دولتِ خداداد ابد میعاد می پردازد، قصیدہ در تہنیت مقدمِ مقدس اقدس رسانید و بمرحمتِ خلعت و انعام دو بیست مہر مباہی گردید"[3]

کلیاتِ کلیم میں کشمیر سے متعلق ایک مثنوی و دو قصیدے ہیں ان کو بہ نظرِ تعمق پڑھنے پر دونوں قصیدوں میں "مقدم شاہ کا تذکرہ ملتا ہے، یہاں مثنوی تو خارج از بحث ہے کیونکہ مذکورہ بالا حوالہ میں قصیدہ کا ذکر ہے۔ دونوں قصائد میں سے ایک میں تو موسمِ زمستان کا نقشہ صاف طور پر کھینچا ہوا ہے جسے چند صفحات قبل ہم نے پیش کیا ہے۔ اس لحاظ سے ایک ہی قصیدہ باقی رہ جاتا ہے اور اس قصیدے کے محاسنِ کلام و حسنِ طلب وغیرہ پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قصیدہ پر کلیم انعام و خلعت کا مستحق گردانا گیا ہوگا۔ بنابریں اس کے چند شعر یہاں درج کئے جاتے ہیں مکمل قصیدہ کلیات میں درج ہے۔

اے بخت مژدہ کز افقِ کبریا رسید — خورشید رحمتی کہ بہ ہر ذرہ وا رسید
از گرد موکبی کہ بہ از ابرِ رحمت است — کشمیر را بہارِ دگر از قفا رسید
شکرِ خدا کہ دیدۂ امیدِ خلق را — از گردِ راہِ شاہ جہاں توتیا رسید
صاحبقرانِ ثانی کز خاکِ پای او — لب تشنۂ امید بہ آبِ بقا رسید
جاوید باد دولتِ شاہنشہِ جہاں — کز وی بہ نیک و بد ہمہ برگ و نوا رسید[4]

کلیم کے ہمعصر و عزیز دوست محمد جان قدسی نے ۱۴ سال کی رفاقت کے بعد ۱۰۵۶ھ میں انتقال[5] کیا تو کلیم نے ۹ بند کا

---

[1] کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق: ۴۴ ب؛ [2] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد دوم، ص: ۴۲۰؛ [3] کلیاتِ کلیم نسخہ ب، ورق: ۳۵ ب

[4] ماثر الکرام، ص: ۶۲؛ کلیم در مرثیۂ او ترکیب بندے گفتہ و تاریخ چنین یافتہ ؎ "دور از ان بلبل قدسی چمنم زندان شد" (۱۰۵۶)

(بہار بلاغت، ص ۹۹۰) [5] ترکیب بند اُسے کہتے ہیں کہ ایک غزل کے طور پر کچھ اشعار مع مطلع کے لکھ کر اس کے بعد ایک اور بیت مقفے یعنی ایک مطلع بطور گرہ کے لگائیں پھر دوسرے بند میں دوسری غزل بند اول ہی کے وزن پر مذکور کریں اور اس کے بعد بھی ایک اور مطلع سے گرہ لگائیں۔ ایسے ہی جتنے چاہیں بند لکھیں اور ہر بند کا مطلع یعنی گرہ مختلف لاتے جائیں کیونکہ اگر ایک ہی مطلع کی ہر گرہ میں تکرار ہوگی تو اس کو ترجیع بند کہیں گے۔" کلیم نے بھی ہر بند میں ۱۱ شعر نظم کئے ہیں۔ ہر بند کے اختتام پر بارھواں شعر مختلف ہے، اس حساب سے ۱۲×۹=۱۰۸ شعر کا ترکیب بند کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق: ۶۲ ب ..... پر ملتا ہے۔

ایک طویل مرثیہ لکھ کر حق دوستی ادا کیا اور یہ اس کا واحد مرثیہ ہے ورنہ عموماً اس نے تاریخ وفات قطعات میں نکالی ہے
۱۰۸ اشعر کا طویل مرثیہ لکھنے سے قدسی کے ساتھ کلیم کی گہری محبت کا ثبوت ملتا ہے ؎

شعر موزوں نتواں کرد کہ از نظم فتاد | کشورِ معنی از رفتنِ سلطانِ سخن
بوی گلزار تقدس بہ دماغش چو رسید | بلبلِ قدسی ازیں گلشنِ دلگیر پرید
جان معنی بہ تنِ شعر از و می آید | زآسمان نامش ازاں روی محمدجاں شد
بچمن گریہ کناں رفتہ زگل پرسیدم | بچہ تاریخ برون قدسی ازیں قباں شد
گُل زشبنم ہمہ تن اشکِ مصیبت شد و گفت | "دور ازاں بلبلِ قدسی چمنم زنداں شد" ۱۰۵۶ء

شہنشاہ اکبر و جہانگیر کے عہد سے کابل، بلخ، اور ہندوستان کے درمیان متنازعہ فیہ تھا اور شاہجہان کے عہد میں ۱۰۴۸ء سے نذر محمد خان اس پر مسلسل حملے کر رہا تھا اور ہر مرتبہ شکست کھا کر خاموش ہو جاتا تھا شہنشاہ نے آخر کار شہزادہ اورنگ زیب کو اس مہم پر روانہ کیا اور خاطر خواہ مدد دی چنانچہ ۱۰۵۶ء میں بلخ فتح ہوا۔ اس عظیم الشان خوشی کے موقع پر کلیم نے ایک قطعہ میں تاریخ کہی اور صلہ سے سرفراز ہوا۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں ؎

این مژدہ فتحی کہ شہنشاہِ جہاں گرد | کرد ست زشادی فرح آباد جہان را
آورد زمیخانۂ کابل مئی و پیمود | قاصد زرہِ گوش بمار طلِ گران را
این بلخ و بدخشان زفلک ماحضری بود | مہمانیِ اقبالِ شہنشہ جہان را
جاگیر گرفتی بدل بلخ و بدخشان | ملکی کہ بہ توران ندہد یک رہ آن را
"ایزد دو جہان داد بادو بلخ چہ باشد" ۱۰۵۶ء | تاریخ بود فتحِ شہنشاہِ جہاں را[1]

نذر محمد خان والئ بلخ نے معافی چاہی اور شہنشاہِ خطابخش نے ۱۰۵۷ء میں بلخ پھر اُسی کو واپس کر دیا۔
صاحب عمل صالح نے اس واقعہ کو اس طرح صفحۂ قرطاس پر قلمبند کیا ہے۔

"ازکمال عنایت و مہربانی و پایہ شناسی و مرتبہ دانی باز (بلخ) بہ نذر محمد خان مرحمت فرمایند"۔[2]

مگر بانکی پور کیٹلاگ میں ۱۰۵۷ء والے قطعہ کو تسخیر بلخ سے منسوب کیا گیا ہے[3]۔ لیکن معاصر تاریخ عمل صالح وقایع ۱۰۵۷ء اور قطعہ کے اشعار سے اس بیان کی تردید ہوتی ہے لہذا یہ دونوں سنین اور تاریخی شواہد کو سامنے رکھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۱۰۵۶ء تاریخ فتح بلخ ہے اور ۱۰۵۷ء والئ بلخ کو بلخ واپس کرنے کی تاریخ۔ ۱۰۵۷ء میں تحریر ہونے والے مذکورہ قطعہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

---

[1] کلیات کلیم نسخہ ب، ورق: ۳۶ ب
[2] عمل صالح، جلد سوم، ص: ۴
[3] Catal. Bankipore Lib. per. Mss., vol VII. P. 97.

شکرِ خدائے را کہ یک توجۂ اقبال — زد دو گل فتح تازہ بر سر دوران

ہمچو خدنگی کہ بگذرد ز دو نخچیر — گشت بیکدفع فتح بلخ و بدخشان

از پئے تاریخ فتح قلعۂ الاسلام — برد چو غواص فکر سر بہ گریبان

رایتِ والیِ ملک پست شد و گفت — "بلخ مبارک بود بہ سایۂ یزدان" ۱۰۵۶ھ[1]

۱۰۵۶ء میں بلخ کی جنگ جاری تھی اور فتح کے لیئے بہت تاخیر ہو رہی تھی اس وقت موقع کی نزاکت کا اندازہ کر کے شاہجہان نے شہزادہ مرادبخش کو مزید فوج دیکر تسخیرِ بلخ کی مہم پر روانہ ہونے کا حکم صادر فرمایا مگر اسی اثنا میں فتح کی اطلاع آگئی اور شہزادہ کو ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اس کے بعد ۱۱ رجمادی الآخر ۱۰۵۷ھ شہزادہ مراد حکمِ شاہی سے عازمِ کشمیر ہوا۔[2] "مقدم شہزادہ مراد کی مسرت میں کلیم نے درج ذیل دو قطعے لکھے ہیں، جن سے تاریخ و رود نکلتی ہے ؎

ہزار شکر کہ ایزد بروی اقلیمی — زیک عطیہ در صد ہزار کام کشاد

شد ابرِ رحمت بر فرقِ ملک سایہ فگن — زگردِ موکبِ اقبال شاہزادہ مراد

زہی کریم کہ فیضِ مراد بخشیِ او — بہ ہر کہ بود دلی جمع داد و خاطر شاد

زعقل جستم تاریخ مقدمش گفتا — "دمید از افقِ مطلب آفتابِ مراد" ۱۰۵۷ھ[3]

قصیدہ دیگر سے ۳ شعر نقل کیے جاتے ہیں۔

ساکنانِ گلشنِ کشمیر را از لطفِ حق — طرفہ فیضی از سمائے آسمان نازل شدہ

سایۂ شہزادہ والا گہر سلطان مراد — ہمچو فیضِ ابرِ رحمت بر ہمہ شامل شدہ

۱۰۵۷ھ "دیدہ باید سرمہ از گردِ ہمایوں موکبش" — بہرِ تاریخِ قدومش ز آسمان نازل شدہ[4]

۱۰۵۷ء میں شاہجہاں آباد کی تعمیر کا آغاز ہوا۔ کلیم نے اس کی ہر عمارت کی تکمیل پر ایک ایک مثنوی لکھی ہے[5]۔ اور ایک مثنوی ایسی بھی دستیاب ہوئی ہے جس میں شاہجہاں آباد کی کُل عمارات کا ذکر ہے اس لیئے آخرالذکر مثنوی کے چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں ؎

زہی قصرِ والای گردون اساس — زمیں گشتہ از سایہ اش روشناس

۱؎ کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق: ۸۲ ب

۲؎ عملِ صالح جلد سوم، ص ۲۰

۳؎ " " " : ۸۴ ب

۴؎ کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق ۸۶ ب

۵؎ عملِ صالح، جلد سوم، ص: ۳۲ تا ۵۵ ۔۔۔ "لہذا کلیم طرد معنی طالبا دریں مقام کہ بالخر اندیشہ نمود پیشہ است چندان ایستادگی کہ درخور ایں مقام باشد بجانیاوردہ آں جا کہ می گوید"

دریں آستانِ سلاطین پناہ | دہد ہر کرا بخت و اقبال راہ
چو کعبہ شہنشاہِ صاحب قران | زہر نا ملایم بود در امان
سوی درگہش روی امید باد | رسا فیض عامش چو خورشید باد[1]

حکیم صدرا مسیح الزمان[2] شیرازی جو عہدِ شاہجہانی کی ابتدا سے طبیب شاہی تھے۔ ۱۰۶۰ھ میں رحلت کر گئے[3] تو کلیم نے ان کی تاریخ وفات پر حسبِ ذیل قطعہ سپردِ قلم کیا جو مرحوم اور کلیم کے قریبی تعلقات کا مظہر ہے اور اس مصرعہ سے تاریخ برآمد ہوتی ہے ؎ "طبیبِ دردِ دلہا از میان رفت"[4] ۱۰۶۰ھ

وفات

۱۰۶۰ھ کلیم کے قطعاتِ تاریخی کا آخری سنہ ہے۔ تاریخ و مہینہ باوجود تلاش کے نہ مل سکا جس کے اندراج سے سنہ کی توثیق کی جا سکے۔ اگر اس سنہ کے بعد بھی کلیم بقیدِ حیات ہوتا تو کسی نہ کسی موقع پر ضرور طبع آزمائی کرتا اور تاریخ نکالتا جس طرح اس کی حیات کے دیگر مسائل یعنی تاریخ پیدائش، آمدِ ہند وغیرہ پر بھی اختلاف تھا اسی طرح تاریخ وفات میں بھی ہوتا ہے۔ کلیم کی معاصر تاریخیں "پادشاہ نامہ لاہوری" "پادشاہ نامہ قزوینی" "پادشاہ نامہ علاء الملک تونی" "پادشاہ نامہ ملا محمد وارث" اور "شاہجہان نامہ موسوم بہ عمل صالح کنبوہ" ہیں۔

۱۔ ان پانچ مورخین میں سے تین تاریخ وفات کے متعلق خاموش ہیں۔ محمد وارث تاریخِ وفات کلیم "۱۵ ذی الحجہ

---

[1] کلیاتِ کلیم، نسخہ ب، ورق: ۱۳۶ ب

[2] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول حصہ دوم، ص: ۳۴۷، ۴۸ —— "حکیم صدرا خلف حکیم فخر الدین شیرازی محمد است کہ شاہ طہماسپ والی ایران اورا بحکیم میرزا محمد موسوم گردانیدہ بود۔ در سنہ ہزار و یازدہ بہ ہندوستان آمدہ در سلک بندہای حضرت عرش آشیانی انسلاک یافتہ و بہ مسیح الزمان نامور بود۔ طبیعت موزون دارد و بالہی تخلص است۔"

[3] مآثر الامرا، جلد اول، ص: ۵۷۷، پر شاہنواز خان سے حکیم صدرا مسیح الزمان کی تاریخ وفات میں ایک سہو ہو گیا ہے۔ انہوں نے مرحوم کی تاریخ وفات ان الفاظ میں لکھی ہے "در سال بیست و چہارم ۱۰۶۱ھ ہزار و شصت و یک در کشمیر رخت ہستی ازیں جہاں بست"۔ جلوس شاہجہانی کا چوبیسواں سال ۱۰۶۰ھ ہوتا ہے اور سنہ و سال میں اس مطابقت کی تصدیق "مآثر الامرا" ہی کی جلد اول، ص: ۱۵۸ "حالاتِ آصفجاہ" سے ہوتی ہے۔ جس میں شاہنواز خان نے آصفجاہ کا سنہ وفات "سال پانزدہم سنہ ہزار و پنجاہ و یک" لکھا ہے لہٰذا اس حساب سے سال بیست و چہارم میں سنہ ۱۰۶۰ھ آتا ہے اور کلیم کے مرقومہ قطعۂ تاریخی سے بھی یہی سنہ نکلتا ہے ؎ "طبیبِ دردِ دلہا از میان رفت" (۱۰۶۰)

[4] کلیاتِ کلیم (نسخہ سالار جنگ میوزیم نمبر (۲۸)، ورق: ۱۹۱ الف



مزار میرزا ابو طالب کلیم همدانی
(بر کناره تالاب بال، سری نگر، کشمیر)

سنہ بیست وشش" لکھتے ہیں[1]۔ اور علاء الملک تونی بھی اسی تاریخ کے حامی ہیں۔ وہ کلیم اور اس کے معاصر شاعر میر یحیٰی کی تاریخ وفات ان الفاظ میں رقم کرتے ہیں۔

"طالب کلیم و میر یحیٰی، لمختی از احوال اینہا، برخی از اشعار در جلد اول و دوم" مرقوم قلم حقایق رقم گشتہ۔ نخستین، پانزدہم ذی الحجہ سنہ بیست وشش (از جلوس شاہجہان)، در کشمیر و دو یمین، یازدہم محرم سنہ بیست و ہفت (از جلوس شاہجہان)، در شاہجہان آباد بساط حیات در نوردید[2]"

۱۔ علاء الملک نے کلیم کا سنہ وفات "۱۵ ذی الحجہ سال بیست وشش" لکھا ہے جو ۱۰۶۲ھ سے مطابق اور میر یحیٰی کا سنہ وفات "یازدہم محرم سال بیست وہفت" جو ۱۰۶۳ھ سے مطابق ہوتا ہے ...... تمام تذکرہ نگار اس پر متفق ہیں کہ میر یحیٰی کی تاریخ وفات ۱۰۶۴ھ ہے اور اس کے ثبوت میں یہ مقطعہ تاریخی ؎ "احیا سخن چو کرد یحیٰی جان داد" ۱۰۶۴ھ۔ بھی پیش کرتے ہیں۔ لہٰذا علاء الملک کے بیان کی رو سے میر یحیٰی کے سنہ وفات میں ایک سال کی کمی اور کلیم کی تاریخ وفات میں ایک سال کی زیادتی ہو گئی ہے، چونکہ دیگر معلومات کی رو سے ایک ہی تاریخ میں نہیں دونوں میں بھی افراط و تفریط ہے۔ قطعیت کسی میں بھی نہیں، اس لئے یہ قابلِ قبول نہیں ہے۔

۲۔ علاء الملک تونی، وارث کے علاوہ ۱۰۶۲ھ کے حامی شیر علی خان لودی ہیں اور ان الفاظ میں کلیم کی وفات کا ذکر کرتے ہیں "وفاتِ اُو در سنہ الف واثنی وستین بودہ و مرقدش در یکے از دھات، لاہور واقع است[3]"

کیونکہ ۱۰۴۷ھ سے وہ نظم شاہنامہ کے سلسلہ میں کشمیر میں مقیم تھا اور دیگر معاصر کتب و تاریخ و تذکرہ سے اس کے دار السلطنت میں آنے کا ثبوت نہیں ملتا لہٰذا یہ امر مسلمہ ہے کہ کلیم نے کشمیر میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوا۔ ایسی صورت میں شیر علی خان کے اس بیان کی کثرت آراء سے صریحی تردید ہوتی ہے اور تحقیقات کے بعد بیان کا دوسرا حصہ بھی صحیح ثابت نہیں ہوتا ہے۔

۳۔ غنی کشمیری جو کلیم کا ہمعصر تھا اور متوطن کشمیر ہونے کے سبب کلیم کے آخری ایام حیات میں اس سے بہت قریب ہو چکا تھا۔ اس نے کلیم کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخی سپرد قلم کیا تھا جس سے ۱۰۶۱ھ نکلتا ہے چنانچہ توثیق کے لئے غنی کا پورا قطعہ یہاں درج کیا جاتا ہے ؎

حیف کز دیوار این گلشن پرید | طالب آں بلبلِ باغِ نعیم
اشکِ حسرت چوں نمی ریزد قلم | شد سخن از مردنِ طالب یتیم
عمرہا در یادِ او زیرِ زمین | خاک بر سر کرد قدسی و سلیم

---

[1] Catal. Bankipore Lib. Per. Mss, Vol III. P. 97

[2] پادشاہ نامہ علاء الملک تونی، ورق: ۱۸۱ الف

[3] مرآۃ الخیال، ص: ۱۴۲

رفت و آخر خامہ را از دست داد | بے عصا طے کرد ایں رہ را کلیم
ہر دم از شوقش دلِ اہلِ سخن | چوں زبانِ خامہ می گردد دو نیم
عاقبت از اشتیاقِ یک دگر | گشتہ اند ایں ہر سہ در یکجا مقیم
گفت تاریخِ وفاتِ اُو غنی، | "طور معنی بود روشن از کلیم"[1] ۱۰۶۱ھ

متوطن کشمیر و قربت کی وجہ سے غنی کی تحریر کردہ تاریخ بہ نسبت دیگر افراد کے بیان کے زیادہ مستند متصور ہو سکتی ہے۔

۴۔ علاوہ ازیں دو تین تذکروں کے سوا تمام تذکرہ نگار ۱۰۶۱ھ کے حامی ہیں[2]۔

لہٰذا داخلی اور خارجی شہادت کے مدنظر ہماری رائے میں کلیم کا صحیح سنہ وفات ۱۵ ذی الحجہ ۱۰۶۱ھ قرار پاتا ہے۔

کلیم کے اخلاق و عادات

ہر بڑی شخصیت پر تنقید کے لیے قلم اُٹھاتے وقت اس کے ماحول کا اندازہ لگانا ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کن حالات نے اُسے اتنا بڑا بنایا۔ کسی شخصیت کی عظمتوں کا اندازہ لگانے کے لیے ماحول کے علاوہ اس کے ذاتی و خاندانی حالات اور اس کے افکار و آثار کو مشعلِ راہ بنانا ضروری ہوتا ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ کلیم کے اسلاف کے متعلق تاریخ ادب فارسی بالکل خاموش ہے اور اس کے عہدِ طفلی و مابعد کی زندگی کے عام حالات کی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ اب صرف اس کے افکار اور چند تذکرہ نگاروں کے بیانات ہمارے سامنے ہیں، جن کی رہنمائی میں اس کے اخلاق و عادات وغیرہ کو قلمبند کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم نے گذشتہ صفحات میں لکھا ہے کہ کلیم نے آغازِ شباب ہی میں اپنے وطنِ ایران کو الوداع کہی اور روزگار کی الجھنوں میں پھنس کر شیراز سے ہندوستان چلا آیا۔ پردیس میں غربت کی صعوبتیں جھیلیں، اجنبیوں کو اپنانے کی سعی کی، نوعمری کے عالم میں کشمکشِ حیات کے اتنے کٹھن دور سے گذرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ غریب الوطنی کی محرومیوں نے آخر کار اسے مجبور کر دیا

دست و دل تنگ و جہان تنگ خدایا چکنم | من و یک حوصلۂ تنگ خدایا چکنم[3]

اس کے پاس ایک قطعہ ملتا ہے جس سے اس کا اظہار ہوتا ہے کہ ایک دفعہ وہ مقروض ہو گیا اور قرض کا بار جب ناقابلِ برداشت

---

[1] دیوانِ غنی، ص: ۱۳۴

[2] Encyclopaedia of Islam., Vol. II. P. 698.
"He (Kalim) died in Kashmir in 1062 (1652);

[3] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۵۴ ب THE DATE 1062 (1652) HAS LESS AUTHORITY: (بقیہ حاشیہ بر ص ۶۹)

ہو گیا تو ایک قطعہ تحریر کیا جس میں قرض کی دشواریوں کو گھبرا گھبرا کر قلمبند کیا ہے اور اختتام حسنِ طلب پر کیا ہے، مگر اس خوبی و بے ساختگی سے کہ "امان" دینے والے نے ضرور امان دے دی ہوگی ؎

کام بخشا! از ہجومِ قرض خواہاں می کشم ... آں پریشانی کہ زر از دستِ صاحب ہمتاں

من کہ چوں عیسیٰ مجرد گشتہ ام از مفلسی ... می گریزم از کفِ ایشاں کنوں بر آسماں

قافیہ گر شایگان افتاد عیب من مکن ... شایگاں بندم ہمی بر باد گنجِ شایگاں

مردمان گویند مفلس در امانِ حق بود ... سایۂ حق چو توئی زاں از تو می خواہم اماں[۱]

اسی کشمکشِ حیات نے کلیم کو عظمتِ کردار عطا کی تھی۔ جب وہ دکن میں سرفراز ہوا تو بڑے دلکش انداز میں اعترافِ احسان کیا ہے ؎

در دل بدل حبِ وطن مہر غریبی است ... خوش وقت کلیم اینکہ بہشتِ دکن افتد[۲]

کلیم کی ہندوستان سے محبت:۔

ایک طرف صفوی خاندان کی بے اعتنائی اور دوسری طرف شاہانِ ہند کی فیاضیاں، ایران کے اکثر صاحبِ فن اشخاص اور خصوصاً شعراء کو کشاں کشاں ہجومِ شوق لیے واردِ ہندوستان ہونے پر مجبور کر رہی تھیں۔ اس کا اعتراف صائب، سلیم، دانش، مشہدی نے اس طرح کیا ہے ؎

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۸)

مراۃ الخیال، ص: ۱۲۲ "وفاتش در سنہ الف و اثنی و ستین بودہ"

بہارستان سخن، ورق: ۳۱۵ و

"در سنہ یک ہزار و شصت و دو در خطۂ کشمیر وفات یافت" Flügel Catals

"Die Gedichtsammlung Vondem in J 1061 (1651) gestorbenen Talib Kalmius Hamdan."

خزانۂ عامرہ، ص: ۳۹۱ "پانزدہم ذی الحجہ سنہ احدی و ستین والف کلیم در آسایش کدۂ خاموشاں شتافت و در کشمیر قریب محمد قلی سلیم بہ بالینِ خواب گسترد ؎ گفت تاریخ وفاتِ او غنی: "طور معنی بود روشن از کلیم" ۱۰۶۱ ء"

دیوانِ غنی، ص: ۱۳۲ ... سنہ ۱۰۶۱ھ — مفتاح التواریخ، ص: ۲۵۸ ... ۱۰۶۲ھ

سرو آزاد، ص: ۷۷ ... سنہ ۱۰۶۱ھ — ریاض الشعراء، ص: ۴۱۹ ... سنہ ۱۰۶۱ھ

کلمات الشعراء سرخوش، ص: ۹۴ ... سنہ ۱۰۶۲ھ — ید بیضا، ص: ۲۰۶ ... سنہ ۱۰۶۱ھ

[۱] کلیاتِ کلیم، ورق: ۶۲ و ا ب — [۲] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۹۹ ب

ہمچو عزم سفر ہند کہ در ہر سر ہست	رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست[1] (صائب)

علی قلی سلیم یوں نطق ریز ہیں ؎

نیست در ایران زمین سامان تحصیلِ کمال	تا نیامد سوئے ہندوستاں حنہ رنگیں نشد

دانش مشہدی اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں ؎

راہ دورِ ہند پابست وطن دارد مرا	چوں خاشب درمیاں رفتن بہ ہندوستان خوش است

کلیم نے ہندوستان کو اپنایا اور دمِ آخر تک اسی سرزمین کو سراہتا رہا کبھی اس کی نوکِ خامہ پر حرفِ مخالفت نہ آیا بقول غالب ؎ وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے۔

چنانچہ کہتا ہے ؎

تواں بہشت دوم گفتمش بایں معنی	کہ ہر کہ رفت ازیں بوستاں پشیمانست[2]

اسیر کشورِ ہندم کہ از وفورِ سرور	گدا بدست گرفتست کاسۂ طنبور[3]
بہ ہر کجا فگنی چشم چوں حباب قدح	بغیر مایۂ عشرت نمی شود منظور

احساسِ تنہائی، شعورِ بیکسی اور محبتِ عزیز و اقارب، کلیم کو وطن لوٹنے پر مجبور کرتے ہیں اور وہ محبت کے اس دھارے کے بہاؤ میں بہتا ہوا ۱۰۲۸ء میں ایران مراجعت کرتا ہے، مگر شوقِ ہند "چشم حسرت" کو پیچھے مڑ مڑ کر دیکھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ وہ پشیمانی کا اظہار یُوں کرتا ہے ؎

اسیرِ ہندم و زیں رفتنِ بیجا پشیمانم	کجا خواہد رساندن پرفشانی مرغِ بسمل را
بایران می رود نالاں کلیم از شوق ہمراہاں	بپائے دیگراں ہمچو جرس طے کردہ منزل را[4]

کلیم کے معاصر مورخ محمد امین قزوینی "پادشاہ نامہ" میں اس کے اخلاق و عادات پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں "(کلیم) بغایت بے تعلق و مہذب الاخلاق و خوش صحبت است[5]"

صاحب کلمات الشعراء لکھتے ہیں۔

"میرزا محمد علی ماہر[6] نقل می کرد کہ عجیب مرد خلیق، خوش محاورہ بود، ہر کہ در صحبتش می رسید فیض یاب

---

[1] شعر العجم جلد سوم، ص ۱۰۰ — [2] " " " ص ۱۵۱

[3] کلیاتِ کلیم، ورق: ۹۱و — [4] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۲ الف

[5] پادشاہ نامہ قزوینی، ورق: ۴۷۶ ب

[6] میرزا محمد علی ماہر کلیم کے ہمعصر شاعر تھے۔ دونوں میں پُرخلوص دوستی تھی۔

می شد و محفوظ بر می خاست[۱]۔"

کلام اور تاریخ و تذکروں کی روشنی میں یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ کلیم متاہل نہ تھا اور نہ اس کے کوئی عزیز و اقارب ہندوستان میں مقیم تھے۔ عنایات شاہانہ سے وقتاً فوقتاً فیض یاب ہوتا رہتا تھا اور آخر ایام زندگی میں تو ۳۰ ہزار روپیہ سالانہ بھی مقرر ہو گیا تھا۔ اس لیے سرمایۂ حیات کو وہ یا تو اہل کمال و فقرا پر خرچ کر دیتا ہو گا یا پھر انتہائی مصرف واقع ہوا ہو گا۔ جس کی وجہ سے اس نے کوئی یادگار نہیں چھوڑی، نہ عمارات کا پتہ ملتا ہے نہ کسی سرمایہ کا نشان۔

کلیم کے تعلقات ہمعصروں کے ساتھ

کلیم اپنے معاصرین کے ساتھ محبت و رافت سے اور بزرگوں سے احترام و ادب سے پیش آتا تھا۔ کبھی کسی کی ہجو بھی نہیں کہی۔ اس کا کلام ان بدنما دھبوں سے بالکل پاک ہے۔ صائب کا شعر اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کلیم اپنے معاصر و حریف شعرا سے ہمیشہ پُر خلوص برتاؤ کرتا تھا ؎

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج و کلیم   دگر کہ زاہل سخن مہربان یک دگر اند

میرزا جلال اسیر (متوفی ۱۰۴۹ھ) کلیم کے ہمعصر ہی تھے مگر چونکہ کلیم ان کا تتبع کرتا تھا انہیں اپنا استاد مانتا تھا، اس لیے کہتا ہے ؎

میرزائے ما جلال الدین بس است   از سخن سنجان طلب گار سخن

راستی طبعش، استاد من است   گر نہم بر فرق دستار سخن

کلیم ہر ایک کے غم کا ساتھی اور خوشی میں شریک رہتا تھا۔ جب ملک قمی شاعر شہیر دربار ابراہیم عادل شاہ و معاصر کلیم نے وفات پائی تو اس کو بہت رنج ہوا اور اس نے تاریخ وفات اس شعر میں لکھی ؎

بجستم سال تاریخش ز ایام   بگفتا[۲] "او سر اہل سخن بود" ۱۰۲۵ھ

کلیم و قدسی دونوں درباری شاعر تھے اور دونوں نے حکم شاہی سے دو مثنویاں لکھیں۔ کلیم نے اپنی مثنوی میں قدسی کا ذکر احترام سے کیا ہے مگر قدسی نے ایک شعر بھی کلیم کے متعلق نہیں لکھا لیکن کلیم کے خلق و فراخدلی کا یہ عالم تھا کہ اس کے برتاؤ میں کسی قسم کا فرق نہ آیا اور جب قدسی نے ۱۰۵۶ھ میں انتقال کیا تو کلیم نے ۹ بند کا طویل مرثیہ لکھ کر حق دوستی ادا کیا۔ اس کے ہمعصر شاعر سلیم و قدسی سے اس کی محبت و رفاقت کا نقشہ غنی کشمیری کے درج ذیل اشعار میں ملتا ہے ؎

عمرہا در یاد او زیر زمیں   خاک بر سر کرد قدسی و سلیم

---

[۱] کلمات الشعرا، ص: ۷۴   [۲] ماثر الکرام، ص: ۷۹   [۳] باب دوم، مقالہ ہذا

عاقبت از اشتیاقِ یک دگر　　　گشتہ اند ایں ہر سہ در یک جا مقیم[1]

اچھے برے ہر زمانے میں ہوتے ہیں اور ان سے ہر شخص کو کبھی نہ کبھی سابقہ پڑتا ہی ہے۔ کلیم کے دوستوں میں بعض ایسے موقع پرست اور نازک مزاج لوگ بھی تھے، جن کا ذکر اس نے اپنے ان اشعار میں کیا ہے

دوستاں نازک مزاج و ما بسی نازک دماغ[2]　　　چوں کسی اوقات صرف پاس خاطر ہا کنند[3]

از دوستاں رسد ہمہ آفت بدوستاں　　　چشم صدف سفید ز آب گہر بود[4]

حافظ کی طرح کلیم بھی دشمنوں سے مدارا کا قایل ہے۔ اس کی عظمتِ کردار کا ثبوت مندرجہ ذیل شعر سے ملتا ہے

طریقِ زندگی با دوستاں ہنگ چساں باشد　　　تو ہر گاہ می گویند با دشمن مدارا کن[5]

کلیم غم روزگار سے ہر وقت الجھنے کا قایل نہ تھا، اس کے ضمیر میں نشاط کی سرمستیاں تھیں، لیکن تجرد، اس پر بڑھاپا، نہ کوئی پر خلوص ساتھی، نہ بے لوث خدمت گذار اولاد، آخر کار حالات نے اس کو غم ہستی کے خار زار تک پہنچا دیا اور کبھی کبھی اس کا ساز ناسوز میں۔ قہقہے، آہوں میں بدل گئے اور آہ نے ایک پائیدار کراہ کی صورت اختیار کر لی اور وہ چیخ اٹھا،

از وضع ناگوار جہاں طبیع ما کلیم　　　از بسکہ سیر شد غم فسر دائمی خوریم[6]

یاس کے گہرے بادل بعض اوقات انسان کو بے بس کر دیتے ہیں۔ کلیم بھی انسان ہی تھا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا

میانِ غمگساراں سوزم از غم　　　چوں آں کشتی کہ در دریا بسوزد[7]

کلیم کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قانع تھا اور زمانہ کے نشیب و فراز اسے ہر وقت متاثر نہیں کر سکتے تھے کبھی کبھی نازک لمحات ہی میں اس کے پائے استقلال کو لغزش ہوتی تھی ورنہ ہمیشہ اس کا قلم پورے عزم کیساتھ صفحۂ قرطاس پر مندرجہ ذیل اشعار رقم کرنے لگتا

از بد و نیک جہاں خرم و غمگین نشوم　　　خار تا زانو و گل تا بہ گریباں آید[8]

کسی گذاشت پس از مرگ نام نیک بدہر　　　کہ قیمت کفن و مزدِ نوحہ گر نہ گذاشت[9]

بقا دولت دنیا ز شمع روشن شد　　　کہ تاج زر بسرش دہر تا سحر نگذاشت[10]

---

[1] دیوانِ غنی، ص: ۱۳۴　[2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۴۲ ب　[3] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۰۴ ۱
[4] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۸۴ ۱　[5] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۲۰ ب　[6] ،، ،، : ۱۹۵ ب
[7] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۵۵ ب　[8] ،، ،، : ۲۴۱ ب

انسان خطا و نسیان سے مرکب ہے۔ ہر بڑے سے بڑے آدمی میں ایک نہ ایک کمزوری ضرور ہوتی ہے کلیم کا بھی ایک عام شخص کی سی عادتوں کا حامل ہونا بعید از فہم نہ تھا چنانچہ اس میں مذہبی تعصب بہت زیادہ تھا[۱] اور یہ خاصہ اہلِ کاشان بھی تھا "مردم انجا شیعہ اثنی عشری اند و بغایت متعصب"۔ منقبت حضرت علیؓ میں ایک قصیدہ دستیاب ہوا ہے جس کے چند اشعار سے یہ کمزوری جھلک رہی ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان کے ماحول نے اسے فراخ دل بنا دیا تھا کیونکہ اس قصیدہ میں شیخین پہ تبرا نہیں ہے جس سے اُس کے خیالات معلوم ہوتے ہیں کہ اُسے دوسروں کے جذبات کا احترام کرنا بھی آتا تھا۔

جز علیؓ ہر کس ندارد در رہِ دیں رہنما	راہرو کور یست و آں رہبر جمادی چوں عصا
دیگرے را جز علیؓ گفتن امیر المومنین	آں چناں باشد کہ کس گوسالہ را گوید خدا
پیشِ سُنیاں بہم چشمی کجا باشد حساب	گر سگی روباہ بازی کرد با شیر خدا
پیش بے باکی کہ قرآں سوختن جائز بود	سہل باشد آتش انگندن بدینِ مصطفےٰ[۲]

ہر شخص میں کچھ نہ کچھ نقائص اور کمزوریاں ہوتی ہی ہیں ورنہ انسان و فرشتہ میں فرق ہی کیا ہوتا اور فرشتوں کی سی معصومیت کے ساتھ اس کرۂ ارض پر رہا بھی تو نہیں جا سکتا۔ مذکورہ بالا تفصیلات اس امر کی شاہد ہیں کہ مجموعی طور پر کلیم ایک مہذب الاخلاق، متقی کردار اور غنی طبیعت کا مالک تھا جس کی تعریف میں نہ صرف دوست بلکہ حریف بھی رطب اللسان تھے۔

حیاتِ کلیم کی تفصیلات تشنہ رہ جائیں گی اگر ہم اس کے قلم کی اس خصوصیت کو اجاگر نہ کریں جس سے قطعات تاریخی، مرصع قصیدے اور مثنویاں تراوش ہوتی تھیں اور جن کے صلہ میں "شاہِ ملک بخش" نے کلیم کو بے دریغ نوازا تھا۔ ان کی تفصیل بلحاظ سنہ درج کی جاتی ہے۔

۱۔	۱۰۳۷ھ (رباعی)	"تعمیر پیش جھروکۂ شاہی"	صلۂ شایستہ سے سرفراز ہوا
۲۔	۱۰۳۸ھ (رباعی)	"نذر فیل سفید بہ بادشاہجہان"	"
۳۔	۱۰۴۰ھ (رباعی)	"بر قتل خان جہان لودی"	"
۴۔	۱۰۴۳ھ (رباعی)	"بر شکار آہو"	"
۵۔	۱۰۴۴ھ (قصیدہ)	"جشن تخت طاؤس"	زر میں تُلوایا گیا اور پانچ ہزار پانسو روپیہ ملا
۶۔	۱۰۴۷ھ (قصیدہ)	"جشن وزن"	ہزار روپیہ
۷۔	۱۰۵۵ھ (قصیدہ)	"مقدم شاہ در کشمیر"	۲۰۰ مہر

---

[۱] جغرافیہ خلافت مشرقی، ص: ۲۷۶ ؛ نزہتہ القلوب، مقالہ ثالث، ص: ۷۱ [۲] کلیاتِ کلیم، ورق ۱۲۱ ب

۸۔ ۱۰۵۵ھ (قصیدہ)	"مراجعت شاہ از کشمیر"	۲۰۰ مہر
۹۔ نامعلوم (قصیدہ)	"قیصرِ روم کے جواب کے لیے کلیم نے قصیدہ لکھا زر میں تلوایا گیا۔	زر میں تلوایا گیا اور انداز اً پانچ ہزار پانسو روپیہ ملا۔
۱۰۔ ۱۰۴۸ تا ۱۰۶۱		۳۰ ہزار سالیانہ

۲ ہزار ۰۰۰ ۴۶ لاکھ = ۱۱۰۰+۱۰۰۰+۴۵۰۰۰ = ۳۰۰۰×۱۵

ان قدردانیوں کی تفصیلات ہمارے ذہن کو کلیم کی اس بے نوائی کی طرف منعطف کرتی ہیں جب وہ اور اختری یزدی دو ناتجربہ کار لڑکے، آرزوؤں کے محل تعمیر کرتے ہوئے شیراز سے بیجاپور کی طرف روانہ ہوئے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کا قلم ایران میں "سامانِ تحصیل کمال" کا باعث نہیں ہوگا۔ شوق کے غلبہ سے معمور دل یہ کہتا ہوا منزل کی طرف رواں دواں ہے ؎

نہ رہبر و نہ رفیق و نہ منزل است مرا براہِ شوق عنان بر عنان سیلابم

بیجاپور پہنچتا ہے۔ جب دلخواہ قدردانی نہیں ہوتی۔ ۱۰۲۰ء میں ممدوح نواب شاہنواز خان راہی عدم ہو جاتا ہے اور کلیم ۱۰۲۸ء میں ایران لوٹ جاتا ہے لیکن وہاں کسی قسم کی پذیرائی نہیں ہوتی ہے۔ تو پھر ہندوستان کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور آخر کار دربار شاہجہانی میں بار پا کر ملک الشعراء کے ممتاز عہدہ پر فائز ہوتا ہے شہرت و عزت قدم چومتی ہے، دولت فرشِ راہ ہوتی ہے۔ شاعری اپنی معراج پر پہنچتی ہے اور یہ عزت افزائی، رفعتیں اُسے اس لیے نصیب ہوئیں کہ وہ اہلِ قلم تھا۔ فنونِ لطیفہ میں شاعری کو جو درجہ حاصل ہے وہ کسی اور آرٹ کو حاصل نہیں، کیونکہ مصور کی نقاشی، بُت تراش کا مجسمہ، موسیقار کا نغمہ، رنگ و برش، تیشہ اور ساز کا محتاج ہے اور اس پر بھی امتدادِ زمانہ کے اثرات مُرتب ہوتے رہتے ہیں اور وہ لازوال نہیں ہو سکتا مگر شاعر کی زبان سے نکلے ہوئے اشعار اکثر اوقات قلم و قرطاس کے احسان اُٹھائے بغیر سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہتے ہیں اور رہتی دُنیا تک ان کے زبان زدِ خاص و عام ہونے کا یقین رہتا ہے۔ یہ شاہکار لافانی ہو سکتے ہیں۔ تاج محل، ایلورہ و ایجنٹہ کے غار، تان سین کا دیپک راگ، جاوداں ہونے کا کوئی تیقن نہیں دے سکتا۔ اسی لیے تاریخ شاہد ہے کہ شاہانِ سخن نواز نے کسی رقاصہ، کسی مصور، کسی سنگ تراش کو زر میں نہیں تلوایا، لیکن شاعر ہر وقت نواز اگیا ہے۔

کلیم کی زندگی میں بہت سے ایسے مواقع آئے جب کہ اُس نے اپنی شاعری کے جوہر دکھائے لیکن تاریخوں میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ اُسے ہر وقت معاوضہ ملا۔ اس کے باوجود کلیم کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ عہدِ شاہجہانی میں دو مرتبہ زر میں تلوایا گیا اور ۴۶ لاکھ ۲۰۰۰ ہزار روپیہ، ۴۰۰ مہر اور متعدد خلعتوں سے سرفراز کیا گیا اور اس کے معاصرین میں بہت کم شعراء کو یہ اعزاز نصیب ہوا تھا کہ انہیں ان کی محنتوں کا پورا ثمر حاصل ہوا ہو۔

باب دوم

ابوطالب کلیم کے معاصر شعراء

معاصرین شمالی ہند

ابوطالب کلیم ملک الشعرائے دربار شاہجہانی کے یوں تو بہت سے معاصرین تھے لیکن ان میں سے چند ہی سے اس کا قریبی ربط و تعلق تھا۔

۱۔ امرأ و وزرأ سے اس کے انسلاک و تعلقِ خاطر کا ذکر بابِ اول میں ہو چکا ہے۔

۲۔ یہاں ہم صرف اُن شعراء کا ذکر کریں گے جن کا تعلق کلیم سے متعین طور پر معلوم ہوتا ہے اور ان شعراء کے صرف اتنے ہی حالات قلمبند کیے جائیں گے جن کا بیان ناگزیر ہے۔ تفصیل کے لیے قارئین متداولہ تذکروں سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

میر معصوم (متوفی ۱۰۵۳ھ)

میر معصوم (شاعرِ بزرگ عہد عادلشاہی) کے بھائی میر سنجر کاشی بھی کلیم کے ہمعصر تھے۔ صائب کے اشعار اس امر کے شاہد ہیں کہ وہ صائب اور کلیم کے مخلص دوست تھے لیکن کلیم کے کلام میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔

میر معصوم ابتداء میں کئی سال تک حسن خان حاکم ہرات کی سلک مداحان میں منسلک رہے اس کے بعد عہد شاہجہانی میں ہندوستان آکر اعظم خان ناظم بنگالہ کے زیرِ سرپرستی زندگی کے دن پورے کئے۔ میرزا محمد علی ماہر نے تاریخِ وفات اس مصرعہ میں کہی ہے۔[۱]

"معصوم نزد حیدر و سنجر قدم نہاد" (۱۰۵۳)

---

[۱] ماثر الکرام، ص: ۸۲

قدسی (متوفی ۱۰۵۶)

محمد جان قدسی اہالیانِ مشہد سے تھا۔ شاہجہان کے تخت نشین ہونے کے ۴ سال بعد یعنی ۱۰۴۱ء میں ہندوستان آیا اور شاہجہان کے دربار میں حاضر ہونے کا شرف حاصل کیا۔ روزِ اول ہی ایک قصیدہ حضورِ شاہ میں گزرانا جس پر شاہ نے خلعت اور دو ہزار روپیہ انعام عطا کیا۔[1] اس قصیدہ کے چند اشعار درج ذیل ہیں ؎

اے قلم برخود ببال از شادی وبکشا زبان | در ثنائے قبلۂ دین ثانیٔ صاحبقران

جوہرِ اوّل شہاب الدین محمد کز ازل | از برائے خدمتش زد چرخ دامن بر میان

شہرتِ آثارِ عدلش زود برخواہد گرفت | تہمتِ زنجیرِ عدل از گردنِ نوشیروان

۱۰۴۴ء میں شہنشاہ شاہجہاں نے تختِ طاؤس تیار کروایا تو اس نادر روزگار تخت کے لیے قدسی نے ایک مثنوی پرزور قلم کی جس کو حکم شاہی سے مینائے سبز میں تخت کے اطراف منقش کیا گیا۔[2] جس کا مطلع درج کیا جاتا ہے ؎

زہی فرخندہ تختِ پادشاہی | کہ شد سامان بتاید الٰہی[2]

اس موقع پر کلیم نے بھی ایک قصیدہ نظم کیا جس کے صلہ میں شہنشاہِ سخن نواز نے اُسے زر میں تلوایا۔[3]

۱۰۴۵ء کے جشنِ نوروز میں "وزن مبارک" کے موقع پر قدسی نے ایک قصیدۂ غرّا حضورِ شاہ میں پیش کیا اور اس کے صلہ میں قدردانی شاہانہ سے زر میں تلوایا گیا۔[4] جس کی رقم پانچہزار پانسو ہوئی۔ صاحب عمل صالح کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"شانزدہ (شوال) حاجی محمد جان قدسی را در جلدوی قصیدۂ کہ بمدح پادشاہ فلک پایگاہ محلی ساختہ بود بزر کشیدہ مبلغ وزن را کہ پنج ہزار و پانصد روپیہ شد باو مرحمت گردید۔"[5]

اور ۱۰۴۴ء میں جب کلیم تولا گیا تھا تو اس کے ہموزن بھی اتنی ہی رقم ہوئی تھی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قدسی و کلیم نہ صرف ہمعصر تھے بلکہ اتفاق کی بات ہے کہ ہموزن بھی تھے۔

۱۔ عمل صالح جلد اول، ص: ۵۰۸

۲۔ " ، جلد دوم، ص: ۸۸؛ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۸۰

۳۔ " " ، ص: ۸۸

۴۔ پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۱۴۲

۵۔ عمل صالح جلد دوم، ص:

دوسرے شعراء کے ہمراہ قدسی بھی کشمیر چلا گیا اور وہاں ہر موقع پر قصاید وغیرہ قلمبند کرتا رہا۔ اسی زمانے میں حکم شاہی صادر ہوا کہ شعرائے پایۂ تخت حکمرانِ مغلیہ کے باعظمت و جلال کارناموں کو منظوم تاریخ کی شکل میں قلمبند کریں۔ کلیم و قدسی نے تعمیلِ حکم کی اور دو مثنویاں نظم کیں۔ قدسی نے اپنی مثنوی شروع تو کی لیکن اس کو پایۂ تکمیل کو پہنچا نہ سکا اور کلیم اپنے فرض سے پوری طرح عہدہ برآ ہوا۔ قدسی کی مثنوی آج "ظفرنامہ شاہجہانی" کے نام سے یاد کی جاتی ہے اور کلیم کی مثنوی "شاہنامہ" کے نام سے معروف ہے۔

قدسی نے ۱۰۵۶ء میں اس جہانِ فانی سے کوچ کیا تو کلیم نے اس سانحۂ عظیم سے متاثر ہو کر ۹ بند کا ایک طویل مرثیہ لکھا[۲] جس کا مطلع درج ذیل ہے ؎

رفت در موسمِ گل رونقِ بستانِ سخن   چوں نالم کہ خزاں کرد گلستانِ سخن

سلیم (متوفی ۱۰۵۷)

میرزا محمد قلی نام سلیم تخلص کرتا تھا۔ ابتداء میں میرزا عبد اللہ وزیر لاہیجان کی مداحی کرتا رہا۔ وہاں سے ہندوستان آیا۔ لاہیجان کی تعریف میں جو مثنوی لکھی تھی اس کا عنوان بدل کر "در تعریف کشمیر" کر دیا۔[۱] فہرست کتب خانہ

---

۱ Catal. Bankipore. Per. MSS, Vol. III, P. 97

۲ کلیاتِ کلیم نسخہ ب، ورق: ۶۴ ؛ سرو آزاد، ص ۶۲

کلیم در مرثیہ او ترکیب بندے گفتہ و تاریخ چنین یافتہ ؎

دور از آن بلبل قدسی چمنم زندان شد (۱۰۵۶)

[۱] Catal. Bankipore Lib. per. MSS., Vol. III. P. 88

"Salim's biographers relate that when the poet tried to get access to the Imperial Court with a Masnawi in praise of Kashmir, his contemporary Kalim, who was then a favourite poet of the Imperial throne, maliciously

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۹)

بانکی پور میں لکھا ہے کہ

"کلیم نے توجہ شاہانہ کو اس مثنوی کی طرف مبذول کرایا - بنابریں سلیم عنایت شاہانہ سے محروم رہا۔"

مذکورہ بالا واقعہ کا ذکر اس نہج و انداز میں کہیں اور نہیں ہے، ممکن ہے کہ کلیم نے حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہو کیونکہ حالات بتاتے ہیں کہ سلیم کے بار پانے سے کلیم کے مرتبہ کو کوئی دھکا نہیں پہنچ سکتا تھا - کیونکہ کلیم تو ۱۰۴۲ھ سے قبل ہی ملک الشعراء بن چکا تھا[1]

دوسرے یہ کہ غنی کشمیری نے وفات کلیم پر جو قطعہ لکھا ہے اس کو پڑھ کر یہ امر اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ قدسی کلیم و سلیم میں بے حد محبت و یگانگی تھی - غنی کا کہا ہوا مستند اور قابل قبول بھی ہے کیونکہ غنی کشمیری ہمعصر تھا - اگر یہ بیان صحیح ہوتا تو اس کا اثر یقیناً رہتا اور کلیم و سلیم میں اتنے مراسم نہ رہتے جتنے کہ غنی کے بیان سے ظاہر ہوتے ہیں، اس لئے فہرست نگار بانکی پور کے اس بیان کی تردید معاصر شاعر کے اشعار اور حالات سے خود ہوتی ہے۔

سلیم نے ہندوستان میں اسلام خان[2] ناظم بنگالہ کی ندیمی اختیار کی اور ہمیشہ اس کے ہم رکاب رہا - اتفاق کی بات ہے کہ ۱۰۵۷ھ میں اسلام خان نے انتقال کیا اور اسی سال سلیم نے بھی کشمیر میں وفات پائی اور تخت سلیمان کے پاس مدفون ہوا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۷۸)

brought to the notice of the Emperor that the masnawi brought by Salim for the perusal of the Emperor was originally composed by him in praise of Lâhijan, and subsequently he changed the heading of Masnawi into " در تعریف کشمیر " in praise of Kashmir. This made a very bad impression securing the royal favour."

۱- عمل صالح، جلد سوم، ص : ۴۰۲

۲- گل رعنا، ص : ۲۱۸

"میر عبدالسلام مشہدی کہ اکنوں مخاطب باسلام خان وزیر ہندوستان است، مترسب آن درگاہ بخشی سپاہ ظفر پناہ بود۔"

ظفر خان احسن (متوفی ۱۰۷۳ھ)

میرزا احسن اللہ ظفر خان، خواجہ ابوالحسن تربتی کا لڑکا تھا۔ اعلیٰ تربیت نے ذوقِ شعری کو اور بھی مجلا کر دیا تھا مگر صاحبِ سیف ہونے کی وجہ سے صفحۂ قرطاس پر اپنے ذوق کے نقوش چھوڑنے کا موقع کم ملتا تھا۔ اس لیے وہ ایک سپہ سالار تو بن گیا لیکن ہجومِ مصروفیات نے اُسے ضخیم دیوان کا مالک نہ بننے دیا۔ پھر بھی صائب کے سے باعظمت شاعر سے قریبی ربط ہونے کی وجہ سے تاریخ ادبیاتِ فارسی کے صفحات ہمیشہ ظفر خان کے نام سے مزین رہیں گے۔

۱۰۳۳ھ میں اُسے کابل پر بحیثیت صوبہ دار مامور کیا گیا اور اس کی سپاہیانہ زندگی کا باضابطہ آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ ۱۰۴۲ھ میں کشمیر اس کے سپرد ہوا اور بہت دنوں یہاں مقیم رہا۔ چونکہ دربارِ شاہجہانی کے بہت سے شعراء شاہجہان کے ساتھ یہاں آکر قیام پذیر ہو گئے تھے اور کارنامہ ہائے شاہانِ مغلیہ کو نظم کرنے میں مصروف تھے اس لیے ظفر خان کو بھی اپنے ذوقِ شعری کے پورا کرنے کا بہترین موقع مل گیا۔ کلیم نے ایک "ساقی نامہ" بصورتِ ترجیع بند ظفر خان کے حکم سے نظم کیا تھا جو ۷ بند پر مشتمل ہے اور اس کے ایک شعر سے ظفر خان کا حوالہ ملتا ہے ؎

ہر چند غزل گوئی و مستی فنِ ما نیست — چوں طرح غزل کرد ظفر خاں چہ تواں کرد[1]

کلیم کی ایک غزل ملتی ہے، جس کے ایک شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کشمیر میں "طرحیہ مشاعرے" اور بزمِ شاعری کی "جمعیت" ظفر خان ہی کے دم سے تھی۔ غزل درج ذیل ہے ؎

شکوۂ دردِ ترا کے پیشِ درباں می کنم — تشنہ می میریم و شکر آبِ حیواں می کنم
بے تو تاریکست کشمیر اے چراغِ دیدہ ہا — ما سیہ روزیم در شب سیرِ بستاں میکنیم
گل اگر تا سینہ در کشمیر می آید چہ سود — ما کہ گل از اشکِ خونیں در گریباں میکنیم
ماجرائے دیدہ می گوییم پیشِ سیلِ اشک — اہلی بین شکوۂ کشتی بہ طوفاں میکنیم
از ظفر خان بود آں جمعیت و طرحِ غزل — با کہ دیگر زلفِ معنی را پریشاں میکنیم
تا تو رفتی دل بفکرِ خویشتن افتادہ است — سر چو می بازیم آنکہ فکرِ ساماں میکنیم
بادۂ کشمیر از بزمِ تو صاحب نشہ بود — بے تو ما خاطر نشانِ مے پرستاں میکنیم
داغ می ماند کلیم از لالہ زار از دست رفت — ہر چہ دشوار است ما بر خویش آساں میکنیم[2]

صائب اور ظفر خان کے تعلقات کی تفصیلات نیچے درج ہیں۔

آخر عمر میں ظفر خان دار السلطنت لاہور میں فروکش ہو گیا تھا اور ۱۰۷۳ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔

---

[1] کلیات کلیم ورق ۱۵۵ ا
[2] کلیات کلیم ورق ۲۵۹ ا و ب

غنی کشمیری متوفی ۱۰۷۹ھ

مُلا محمد طاہر غنی اہالیان کشمیر سے تھا۔ غلام علی آزاد لکھتے ہیں کہ وہ مُلا محمد محسن فانی کا شاگرد تھا[1]۔ غنی کشمیری ظفر خان کی صُوبیداری کے زمانے میں اُفقِ شاعری پر طلُوع ہوا۔ اور بہت شہرت حاصل کی۔ نواب وحید الزماں طاہر وحید کی مداحی بھی کی۔ وہ کلیم، صائب اور قدسی کا ہمعصر تھا۔ اُس نے کلیم کی وفات پر ایک قطعہ تاریخی لکھا ہے[2]

صائب نے اس کی غزل پر تضمین کی ہے ؎

ایں جوابِ آں غزل صائب کہ می گوید غنی ۔۔۔ یاد ایامی کہ دیگِ شوقِ ما سرپوش داشت

غنی نے نہ صرف فارسی زبان پر عبور رکھنے کی وجہ سے شہرت حاصل کی بلکہ ایک اچھے شاعر کی حیثیت سے اس کا نام جریدۂ ادب پر ثبت ہے۔

محمد علی ماہر نے اس کے دیوان کو مدوّن کیا تھا جو طبع ہو چکا ہے۔ ۱۰۷۹ میں غنی نے اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا۔

صائب متوفی ۱۰۸۰ھ

فخرِ غزل گویانِ شعرائے متاخرین میرزا محمد علی صائب تبریزی کی ولادت تبریز میں اور نشو و نما اصفہان میں ہوئی۔ آغازِ شباب میں حرمین کا سفر کیا۔ شاعری کی تربیت حکیم رکنا کاشی اور حکیم شفائی سے حاصل کی۔ ہندوستان کی فیاضیاں اس کو ہندوستان کھینچ لائیں۔ چنانچہ کہتا ہے ؎

ہمچو عزمِ سفرِ ہند کہ در ہر دل ہست ۔۔۔ رقصِ سودائی تو در ہیچ سری نیست کہ نیست

شاعری کو ذریعہ معاش بنانے میں صائب اس فن کی عظمتوں کی توہین سمجھتے تھے، اس لئے تجارت کے سلسلہ میں دہلی آئے۔ دربارِ شاہجہان میں باریاب ہو کر مستعد خان کے خطاب سے سرفراز ہوئے۔ یہیں ظفر خان صوبہ دار دکن و کشمیر سے ملاقات ہوئی تعلقات اس حد تک بڑھے کہ آج تک صائب و ظفر خان دو قالب ایک رُوح کی طرح مشہور ہیں۔

تھوڑے دنوں بعد صائب اپنے ضعیف باپ کے اصرار پر وطن واپس چلے گئے۔ ممدوح سے جس عجز و نیاز سے رخصت مانگی ہے، اس کی ایک جھلک اِن اشعار میں ہے ؎

---

[1] ماثر الکرام، ص: ۱۰۳ — [2] دیوانِ غنی، ص: ۱۳۴

شش سال بیش رفت کہ از اصفہان بہ ہند
افتادہ است توسنِ عزم مرا گذار

آوردہ است جذبہ گستاخ شوقِ من
از اصفہان باگرہ و لاہورش اشکبار

ہفتاد سالہ والدِ پیر ست بندہ را
کز تربیت بود بمنش حق بے شمار

دارم امید رخصتی از آستانِ تو
اے استانت کعبۂ امید روزگار

مقصود او ز آمدنش بُردنِ منت
لب را بحرفِ رخصتِ من کُن گہر نثار

باجبہہ کشادہ تر از آفتابِ صبح
دست دعا بدرقہ راہِ من برآر

صائب نے کلیم کا ذکر بڑے خلوص سے اپنی غزل میں کیا ہے جس کے چند اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں ؎

خوش آں گروہ کہ مست بیانِ یک دگرند
ز جوشِ فکر مئی ارغوانِ یک دگرند

نمی زنند بہ سنگِ شکست گوہر ہم
پے رواجِ متاعِ دکانِ یک دگرند

زنند بر سر ہم گُل ز مصرعِ رنگین
ز فکرِ تازہ گُلِ بوستانِ یک دگرند

سخن تراش چو گردند تیغ الماس اند
زند چو طبع بہ کندی فسانِ یک دگرند

بغیر صائب و معصوم نکتہ سنج و کلیم
دگر کہ ز اہلِ سخن مہربانِ یک دگرند

ہندوستان سے واپس جانے کے بعد سلاطینِ صفویہ نے بھی صائب کی قدر و منزلت کی۔ آخر کار انہوں نے اصفہان میں ۱۰۸۰ء میں انتقال کیا اور وہیں دفن ہوئے۔

شیدا

فتح پور اکبر آباد میں شیدا کی ولادت ہوئی اور وہ دربارِ شاہجہانی سے فیض یاب ہوا۔ شیدا کے کُلیات میں یُوں تو بہت سے قصائد، غزلیات و رباعیات ہیں لیکن جن سے کلیم کے کلام کا مقابلہ مقصود ہے وہی پہلے پیش کیے جاتے ہیں۔ شیدا نے بھی ایسے قصاید لکھے ہیں جن میں تاریخی واقعات منظوم ہیں مثلاً شہزادہ داراشکوہ کے جشنِ عروسی پر اس نے جو قطعہ لکھا تھا وہ یہاں درج کیا جاتا ہے ؎

شاہِ والا ہمت آں شاہِ جہاں
کز شرف صاحبقرانِ ثانی است

انکہ از خورشید تابانِ ہر سحر
خواند از دانش خطِ پیشانی است

داد پیوندی بہ فرزندِ خلف
باعروسی کو ز بخت ارزانی است

برکفِ داراشکوہ جم منشش | کو زکانِ شاہ لعل کانی است
"بادروز افزوں شکوہِ شاہِ ما" | سالِ تاریخش "زمعنی دانی" است[1]

کلیم نے اسی "جشنِ عروسی" کے موقع پر درج ذیل قطعہ تاریخی سپرد قلم کیا تھا جو شیدا کے مقابلہ میں زیادہ مرصع ہے جسکی بحر زیادہ مترنم ہے اور الفاظ کی شوکت شاہی شکوہ وجلال کے شایانِ شان ہے ؎

ازیں دلکشا جشنِ وافر سرور | ہمہ عید شد سر بسر ماہ و سال
زماں را گرفت امتدادِ فرح | چو تاری کہ پنہاں شود در ثال
دو سعد اختر برجِ شاہنشہی | بہ برجِ شرف یافتند اتصال
زآمیزشِ زھرہ و مشتری | سعادت گرفتست اوجِ کمال
خرد بہرِ تاریخ ایں سود گفت | "قرآن کردہ سعدین برجِ جلال" ۱۰۴۲ ھ

شیدا نے "جلوس تختِ طاؤس" کے موقعہ پر (۱۰۱) اشعار کا قصیدہ حضورِ شاہ میں گزرانا تھا، جس کے چند اشعار یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ شیدا کا یہ قصیدہ اس کی قدرتِ قلم کا بہترین ثبوت ہے ؎

شاد باد آمدنِ جشنِ جم و عیدِ صیام | کز عجم تا عرب امروز نشاط آمدہ عام
چوں دو دمساز موافق ز سرِ مہر و فا | بستہ پیمان بدل و دست بآئینِ کرام
جشنِ جم عہد نشاط است کہ شاہانِ عجم | لازم عیش شناسند بنا موس و بنام
تخت اینست کہ آراست شہنشاہِ جہاں | کہ براں تخت نشیناد ہمہ عمر بکام[2]

کلیم نے اس وقت جو قصیدہ تحریر کیا تھا اس کے چند اشعار بغرض موازنہ یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

مجستہ مقدم نوروز و غرہ شوال | فشاندہ اند گل عیش بر سرِ مہ و سال
شرف پذیرد نوروز در چنیں عیدی | کہ بادشاہ نشیند بہ تختِ استقلال
بوصفِ تختِ مرصع گہر نشاں گشتم | خدا نصیب کند عمرِ خضر و طول مقال
بہ تختِ پادشہی ہمچو قطبِ ثابت باش | نہ بیند اختر جاہت تغیرِ احوال

شیدا نے "مخزنِ اسرار" کی بحر میں "دولت بیدار" کے نام سے ۱۲ ہزار اشعار کی ایک مثنوی لکھی ہے جس کا مطلع یہ ہے[3] ؎

---

[1] کلیاتِ شیدا، ورق: ۲۸۱ [2] کلیاتِ شیدا، ورق ۱۶۲ ب [3] عملِ صالح، جلد سوم، ص: ۴۰۵

"(شیدا) قریب بہ دوازدہ ہزار بیت مثنوی منظم ساختہ مشتمل بر سخنانِ حکمت آمیز و معانی دلاویز و آں را "دولت بیدار" نام نہادہ و سر آغاز آں ایں بیت است ؎ بسم اللہ الرحمن الرحیم"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم   آمدہ سر چشمۂ فیضِ عمیم

شیدا نے حاجی محمد جان قدسی کے ایک قصیدہ پہ جس کا مطلع درج ذیل ہے۔ بطور اعتراض ایک قصیدہ لکھا تھا جو بہت مشہور ہوا[1]

عالم از نالۂ من بے تو چناں تنگ فضاست   کہ سپند از سر آتش نتواند برخاست

صاحب سرو آزاد لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ شیدا نے ایک قصیدہ کہا۔ جب اس قصیدہ کا درج ذیل مطلع صاحب قرآن ثانی شہنشاہ شاہجہان کے گوشِ گذار ہوا تو بہت برہم ہوئے اور اس کو شہر بدر کرنے کا حکم صادر فرمایا[2]

چیست دانی بادۂ گلگوں، مصفا جوہرے   حسن را پروردگارے، عشق را پیغمبرے

بگڑے حالات کا خطرناک انجام دیکھ کر شاعر نے معذرت چاہی اور مولانا جامیؒ کا یہ شعر جواز میں پیش کیا

از صراحی دو بار قلقلِ مے   پیشِ جامی بہ از چہار قل است[3]

آخر کار شاہِ خطا بخش نے اُسے معاف کر دیا اور اس واقعہ کے بعد شیدا نے کشمیر میں گوشہ نشینی اختیار کر لی اور تاحیات وہیں مقیم رہا۔

سعیدائے گیلانی

یہ شاعر شہنشاہ جہانگیر کے عہدِ حکومت میں گیلان سے ہندوستان آیا۔ شہنشاہ نے اُسے "بے بدل خان" کے خطاب سے سرفراز کیا اور زرگر خانہ کی داروغہ گری پر مامور کیا۔ چونکہ صاحبِ قلم بھی تھا اس لیے موقع بہ موقع اس کے خامۂ گوہر بار سے اشعار نکلتے رہے۔

عبد الحمید لاہوری نے "پادشاہ نامہ" میں اس کے جن اولین اشعار کا حوالہ دیا ہے اُن سے تہنیتِ جلوس کی تاریخ نکلتی ہے

"جلوسِ شاہجہان دادہ زیبِ ملت و دیں"[4] ۱۰۳۷ھ

---

[1] عمل صالح، جلد سوم، ص: ۴۰۵   [2] سرو آزاد، ص: ۸۳

[3] چہار قل سے مراد قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل چار سورۃ مراد ہیں:

سورۃ الکافرون ۱۰۹	چونکہ ان سورتوں کا آغاز صیغہ امر واحد مذکر "قل" سے ہوتا ہے اس لیے ان کو چہار قل کہا جاتا ہے۔
سورۃ الاخلاص ۱۱۲	
سورۃ الفلق ۱۱۳	
سورۃ الناس ۱۱۴	

[4] پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، ص: ۹۵

۱۰۴۴ء میں جب شاہجہان تخت طاؤس پر جلوہ افروز ہوا اور قدسی، کلیم و دیگر شعرائے پایہ تخت نے قصاید غرّا پیش کرکے گراں بہا صلے حاصل کئے اس وقت سعیدائے گیلانی نے بھی ۱۲۴ اشعار کا ایک قصیدہ غرا لکھا جس میں ولادت شاہجہان سے ۱۰۴۴ء تک کی تفصیلات منظوم ہیں۔[۵]

۱۰۴۷ء میں شاہجہان نے چالیس ہزار کے مصارف سے اجمیر میں ایک مسجد تعمیر کرائی جس کی تاریخ بے بدل خان گیلانی نے لکھی ہے

"قبلۂ اہلِ زماں شد مسجدِ شاہ جہان" ۱۰۴۷ء

کلیم کے کلیات میں بھی ایک قطعہ اس مسجد کی تعمیر سے متعلق نظر سے گذرا ہے جس کا ذکر باب اوّل میں تفصیل سے کیا جاچکا ہے۔ چونکہ بے بدل خان کا مقطعہ ہی دستیاب ہوا ہے۔ اس لئے کلیم کے قطعہ کا مقطعہ ہی درج کیا جاتا ہے

"کعبۂ حاجاتِ دُنیا مسجدِ شاہ جہاں" ۱۰۴۷ء

سعیدائے گیلانی کی تاریخ وفات پر کسی مورخ، شاعر یا تذکرہ نویس نے روشنی نہیں ڈالی۔ سب کے سب اس واقعہ کے متعلق خاموش ہیں۔

مقامِ کلیمؔ

یہاں تک ہم نے اکثر معاصر شعرائے کے حالات، ان کے کلام اور ان کے ساتھ کلیم کے تعلقات کا تفصیلی جائزہ لیا، لیکن ہمارا عنوان تشنہ رہ جائے گا اگر ہم اس باب کے دوسرے پہلو یعنی معاصر شعراء میں کلیم کے مقام کا تعین نہ کریں۔ اس کے کلام کے سوا دیگر معاصر و متاخر تذکرہ نگار و مورخین کی رائیں بھی کافی اہمیت رکھتی ہیں۔ بنا بریں اس عنوان کے متعلق بحث کرنے کے لیئے اب ہم اُن کے بیانات درج کرتے ہیں۔

معاصر مورخ محمد صالح کنبوہ، کلیم کے کلام پر ان الفاظ میں روشنی ڈالتے ہیں:۔

"چوں گفتارش ہوش فریب و دلاویز و طبعش معنی رس و فیض آمیز بود، بخطاب ملک الشعرائے امتیاز یافت۔ بالجملہ شاعر جادو فن، تازہ گفتار است و بنای سخن از متانت فکر فلک آهنگش مستحکم و استوار۔ سخنانش پختہ است و بمیزان اندیشہ برسختہ۔ ہرچہ گفتہ ہمہ متین و دلنشین و

---

۵ عمل صالح، جلد دوم، ص: ۹۰ — پادشاہ نامہ لاہوری، جلد اول، حصہ دوم، ص: ۲۲۵

Moghal poetry.. p. 60

عبارتش صاف و معنیش رنگین[1]۔"

قدرت اللہ گوپاموی یوں رقمطراز ہیں :-

"رنگ بخشِ گلستانِ سخن و عندلیبِ چمنستانِ دین، فن طبع بلندش طالب، مضامین رنگین و فکر نزاکت پسندش متلاشیٔ خیالات دلنشین وادی اقسام نظم را بگام فصاحت طی نمودہ و در مراتب سخن بہ خوش کلامی سبقت ربودہ[2]۔"

صاحب خزانہ عامرہ اسطرح نطق ریز ہیں :-

"کلیم ابوطالب استادِ قیامت کاراست و تختۂ کُن وکانِ فُصحاءِ روزگار، خامۂ سحر شکنِ اُو عصا است بلکہ آستینِ یدِ بیضا، جمیع اقسام سخن را در کمالِ خوبی بجرسی نشاندہ[3]۔"

افضل خان سرخوش لکھتے ہیں :-

"شاعر عمدہ پائے تخت، قدرت معنی یاب، تاریخ گو، در جمیع فنونِ سخن سنجی و سخنوری طاق و در ہمہ کمالاتِ خوش گوی و نکتہ وری شہرہ آفاق بود[4]۔"

کلیم کے متعلق تذکرۂ یدِ بیضا میں یہ عبارت ملتی ہے :-

"عمدۂ سخن سنجانِ بلاغت نظام و قدوۂ زبان آورانِ براعت انتظام بودہ زادۂ طبع روشنش یدِ بیضا است و خامۂ سحر شکنش ہمدست عصا در جمیع اسالیب نظم ید طولیٰ دارد، ہمہ جا دادِ سخنوری میدہد[5]۔"

کشن چند اخلاص مدح کلیم میں یُوں گویا ہیں :-

"شاعرِ اعجاز رقم میتوان گفت ہرچہ گفتہ ہمہ متین و دلنشین عبارتش روشن و معنیش رنگین[6]۔"

صاحب بہارستانِ سخن، کلیم کے متعلق اس طرح اظہارِ خیال کرتے ہیں :-

"بہ صفائی ذہن و ذکائی طبع و فطرتِ رسا و استعداد بلند اقرانِ رجحان داشت - اُو را اخلاق المعانی ثانی گفتہ اند[7]۔"

معاصر مورخ محمد امین قزوینی کلیم کے مرتبہ کو اِن الفاظ میں معراج کمال پر پہنچاتے ہیں :-

"الحق شاعر یست جادو فن و نکتہ پردازی، شیرین سخن کہ رنگینیٔ جواہر الفاظش دلِ جگر گوشگانِ

۱۔ عمل صالح، جلد سوم، ص : ۴۰۲ ۲۔ نتائج الافکار، ص : ۳۶۷

۳۔ خزانہ عامرہ، ص : ۳۹۱ ۴۔ کلمات الشعراء، ص : ۷۴

۵۔ ید بیضاء، ص : ۲۰۶ ۶۔ ہمیشہ بہار، ص : ۲۶۸ ۷۔ بہارستانِ سخن، ص ۶ ۲۱۵

معدن دکان خون کردہ و سیرابی لالی معایش آبِ مروارید عمانی بردہ ...... دریں عصر مثلِ ایں دو (حاجی محمد جان قدسی و کلیم) شاعر درجہان نایاب است[1]"

مندرجہ بالا بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ادبا و شعرا کی نظروں میں کلیم کو کسقدر اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔ گو مرور زمانہ سے اُس کا نام تاریکیوں میں جا پڑا تھا لیکن اس کے آثار میں اتنی جان تھی کہ وہ شاہِ شمع کی طرح اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ منور ہوا اور کلیم کے محاسنِ کلام نے شاہ "لک بخش" و "ستارہ حشمت" کو اتنا متاثر کیا کہ اس نے کلیم کو ملک الشعراء کے عہدہ پر فائز کیا اور وہ عہدِ شاہجہانی کا گلِ سرسبد سمجھا جانے لگا۔

معاصرینِ دکن

سنجر:

بہ ترتیب زمانی معاصر شعرا میں سب سے پہلا نام میر سنجر کاشی کا آتا ہے۔

محمد ہاشم سنجر ۹۸۰ بمقام کاشان پیدا ہوئے۔ ۹۹۸ھ، وہاں سے اصفہان آئے اور دو سال بعد ہندوستان روانہ ہوئے۔ سندھ میں کچھ دن قیام کیا۔ ۱۰۰۶ آ دربارِ اکبری میں بار پایا[2] اور ۱۰۱۱ تک وہاں رہے۔ دربار اکبری سے احکامات نافذ ہوئے کہ انہیں گجرات میں قید کر دیا جائے اتفاق کی بات ہے کہ ایک سال بعد ہی رہائی مل گئی اور وہ ۱۰۱۲ کے قریب بیجاپور پہنچے اور عادلشاہی حکمران ابراہیم عادلشاہ ثانی کے دامنِ عاطفت میں پناہ لی۔ ۱۰۲۱ میں وفات پائی۔ "افگند بادشاہِ سخن میر سنجری" سے تاریخ کا استخراج کیا گیا ہے مگر ۲ عدد کا تعمیہ ہے[3]۔ اور تا حیات یہیں مقیم رہے۔

ملک قمی:

مُلا ملک قمی کی قم میں ولادت ہوئی۔ صغیر سنی ہی سے مشقِ سخن کرنی شروع کی۔ قم سے کاشان آئے اور وہاں محفلِ شعر و سخن آراستہ کی بعد ازاں قزوین چلے آئے اور چار سال تک شعرائے نامور کی مصاحبت کا شرف حاصل کیا۔ آخر کار رمضان ۹۸۷، قزوین سے دکن کا رُخ کیا اور مرتضیٰ نظام شاہ والیِ احمد نگر اور ان کے بعد برہان نظام شاہ کے دربار سے منسلک ہوئے[4] یہاں سے ملک قمی ابراہیم عادلشاہ کی فیاضیوں کے چرچے سُنکر وارد بیجاپور ہوئے اور دربار سے توسل حاصل کیا۔ کلیم جس وقت شاہنواز خان سے فیض یاب ہونے کیلئے بیجاپور پہنچا تھا ملک قمی کا وہاں رنگ جما ہوا تھا اور اس استادِ سخن کے آگے کسی کی نہیں چلتی تھی۔ ۱۰۲۵ء میں انتقال کیا۔ کلیم نے ان کی تاریخ وفات ایک

---

[1] بادشاہ نامہ قزوینی، ورق: ۲۷۶ ب [2] مآثر الکرام ص ۲۶۱

[3] مآثر الکرام، ص ۲۶۱ [4] مآثر الکرام، ص ۲۱۰

قطعہ میں نکالی ہے ؎ بگفتا "او سرِ اہلِ سخن بود" (۱۰۲۵ھ) سے تاریخ کا استخراج کیا ہے۔

ظہوری:

نورالدین ظہوری کی ترشیز میں ولادت ہوئی۔ علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد شعر و سخن کی طرف مائل ہوئے۔ اور اتنی مشق بہم پہونچائی کہ معاصرین ان کے کلام کی داد دینے لگے۔ صائب ان کے کلام سے فیضیابی کا اعتراف اس شعر میں کرتے ہیں ؎

صائب نداشتیم سر و برگِ ایں غزل　　　ایں فیض از کلامِ ظہوری بما رسید

انہیں ملا وحشی یزدی سے تلمذ حاصل تھا۔ ہندوستان آئے تو پہلے احمد نگر پہنچے۔ ملک قمی سے ان کی ملاقات یہیں ہوئی اور یہ تعلقات اس حد تک بڑھے کہ ملک قمی نے اپنی لڑکی ظہوری سے بیاہ کر رشتۂ مصاہرت قایم کر لیا۔ یہ دونوں شاعر شہر بیجاپور پہنچے اور عادلشاہی دربار میں بہت قدر و منزلت حاصل کی۔

ظہوری کی تصانیف میں سرمایۂ شعر کے سوا "خوان خلیل و گلزار ابراہیم" بھی مشہور ہوئیں اور سب سے زیادہ ابراہیم عادلشاہ ثانی کی کتاب "نورس" پر لکھا ہوا مقدمہ مشہور ہوا جو سبکِ ہندی کا بہترین نمونہ شمار کیا جاتا ہے۔ ظہوری نے ایک "ساقی نامہ" برہان نظام شاہ بحری کے نام معنون کیا ہے۔ قدماء سے اس وقت تک جتنے ساقی نامے سپردِ قلم ہوئے تھے ان میں سے اکثر ظہوری کے مقابلہ میں پورے نہ اتر سکے۔

ظہوری نے ملک قمی کی وفات کے چند ماہ بعد ۱۰۲۵ھ[1] ہی میں وفات پائی۔

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق ۱۹۱ ب　Zahuri, Life and Works P. 295 also

بابِ سوم

شاہنامۂ ابوطالب کلیم

شاہنامۂ ابوطالب کلیم اور اسکی اہمیت

صنفِ مثنوی کی ابتداء اور ارتقاء فارسی شاعری کے لیۓ طرۂ امتیاز ہے ۔ یُوں تو ابتداء ہی سے زبانِ فارسی میں بہت مثنویاں لکھی گئیں ۔ بعض رزم کے ہولناک مناظر اور شمشیروں کی جھنکار سے معمور ہیں، بعض محفلِ رقص و سُرود کی کیفیات سے مملو، بعض میں الٰہیات کے اہم اور بلند مضامین پنہاں ہیں اور بعض سے شاہانِ سلف کی عظمتِ رفتہ ہویدا ہے ۔

شہنشاہِ شاہجہان کے حکم سے پیشِ نظر عہد میں بھی دو مثنویاں تصنیف ہوئیں[1] ۔ ایک کو محمد جان قدسی نے سپردِ قلم کیا اور دوسری کو ابوطالب کلیم ہمدانی نے لکھا ۔ قدسی کی وفات کی وجہ سے اس کی مثنوی نامکمل رہ گئی[2] اور کلیم اپنی مثنوی کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکا ۔ جس میں عہدِ شاہجہانی کے ابتدائی دس سالہ واقعات قلمبند ہیں ۔ دونوں مثنویوں کا نام، محمد امین قزوینی "پادشاہ نامہ" لکھتے ہیں[3] لیکن فہرست نگار قدسی کی مثنوی کو "ظفر نامہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں[4] اور خود قدسی نے بھی اُس کو ظفر نامہ ہی لکھا ہے ۔

---

[1] پادشاہ نامہ قزوینی، ورق ۲۷۶ ا

[2] Catal Brit. Mus. per. Mss., Vol. II., P. 685.

"The poem was left unfinished. The present copy contains a confused sereies of detached fragments."

[3] پادشاہ نامہ قزوینی، ورق : ۲۷۶ ا
" دو اوقاتِ اُو (کلیم) نیز لالی مضمون صدق مشحون "پادشاہ نامہ" را برشتۂ نظم می کشد و ایں دو کتاب کہ اُو و محمد جان قدسی نظم می کنند بود از تمام مقبولِ خاص و عام خواہند بود "
مذکورہ بالا حوالہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ محمد امین قزوینی نے مثنویوں کے نام اس وقت لکھے تھے جب کہ وہ لکھی جا رہی تھیں اسلیۓ اُن کے اصلی نام جو غالباً بعد تکمیل رکھے گۓ تھے ۔ محمد امین اُن کا ذکر نہ کر سکے، اس موضوع کے متعلق ہم آئندہ صفحات میں بحث کرینگے ۔

[4] Catal. Bankipora lib. Per. Mss. Vol. III. P. 77

قلم چوں "ظفر نامہ" را تازہ کرد   عروسِ سخن را چنیں غازہ کرد[1]

اور کلیم نے بھی قدسی کی مثنوی کا نام اس شعر میں ظفرنامہ ہی لکھا ہے ؎

موافق بقولی کہ کو دم رقم   بود در کتاب "ظفرنامہ" ہم[2]

قدسی اور اس کے ہمعصر شاعر کلیم کے اشعار کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ قدسی کی مثنوی کا نام "ظفرنامہ" ہے نہ کہ "پادشاہ نامہ" جیسا کہ محمد امین قزوینی نے لکھا ہے۔

عہدِ شاہجہانی کی دوسری مثنوی کلیم کی تخلیق ہے۔ اس مثنوی کے نام کے متعلق فہرست نگاروں میں اختلاف ہے۔ اسپرنگر، برٹش میوزیم، انڈیا آفس اور بانکی پور کی فہرستوں میں اس کے مختلف نام ملتے ہیں[3]۔ مثلاً "شاہنشاہ نامہ"۔ "پادشاہ نامہ"۔ "پادشاہ نامہ" اور "پادشاہ نامہ"۔ لیکن مثنوی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کلیم نے اشعار میں بعض جگہ مثنوی کا نام "شہنامہ" تحریر کیا ہے۔ حسبِ ذیل اشعار اس کے مظہر ہیں ؎

شوم روشنی بخشِ ہنگامہ اش   وہم رُست از یادِ "شہنامہ" اش[4]
ولے ماندی آخر ازیں خاکسار   نہ "شہنامہ" غمنامہ یادگار[5]
دریں راہ گر پیشتر می روم   ز "شہنامہ" گفتن بدر می روم[6]
بگفتن در آمد بفرضِ محال   شود "شاہنامہ" کتابِ رجال[7]

مندرجہ بالا اشعار کے سوا کلیم نے ایک قطعہ اور نظم کیا ہے۔ جس کے مطلع میں اُس نے مثنوی کا نام "شاہنامہ" باندھا ہے ؎

۱؎ کلیاتِ قدسی، ورق: ۱۲۵ الف   ۲؎ شاہنامہ کلیم، ورق: ۴۸ الف

۳؎ Catal. India off. Lib. Per. Mss., Vol. I No:, 1570

The "پادشاہنامہ" (as it is styled on fol. 1) also called شاہنامہ or شاہنشاہنامہ, The Imperial Book; also see, Bankipore. Lib. Catal, Vol. III p. 97; Catal. Brit. Mus. Per. Mss. vol. II. Col. 686; Catal. Per. Mss, Sprenger. Vol. I. P. 454.

۴؎ شاہنامہ کلیم، ورق: ۹ الف   ۵؎ شاہنامہ کلیم، ورق: ۲۲ الف

۶؎ " " ، " : ۱۳۵ الف   ۷؎ " " ، " : ۱۱۴ الف

بچشمِ ہوش دریں جلدِ "شاہنامہ" نگر   کہ بزم وازمش سرمشقِ پادشاہنست[1]

کلیاتِ کلیم کے تمام مخطوطات میں مذکورہ شعر میں "پادشاہنامہ" درج ہے یعنی ؎

بچشمِ ہوش دریں "پادشاہنامہ" نگر[2]

دونوں مصرعوں کی تقطیع کرنے سے وزن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن، فعلن، کی بحر پر دونوں شعر کی تقطیع ہوتی ہے اور خود مثنوی کے چار شعر اس کا ثبوت فراہم کرتے ہیں کہ شاعر نے کہیں "شہنامہ" اور کہیں "شاہنامہ" لکھا ہے۔ "شہنامہ" تو ظاہر ہے کہ ضرورتِ شعری کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ لہٰذا موزوں لفظ "شاہنامہ" ہی ہے۔ بنا بریں کلیم کی مثنوی کا نام "شاہنامہ" ہی ثابت ہوتا ہے۔ اس لیے آیندہ سے ہم اسی نام سے اس کا ذکر کریں گے۔

شاہنامہ کا تجزیہ

شاہنامہ کلیم[2] دو حصّوں پر مشتمل ہے۔ حصّہ اول کا حجم ورق: اب تا ۷۵ ب ہے اور حصّہ دوم ورق ۷۶ ا تا ۲۲۰ ا اور تعداد اشعار ۱۴۸۴۰ ہے۔

بحر: فعولن، فعولن، فعولن، فعول (بحر متقارب مثمن سالم مقصور)

حصّہ اول شاہنامہ

شاہنامہ کلیم کا آغاز حمد سے ہوتا ہے جس کا مطلع ہے ؎

بنام خدای کہ از شوقِ جود   دو عالم عطا کرد و سایل بنود

حکیمی کہ شمع زباں در دہن   فروزاں نماید بہ یادِ سخن

شاعر نے حمد، نعت اور تعریف سخن کے بعد ورق ۱۹ ا تا ۳۶ ب شاہانِ مغلیہ کی عظمتوں کو اُجاگر کرنے کے لیے بابر، ہمایوں، اکبر و جہانگیر کے حالات تفصیل سے تحریر کئے ہیں اور تمام واقعاتِ تاریخی بڑی احتیاط سے قلمبند کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوا ہے۔ ورق: ۳۶ تا ۷۵ ب

---

[1] دیوانِ کلیم، نسخہ جامعہ عثمانیہ، نمبر ۱۸۳ ق۔ ورق: ۱۵۳ و — [2] کلیاتِ کلیم نسخہ ا، ب، ج، ع

[2] یہ نسخہ ۶ × ۱۰ سائز کے (۲۲۰) اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت کی تقطیع ۴½ × ۶½ ہے۔ سطر: ۱۷ اور ہر سطر میں دو شعر (چار مصرعے) کتابت خوش خط نستعلیق ہے۔ متن کتاب سیاہی اور عنوانات سُرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں۔ ہر مصرعہ طلائی لکیر سے جدا ہوتا ہے اور آخر میں حاشیہ کے اطراف شنگرفی لکیر ہے۔ نسخہ کرم خوردہ و آب رسیدہ ہے، اس لیے اس پر شفون چڑھا دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے استفادہ میں دقت ہوتی ہے۔

ولادت شاہجہان، اس کی تربیت، شہزادگی کے زمانے کی فتوحات، شادی، ولادتِ شاہزادگان اور اسکے تخت نشین ہونے تک کے واقعات نہایت تفصیل سے نظم کئے ہیں اور اس شعر پر مثنوی کے حصۂ اول کا اختتام ہوتا ہے ؎

بایں لطف اُمید وارم کلیم   کہ ناقص نزیبد کرم از کریم

حصّہ دوم

شاہنامہ کے دوسرے حصّہ کی ابتداء واقعاتِ جلوس شاہجہان سے ہوتی ہے جس کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

سخن آں شہنشاہِ فرماں روا   کہ نہ تختِ چرخش بود زیر پا

بہ تختِ زماں آمدہ جلوہ گر   سر آید ز اسرارِ غیب ایں خبر

اس کے بعد مسلسل تاریخی واقعات اور اہم تفصیلات ملتے ہیں۔ اور آخر میں ظفر خان کے کشمیر پر تقرر اور اُس کی مُہمِ تبّت پر روانگی کا حال لکھ کر اس شعر پر مثنوی کو ختم کیا ہے ؎

چو اقبالِ آں شاہِ گردوں سریر   نہ بیند دگر در جہاں قلعہ گیر

اور مثنوی کی کتابت کا اختتام اس عبارت پر ہوا ہے۔

"تمت تمام شد بعون اللہ تعالیٰ شاہجہان نامہ از تصنیفاتِ مرزا طالبا کلیم بتاریخ دوازدہم شہر شوال المکرم ۱۲۵۵ھ مطابق بیست و یکم ماہِ ڈسمبر ۱۸۳۹ء موافق سنہ ۲ جلوسِ میمنت حضرت ابوظفر سراج الدین علی بہادر شاہ غازی خلد اللہ ملکہٗ و سلطانہٗ، بروز جشنِ مبارک حضورِ انور وقت بیکپاس روز بر آمدہ بروز پنجشنبہ زیور اتمام و پیرایہ اختتام پوشید"

شاہنامہ کا تجزیہ نامکمل رہ جائے گا اگر تاریخی تفصیلات بصورت عنوانات و تعداد اشعار پیش نہ کیے جائیں۔

عُنوان	تعدادِ اشعار
حمد	۸۳
نعت حضرت سید المرسلینؐ	۴۶
در صفت شبِ معراج حضرت سیّد کائنات	۱۰۵
در مدح حضرت پادشاہ	۶۳

عنوان	تعداد اشعار
خطاب پادشاه فلک قدر جم جاه	۵۳
در تعریف سخن	۱۳۳
آغاز داستان و گذارشِ احوال حضرت صاحب قران	۷۶۰
فوت شدن بادشاه خلد آرامگاه گیتی ستان حضرت بابر بادشاه	۱۸۲
جلوسِ میمنت مانوس پادشاه حضرت همایون پادشاه	۲۱۷
رسیدن خبر سعار شدن حضرت جهان بانی همایون پادشاه	
در جلوس جلال الدین اکبر بادشاه	۷۰۶
ولادت پادشاه عالم شاهجهان بادشاه	۸۵
بمکتب دادنِ شاه بلند اقبال را	۲۵۸
برادران شاه صاحب قران	۵۷
در بیان جشن کدخدائی شاه صاحبقران	۷۴
در بیان شیر بشمشیر زدن صاحبقران در شکار بازی	۹۴
رفتن شاه جنت مکان به اجمیر و فرستادن بلند اقبال به تسخیر دکن	۴۷۷
آغاز سال نهم جهانگیری و اذن یافتن جشن نوروزی شاه بلند اقبال در ولایت رانا	۲۱۲
ولادت نواب مهد علیا بیگم صاحب	۳۲
در ولادت شاهزاده بلند اقبال دارا شکوه	۶۰
در ولادت شاهزاده شاه شجاع	۲۷
رفتن شاه بلند اقبال به فتح دکن	۱۱۷
رفتن حضرت جنت مکان و فتح جام دباده باقبال صاحبقران	۱۶۱
فتح قلعه نگر کوٹ و تنبیه سورج مل	۶۶
ولادت شاهزاده اورنگ زیب	۱۱۶
رفتن شاهزاده صاحبقران نوبت دوم بدکن	۴۱
در بیان توبه شاهنشه توفیق بار	۵۵۱
ولادت شاهزاده عالمیان سلطان مراد بخش	۹۱

عنوان	تعداد اشعار
آغاز سالِ پنجم از دورِ اول بہار عالم افروز	۲۹
مراجعت نمودن شہنشاہِ گیتی شان از دکن بمستقر اکبرآباد	۱۰۵
فتح بندر ہگلی	۱۴۱
جشنِ وزن اعلیحضرت ظلِ الٰہی	۴۱
فتح قلعہ کانسر	۴۵
تمہید کدخدائی شاہزادہ عالی قدر	۶۵
جشنِ دامادی شاہزادہ دارالشکوہ	۲۰۵
تمہید کدخدائی شاہزادہ شاہ شجاع	۵۲
آغاز سال ششم از جلوس ہمایوں	۷۵
در تعریف رزم آوری شاہزادہ اورنگ زیب با فیل	۸۸
رفتن صفدر خان برسالت جانب ایران	۲۹
فتح قلعہ دولت آباد	۲۵۹
توجہ رایات جہانکشا بہ دار الخلافہ اکبرآباد بصوب دار الخلافہ لاہور	۸۰
آغاز سالِ ہفتم از جلوس میمنت اثر ظل اللہ بر تختِ شاہنشاہی	۲۲۵
در تعریف کشمیر	۲۱۱
تعریف فرح بخش و فیض بخش کشمیر	۱۸۰
ظہور کرامت اعلیٰ حضرت شاہنشاہی	۱۷
توجہ رایات حضرت شاہنشاہی بجانب ہندوستان	۴۵۷
توجہ رایات کشورکشا بسوی دار الخلافہ اکبرآباد	۲۸۵
آغاز سالِ ہشتم	۱۷۰
یعنی ورزیدن ججہار سنگھ بندیلہ	۱۳۱
توجہ رایات شاہنشاہی بصوب دکن	۲۹
فتح سایر قلاع ججہار سنگھ	۳۵۵
تتمہ حال خسران مآل ججہار سنگھ	۱۷۹

تعداد اشعار	عنوان
۱۰۱	فرستادن رسولان نزد سلاطین دکن
۱۰۹	فرستادن افواج کینه خواه بتادیب ساهو و تخریب ملک عادل خان
۹۲۵	آمدن بهار عالم افروز آغاز سال نهم از جلوس مبارک
۱۲۵	مراجعت نمودن رایات اقبال شاهنشاهی بمستقر دولت
۲۸۳	سزا یافتن بایسقر جعلی به تیغ سیاست
۴۱۳	دگر بعض از فتوحات خان دوران بعد از تسخیر اودگیر داریه
۴۳	آمدن شاهزاده عالمیان اورنگ زیب بدرگاه معلی
۲۶۴	در بیان کتخدائی شاهزاده اورنگ زیب
۱۵۴	فتح ملک تبت باقبال شاهنشاهی از حسن سعی مرزبان

دیگر نسخه هائے شاهنامهٔ کلیم

I. Catal. of the ara, Per & Hin, Sprenger. Vol. I. No: 305

شاهنشاهنامه کلیم

The Imperial Book, by kalym, being an epic poem on the exploits of Shahjahan.

Beg: بنام خدائیکه از شوق جود ٭ دو عالم عطا کرد و سائل نبود

2. The British Museum Catal of the persion Mss: Vol. II.

Col. 686. "پادشاه نامه"

Five fragments of a poetical record of the life of Shajahan, by kalim as follows:-

i) Early life of Shahjahan, concluding with the death of Jahangir, Fol. 1.

ii) Part of the prologue, and account of the Emperor's fore fathers from Timur to Humayun, fol. 48^a.

iii) Early part of Shahjahan's reign, from his accession to Zafar Khan's expedition to Tibet (A.H. 1046-7) fol. 72[a].

iv) Another part of the introduction, beginning with the Miraj, and ending with the birth of Shahjahan, fol. 198.

v) Description of Kashmir, fol. 205.

The same work is mentioned in the Oudu cat, P. 454, under the title of شاہنشاہ نامہ

3. Catal. of Persian Mss. in the library of the India office Vol. 1. No. 1570.

Two Mathnawis by Kalim.

Both these Mathnawis celebrate the exploits of the Emporer Shahjahan and are very likely parts of one and the same epic poem, viz the پادشاہ نامہ (as it is styled on fol. 1.), also called شہنشاہ نامہ or شاہنامہ, the imperial book, the first begins, fol. 1[b].

بنام خدائی کہ از شوق جود   دو عالم عطا کرد و سایل نبود

The second, with the special heding, as it seems, of اقبال شاہجہان (see fol. 118[b].), begins on fol. 105[b]: سخن آن شہنشاہ فرمانروا ؛ کہ نہ تخت چرخش بود زیر پا

The poets takhallus Kalim appears severel times, for instance,

on fol. 104[a], margin colmn, l. 10, — بایں لطف امید وارم کلیم

and on fol. 113[a], 104: — کلیم ارچہ قادر .... الخ

According to the colophon, on fol, 104[a].

نقل خط میرزا کلیم کہ بدست خود نوشتہ بودند نمودہ شد۔

This copy appears to have been made from the poets authograph, the first seven leaves seem to be supplied by auther hand.

4) Catal. of the Ara & Per. MSS. in the Oriental public library at Bankipore. Vol. III. No: 316.

Padshah namah پادشاهنامه

A poetical account of Shahjahan's reign, by Talib Kalim, The title padishah namah is given in the colophon. It is also called Shahnamah, شاهنامه, or Shah in Shahnamah.

Beg: بنام خدائی که از شوقِ جود ٭ دو عالم عطا کرد و سایل نبود

It contains the account of Shahjahan's ancestors from Timur to Homayun, his accession to the throne down to the tenth year of his reign and ends with the account of Zafar Khan's expedition to Tibet (A.H. 1046-7 = A.D. 1636-7)

The concluding verse runs thus:-

چو اقبال این شاه گردون سریر ٭ ببیند دگر در جهان قلعه گیر

The colophon runs thus:-

تمت الکتاب پادشاه نامه من مصنفات طالب کلیم رحمة الله روحه "فی تاریخ ۹ شهر ربیع الاول سنه الف ومائة وتسعه

That is, the 9th of Rabi, I A.H. 1109 for other copies of padishahnamah see, Sprenger. P. 454.

Another copy of the same پادشاه نامه beginning as above with a slight alteration. بنام کریمی که از فرطِ جود ٭ دو عالم عطا کرد و سایل نبود

On comparing with the preciding copy it is found that this copy wants thirty six lines after the intial line, while the third and foorth verses of this copy are not found in the preceding one. Again, the last three venses of the preceding

Copy are wanting here, and it breaks up with the following line:–

ظفر خان ز فتح و ظفر شادمان   بکشمیر ازان مملکت شد روان

Fol. 1, Supplied in a later hand, contains the signature of Sir Gore ousely.

Written in an ordinary Nastaliq, not dated, apparently 17th century.

شاہنامہ کی ادبی اہمیت

مذکورہ بالا تفصیلات مثنوی شاہنامہ کی ہیئت سے متعلق تھیں۔ اب ہم اس کے مواد سے متعلق بحث کرینگے
چونکہ یہ مثنوی حکم شاہی سے تصنیف ہوئی تھی اور اس میں اس عہد کے تاریخی حالات قلمبند کئے گئے ہیں، اس لیئے اسکی تاریخی اہمیت معنوی خوبیوں پر غالب نظر آتی ہے۔ مگر ادبی حیثیت سے اس کو نظرانداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم یہاں اجمالاً اس پر پہلے روشنی ڈالتے ہیں اور بعد ازاں تاریخی اہمیت تفصیلی طور پر بیان کرینگے۔

ادبی خصوصیات

تاریخی مثنویوں میں رزم کا عنصر سلاجقہ سے قبل اپنے پورے عروج پر تھا۔ نظامی گنجوی نے بزمیہ مثنویاں تحریر کرکے تلوار کی جھنکار کو نغمۂ چنگ و نے میں بدل دیا۔ اس تبکدہ کے پہلے آذر نظامی ہی تھے اور یہ رنگ گہرا ہوتے ہوتے شاہان مغلیہ کے عہد تک اس منزل پر پہنچ گیا تھا کہ میدانِ کارزار کی ہولناک صدائیں بزمِ سرود کی موسیقی میں مبدل ہو کر رہ گئی تھیں۔ کہاں فردوسی کی وہ گھن گرج للکار ؂

اگر جز بکام من آمد جواب   من و گرز و میدان و افراسیاب

اور کہاں کلیم کا نرم و نازک لہجہ ؂

دو دستی شکستی ز گرز گراں   حمیت نہ دید آں کشیدی کماں[1]

---

[1] شاہنامہ کلیم، ورق : ۱۹۶

زخورشید جوشن زبس تاب دید | زچار آئینہ عکس بیرون دوید[1]
سپاہ مخالف براہِ فرار | چناں رفت کز پیش صرصر غبار

شاعر اپنے وقت کی آواز ہوتا ہے۔ اس میں صرف کلیم ہی کا کیا دوش تھا۔ اس نے اپنے عہد کے تقاضوں کو پورا کیا اور اُسے کرنا بھی یہی چاہیئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مثنوی کی زبان اتنی ادق نہیں ہے کہ خاقانی و انوری کے قصاید کی طرح اس کی شرحیں لکھی جائیں۔ درباری نازک مزاجیوں کے باوجود اس میں سادگی پائی جاتی ہے۔ البتہ اس نے اپنے اشہب قلم کو حسنِ تعلیل و تشبیہ، استعارہ اور مضمون آفرینی کے میدان میں بے دریغ دوڑایا۔ صنائع بدائع جو شاعری کی جان تصور کئے جاتے ہیں مثنوی میں ہر جگہ دستیاب ہوتے ہیں۔

بہاریہ انداز:

مثنوی میں مختلف موسموں میں مناظرِ کشمیر کی جو عکاسی کی گئی ہے۔ وہ یہاں درج کی جاتی ہے تاکہ اس خصوصیت کا اندازہ بخوبی ہو سکے۔

عملداری لشکرِ نوبہار | گرفت از ریاحینِ نرگس قرار
برقصد گر از شوقِ نرگس بجاست | دفِ عیشِ اُو خیزش از کف طلاست
بنفشہ سر افگندہ زاندازہ بیش | چو شاعر کہ از فکر پیچد بخویش
شگوفہ چناں شد نزاکت مآب | کہ چوں برف گشت آب از آفتاب[2]

بہار آمد و یک چمن شد جہاں | زمیں نسخۂ شد زحالِ زماں
چو پیراہن شمع گُل بر شجر | بیک نسبت آمد زپا تا بسر
تو گوئی عروس نہال از حنا | بجا در نہاں گشتہ تا پشت پا
بخاکِ چمن گُل فشاندہ ورق | در آئینہ افتاد عکسِ شفق
بصحنِ گلستان شگوفہ چو سیم | پریشان شد از باد دستِ نسیم[3]

زابرے بہارے جہاں تازہ شد | زہذلِ شہنشاہ جاں تازہ شد

---

[1] شاہنامہ کلیم ، ورق : ۱۱۶ ب
[2] شاہنامہ کلیم ، ورق : ۹۸ و
[3] ، ، ، ، : ۱۳۶ و

چہ حاجت بگفتن کہ در نو بہار | شگوفہ چہ آورد بر روے کار
کول آں وویم پنجۂ آفتاب | بر آورد دہ یک طشتِ آتش ز آب
بجوشش کولہا چو کشتی رسید | ہلالے بود در شفق نا پدید[1]

تشبیہہ و استعارہ :

کلیم کے یہاں استعارہ و تشبیہیں بعید از فہم نہیں ہیں اور اکثر جگہ نادر اور اچھوتی ہیں۔ "نئے" کی تشبیہہ مختلف شعراء نے مختلف انداز میں دی ہے مگر کلیم نے "نئے نیزہ" کہہ کر ایک نُدرت پیدا کی ہے ؎

چو تادیب ایں چرخ گمرہ کند | سنئے نیزہ در ناخنِ مہ کند[2]

"دستِ اہلِ ہنر" کی تنگی کی شکایت تو ہر ایک کرتا ہے لیکن کلیم نے جس طرز سے کی ہے وہ قابلِ دید ہے ؎

رہی تنگ چوں دستِ اہلِ ہنر | نرفتہ دو کس پہلوئے یک دگر[3]

سپاہی کے شوقِ شہادت و اخلاص کو تشبیہہ کے پردے میں کتنے اچھے پیرایہ میں بیان کیا ہے ؎

بشوقی کہ اُو داد ز اخلاص جان | کسی گُل بمعشوق ندہد چناں[4]
نرفتی ز جا طبع رزم آوراں | چُو عاشق زِ حرفِ نصیحت گراں[5]
بجولان گہہ نہ فلک تاختہ | سبک خیز چوں آہِ دل باختہ[6]

تجنیس :

دو متجانس الفاظ جو حروف و حرکات میں تو یکساں ہوں لیکن معنی میں مختلف ہوں تو یہ صنعتِ تجنیس تام کہلاتی ہے۔ کلیم صنعتِ تجنیس کو اس خوبی سے اشعار میں سموتا ہے کہ جس میں نام کا نام اور حُسن کا حُسن برقرار رہتا ہے شعر اول میں مصرعہ اوّل کا لفظ "خرم نام" کے لیئے اور مصرعہ ثانی کا "خرم" خوشی کے معنوں میں مشتمل ہے۔ شعر دوم میں مصرعہ اول میں لفظ "مراد" بطورِ صفت اور مصرعۂ ثانی میں بطور نام لایا گیا ہے۔

چو خرم شدش نام از آسمان | از و خرم آباد شد ایں جہاں[7] (تام)

---

[1] شاہنامۂ کلیم، ورق: ۱۵۱ الف   [2] شاہنامہ کلیم، ورق: ۵ ب
[3] " " " : ۱۴۷ ب   [4] " " " : ۱۹۶ الف
[5] " " " : ۱۲۳ ب   [6] " " " : ۱۴ الف
[7] " " " : ۱۳۸ الف

مُرادِ دلِ شاہِ والا نژاد مسمی شد از شہ بہ سلطاں مراد[1] (تمام)

حُسنِ تعلیل، ایہام، تضاد، تنسیق، الصفات وغیرہ کے بہترین اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں تاکہ مثنوی کی ادبی حیثیت کا علم ہو سکے۔

حُسنِ تعلیل:

کسی چیز کی علت دوسری ہو لیکن شاعر کوئی حسین سی علت نکالے تو وہ صنعت حُسن تعلیل کہلاتی ہے چنانچہ یہاں بھی ماہِ نو اپنی فطری گردش کی وجہ سے نہیں بلکہ غیرت کی وجہ سے گھٹا ہوا دیکھلایا گیا ہے ؎

کہ برتن زرآن دیگر آراستہ کہ ماہِ نو از غیرتش کاستہ

ایہام:-

وہم سے مشتق ہے۔ معنی قریب و معنی بعید میں قاری کا ذہن معنی قریب کی طرف رجُوع کرتا ہے اور مرادِ شاعر بعید سے ہوتی ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار میں آب سے مُراد ابرو، چمک اور بادم وجام اسم مقام ہے۔

دُرِ اشک را آبِ اقبال داد بماہِ سحرگہ پر و بال داد[2]

بآں آبِ شمشیر را سر دہیم وجودش بباد فنا در دہیم[3]

سوئی بادہ جام لشکر کشید رُخِ فتح شد ز آبِ تیغش سفید[4]

تضاد:

دو متضاد معنی الفاظ ایک جملہ یا شعر میں جمع کرنے کو صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔ اشعارِ ذیل میں اس کی مثالیں موجود ہیں ؎

ازیں بزم مستاں چہ ہشیار رفت بخوابِ عدم سخت بیدار رفت[5]

چناں فقر را از قناعت نواخت کہ شہ را بہ درویش محتاج ساخت[6]

---

[1] شاہنامہ کلیم، ورق: ۱۰۲ الف [2] شاہنامہ کلیم، ورق: ۱۰۳ ب

[3] ” ” ” : ۲ ب [4] ” ” ” : ۱۵۸ الف

[5] ” ” ” : ۲۲ ب [6] ” ” ” : ۱۲ الف

بود صبحِ شمشیرِ صاحب قران   روا بیت دهٔ شامِ کفر از جہان[1]
ازیں راه عیب و ہنر باہمت   کہ در خانہ ہم سود و ہم ماتمت[2]

کلیم اتنا قادر الکلام تھا کہ جو تاریخی قطعہ لکھتا تھا اگر اس کے کچھ اشعار کہیں دوسری جگہ لانا ہوتا تو ایک نئے انداز کے ساتھ اُنہیں وہاں سموتا تھا۔ چنانچہ ۱۰۴۲ میں شہزادہ دارالشکوہ کی رسم شادی پر جو قطعہ مُبارکباد کے لیئے عرض کیا تھا اس کو اس مثنوی میں اِسطرح ضبطِ تحریر میں لایا ہے ۔

درآں وقت ایں بندهٔ جانثار   شد از بہرِ تاریخ قطعهٔ بکار
بیاں کرد از بہرِ تاریخ سال   "قراں کرده سعدین برجِ جلال" ۱۰۴۲
چُو ایں قطعه در بزم اقدس گذشت   بہ تحسین و احسان سرافراز گشت[3]

شاہنامہ کی تاریخی اہمیت

عہد شاہجہان میں بہت سے مصنفین و شعراء نے کتب تواریخ اور تاریخی مثنویاں قصاید و قطعات وغیرہ لکھے ہیں جن سے ہمیں اس عہد کے واقعات ملتے ہیں مگر بجز شاہنامہ کے کوئی ایسی منظوم تاریخ ہمدست نہیں ہوتی جس میں اتنا تسلسل و تفصیلات درج ہوں ۔

اب ہم شاہنامہ کلیم کی تاریخی اہمیت واضح کرنے کے لیئے اس کا مقابلہ اس عہد کی کتب تواریخ مثلاً عمل صالح کنبوہ اور "پادشاہنامۂ عبدالحمید لاہوری" سے کریں گے ۔

کلیم نے سنین وزن و قافیہ کی دشواریوں کے باوجود نہایت واضح اور تفصیلی طور پر نظم کئے ہیں ۔ اس بیان کی تائید کے لیئے چند مثالیں درجِ ذیل کی جاتی ہیں مثلاً بابر کی تاریخ وفات کلیم نے اسطرح تحریر کی ہے ۔

شہنشاہ در نہصد و سی و ہفت   بہ داوائی عالمِ قدس رفت
ز سال آنچہ بر عقد نہصد فزود   ہماں مدت بادشاہیش بود
بہ ہندوستان کس مبادا زوال   بہ شاہی بسر برد تا پنج سال
ز سالِ حیاتش چو دُر سفتہ اند   ز پنجاه یک سال کم گفتہ اند[4]

---

۱ شاہنامۂ کلیم ، ورق : ۱۳۰ ا   ۲ شاہنامۂ کلیم ، ورق : ۱۴۷ ب
۳ " " " : ۱۳۳ ب   ۴ " " " : ۲۲ ب

اس سانحہ کے متعلق صاحبِ عملِ صالح یہ عبارت لکھتے ہیں :

"ارتحال آں برگزیدۂ رحمت در روز دوشنبہ ششم جمادی الاول نہصد و سی و ہفت روی داد[۱]"

کلیم نے اکبر کی تاریخ وفات کو اسطرح قلمبند کیا ہے ؎

بیفزود چوں چار دہ بر ہزار　　فتاد آں مہِ چار دہ از مدار

چو پنجاہ و یکسال فرمان براند　　بدار البقا رخش ہمت جہاند

سنینِ حیات شہِ نامدار　　بگذشت از سرِ سال شصت و چہار[۲]

عملِ صالح سے اس کی تصدیق اِن الفاظ میں ہوتی ہے ۔

"چوں سن آں والاجاہ بہ شصت و چار سال و یازدہ ماہ و ہفت روز قمری و شصت و سہ سال شمسی رسید ۔ از شب چہار شنبہ جمادی الثانیہ سنہ ہزار و چاردہ مطابق دوم آبان گشتہ ازیں وحشت سرای بسیر سرا بستان ریاض قدس .... آہنگ فرمود[۳]"

کلیم نے تاریخ ولادت شاہجہان مندرجہ ذیل اشعار میں کس قدر تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے ۔

ز تاریخ ہجری گذشتہ ہزار　　کہ شد عالم افروزیش آشکار

شبِ آخریں بُود ز اوّل ربیع　　کہ شد پایۂ دولت از وی رفیع

جہاں تازہ تر بُود از نو بہار　　ز دورانِ اکبر شہِ کامگار[۴]

مندرجہ بالا تفصیلات کی عملِ صالح کی اس عبارت سے تصدیق ہوتی ہے ۔

"ولادتِ شاہجہان از شب پنجشنبہ سلخ ربیع الاول از شہور سنہ ہزار ہجری در دار السلطنت لاہور وقوع یافت[۵]"

جب شہنشاہ جہانگیر شہزادہ شاہجہان کو امر سنگھ کی سرکوبی کے لیئے روانہ کرتا ہے تو اس واقعہ کی واضح و قطعی تاریخ کلیم اِن اشعار میں نظم کرتا ہے ؎

ز ہجرت ہزار و دو و بیست بود　　کہ آہنگ تادیب رانا نمود

شدہ سال ہشتم کہ جنت مکاں　　گرفتہ بر اورنگ دولت مکان

---

۱ عمل صالح جلد اول، ص ۱۲

۲ شاہنامہ کلیم، ورق : ۳۱ ب

۳ ،، ،، ، ص : ۱۵

۴ شاہنامۂ کلیم، ورق : ۳۷ و

۵ ،، ،، ، ص : ۸

ششم بود از دی کہ آں سرفراز ۔۔۔ زاقبال گردید دشمن گداز
ز ذیقعدہ یک دستہ بد چار[۱] دہ ۔۔۔ کہ صاحب قرآن برو بیرون سپہ[۱]

ولادت شہزادہ دارالشکوہ[۲]۔ ولادت شہزادہ شجاع[۳]۔ اورنگ زیب[۴]۔ وفات جہانگیر[۵] و ممتاز محل[۶] وغیرہ میں بمقابلہ دیگر کتب تواریخ ذرا سا بھی اختلاف نہیں ہے۔

۱۰۳۷ تا ۱۰۴۷ء جو واقعات ملتے ہیں وہ کہیں بھی تاریخی معلومات سے مختلف نہیں ہیں۔ ۱۰۴۷ء میں ظفر خان کو کشمیر کا گورنر بنانے اور مہم تبت پر روانہ کرنے کا ذکر بہت تفصیل سے مندرج ہے اور آخر میں یہ دس سالہ حالات کی حامل مثنوی درج ذیل شعر پر ختم ہوتی ہے ؎

چو اقبال آں شاہ گردوں سریر ۔۔۔ نہ بیند دگر در جہاں قلعہ گیر[۷]

۱۔ شاہنامہ کلیم، ورق: ۴۸ ا

۲۔ ،، ،، ،، : ۵۲ ب

ولادت دارالشکوہ کی تاریخ ان اشعار میں ملتی ہے ؎

چنیں گفت خاقانِ دریا شکوہ ۔۔۔ کہ زیبد برو نام دارالشکوہ
چو بگذشت بر سالِ ہجرت ہزار ۔۔۔ براں بیست افزود بر بیست چار (۱۰۲۴ء)
شد ایں تازہ در زیبِ ملکِ وجود ۔۔۔ درو زینتِ تاجِ شاہی فزود

۳۔ شاہنامہ کلیم، ورق: ۵۲ ب

ولادتِ شجاع کی تاریخ یہ ہے ؎

بیک سال بعد از نخستیں پسر ۔۔۔ شد اقبال مسندی دگر جلوہ گر
ازاں بادشاہ فلک ارتفاع ۔۔۔ مقرر شدش نام سلطان شجاع

۴۔ شاہنامہ کلیم، ورق: ۵۹ ب

ولادت اورنگ زیب کی تفصیلات یہ ہیں ؎

ز بانوے ممتاز دولت سرا ۔۔۔ جہاں تاب شد گوہری بے بہا
دل و دیدہ را روشنائی فزود ۔۔۔ ز شہزادۂ زیب بخت وجود

۵۔ شاہنامہ کلیم، ورق: ۱۳۶ ا

وفات جہانگیر ان اشعار میں مندرج ہے ؎

(باقی ص ۱۰۷ پر)

شاہنامہ کلیم و ظفرنامہ قدسی کا مقابلہ

تاریخ ادبیات کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدأ تاریخ سے آج تک بہت سے عہد ایسے گذرے ہیں جن کا ریکارڈ نظم کی شکل میں دستیاب ہوا ہے اور اُن مثنویوں میں مستند واقعات تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ شاہنامہ فردوسی اس کی ابتدا ہے پتہ نہیں انتہا کس کتاب پر ہو۔

بعض بادشاہوں کے عہد میں "شاہنامہ" اور بعض ادوار میں "ظفرنامہ" نظم ہوئے تھے، جیسے ایلخانی و تیموری دور کی دو[2] تین[3] منظوم تاریخیں دستیاب ہوتی ہیں جنہیں لوگ "ظفرنامہ" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ مثلاً ظفرنامہ حمداللہ مستوفی جو ایلخانی عہد کے آخری فرمانروا ابوسعید ایلخانی (۱۳۱۷ تا ۱۳۳۴ء) کے دورِ حکومت میں ۷۳۵ھ مطابق ۱۳۳۳ء) میں تالیف ہوا۔[1]

اس کے بعد ۸۰۶ھ م ۱۴۰۴ء شاہ تیمور (۱۳۶۰ء تا ۱۴۰۴ء) کے حکم سے ایک "ظفرنامہ" تصنیف ہوا۔ جس کا مصنف نظامی شامی تھا۔[2]

تیسرا ظفرنامہ شرف الدین علی یزدی ۸۲۸ھ م ۱۴۲۴ء ہے جو تیمور اور شاہ رخ (۱۴۰۴ء تا ۱۴۴۷ء) کے

(بقیہ حاشیہ صد ۱۰۶)

سفر کرد ازیں عالم پُر خطر — بماہ صفر ہم بوقت سفر
بسی ہفت افزود و سی بر ہزار — کہ رفت از جہاں آں شہ نامدار
برادر بگسب شاہی دو و بیست سال — بسر برد بی ہیچ جنگ و جدال
چو سال حیاتِ شہ نامدار — در آورد خامہ بہ ضبط شمار
کم از شصت آمد وبی چند روز — کہ آں شمع شد بزم عقبیٰ فروز

۶ے شاہنامہ کلیم، ورق: ۱۷۰ الف (وفات ممتاز محل اس طرح سپرد قلم کی گئی ہے)

بہ ذیقعدہ سالِ ہزار و چہل — شد ایں واقعہ آفتِ صبر و دل
ز نہ شانزدہ روز بگذشتہ بود — شبِ ہفدہم ایں قضا رو نمود

1. A literary History of persia, Vol. III. P. 95.

2. " " " " . P. 183, 361.

عہد میں نظم کیا گیا۔[۱]

اسی طرح عہدِ شاہجہان میں ایک "ظفرنامہ" کا ذکر دیکھ کر قاری کے ذہن میں یہ خیال مستحکم ہونے لگتا ہے کہ غالباً یہ "ظفرنامہ" بھی مذکورہ بالا ظفرناموں کی تقلید میں لکھا گیا ہوگا۔ "ظفرنامہ قدسی" کے نام وغیرہ کے متعلق گذشتہ صفحات میں تفصیلات لکھی جا چکی ہیں۔

"ظفرنامہ قدسی" اور "شاہنامہ کلیم" کے مقابلہ کے لیے افسوس ہے کہ ظفرنامہ مکمل صورت میں دستیاب نہ ہو سکا سنٹرل ریکارڈ آفس حیدرآباد میں "ظفرنامہ قدسی" کا ایک نسخہ ہمدست تو ہوا ہے، مگر وہ ناقص الاول ہے اور اس کے ابتدائی (۳۷) اوراق امتدادِ زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں۔

دوسرا نسخہ کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے لیکن وہ برٹش میوزیم کے نسخہ کی طرح منتشر و چیدہ، چیدہ حالات پر مشتمل ہے۔ اس لیے ہمیں مجبوراً فہرست بانکی پور لائبریری کے نسخہ سے استفادہ کرنا پڑ رہا ہے اور آئندہ کی ساری بحث اسی نسخہ کی روشنی میں کی جائے گی۔

فہرست بانکی پور میں ریاض الشعراء و مخزن الغرائب کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ "قدسی نے ظفرنامہ کو نامکمل چھوڑا تھا اور ابوطالب کلیم نے اس کی تکمیل کی تھی۔"[۲]

والہ داغستانی (متوفی ۱۱۶۹) کے جس متن سے یہ حوالہ لیا گیا ہے وہ درج ذیل کیا جاتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں مدلل طریقہ پر بحث کی جا سکے۔

"خلاصہ آن کہ (قدسی)۔ ہندوستان آمدہ از مقربانِ درگاہ شاہجہان پادشاہ گردیدہ، بملک الشعرائی سرفراز گردید و شاہنامہ بجہتہ پادشاہِ مذکور گفتہ ناتمام ماندہ است، بعد از فوتِ وی ابوطالب کلیم ملک الشعراء گردیدہ شاہنامہ را خود گفتہ باتمام رسانید۔"[۳]

والہ داغستانی کے بیان میں دو نقاط بحث طلب ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ کہ قدسی ہندوستان آیا، ملک الشعراء کے عہدے سے سرفراز ہوا اور اس کی وفات کے بعد کلیم ملک الشعراء ہوا۔"

معاصر مورخ محمد صالح کنبوہ "عملِ صالح" میں کلیم کے ملک الشعراء ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:۔

---

1. A literary History of Persia., Vol. III. P. 362, 363.

2. Catal. Bankipore lib. Per. Mss., Vol. III. P. 77.

۳۔ ریاض الشعراء، ص: ۷۱۹

"(کلیم) بخطاب ملک الشعرائی امتیاز یافت ۔ اگرچہ استحقاق آں منصب جلیل القدر حاجی محمد جان قدسی داشت ، اما ازیں رو کہ پیش از رسیدن حاجی اُو (کلیم) باین خطاب سرفرازی یافتہ بود ۔ تا دم آخر بدو بحال ماند و تغیری بدان راہ نیافت[۱]"

عملِ صالح کے مذکورہ بالا ترالے سے یہ مترشح ہے کہ کلیم، قدسی کی آمد سے قبل ہی ملک الشعراء ہو چکا تھا اور تا دم زیست اس پر فائز رہا ۔ ایسی صورت میں قدسی کے ملک الشعراء ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ کیونکہ قدسی نے ۱۰۵۶ء میں وفات پائی اور کلیم نے ۱۰۶۱ء میں ۔ اور اس کے علاوہ ہر معاصر مورخ و تذکرہ نگار کلیم ہی کو ملک الشعراء لکھتا ہے ۔ لہٰذا ان ہی مستند بیانات کو سامنے رکھ کر ہم یہ کہنے کے موقف میں ہیں کہ قدسی کی وفات کے بعد نہیں بلکہ قدسی کی آمد سے قبل ہی کلیم ملک الشعراء کی خلعت سے سرفراز ہو چکا تھا اور زندگی کی آخری سانسوں تک اس عہدہ پر مامور رہا ۔

۲۔ دوسرا نقطہ یہ ہے کہ "شاہنامہ" کو پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مثنوی بجائے خود مکمل ہے کسی مثنوی کا تتمہ نہیں ہے اور نہ کلیم نے کہیں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ ظفر نامہ قدسی کا تتمہ ہے نہ کسی معاصر تذکرہ نگار نے اس کا ذکر کیا ہے اور نہ شاہنامہ کلیم اور موجودہ ظفر نامہ قدسی کے مقابلہ سے کوئی حصۂ کلام مشترک معلوم ہوتا ہے جس سے یہ گمان ہو کہ ظفر نامہ کا کوئی جزو شاہنامہ کلیم میں شامل ہے ۔ لہٰذا خارجی شہادت و داخلی مواد کی رو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ریاض الشعراء کا بیان صحیح نہیں ہے ۔

اب چونکہ شاہنامہ کلیم کے متعلق صاف و صریح معلومات حاصل ہو چکے ہیں اس لیے ہم آئندہ صفحات میں ان کے مقابلہ کی طرف رجوع کریں گے ۔ فہرست بانکی پور میں "ظفر نامہ قدسی" کے متعلق جو تفصیلات دی گئی ہیں وہ سرخیوں کی شکل میں ہیں جن کا مقابلہ شاہنامہ کی سرخیوں سے کیا جاتا ہے ۔

۱۔ شاہنامہ کلیم میں سُرخیوں کی تعداد ۸۰ ہے ۔

۱۔ ظفر نامہ قدسی میں ۵۱ سُرخیاں ہیں ۔

۲۔ شاہنامہ کا آغاز حمد و نعت سے ہوا ہے ۔ بعد ازاں تعریفِ سخن ہے اور ورق : ۹ اُ سے شاہجہان کے اجداد کا نسب نامہ شروع ہوا ہے جو ورق : ۳۶ اُ پر ختم ہوتا ہے ۔ اس میں مغل حکمرانوں کی عظمتوں کی تفصیلات درج ہیں ۔ ورق : ۳۷ اُ تا ۷۶ اُ زمانۂ شہزادگی کے حالات ہیں ۔

۲۔ ظفر نامہ کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے ؎

بحمدِ خدائی زبانم کشود ۔۔۔ کہ شد منہر در وجودش وجود

اور پھر دوسری سرخی ہے تولد شاہجہان ورق ۶ اُ ۔ نسب نامۂ شاہجہان ورق : ۹ ب پر بالکل مختصراً شاہانِ سلف کا بیان درج ہے ۔ ورق ۹ ب تا ۵۴ ب شاہجہان کی شہزادگی کے زمانے کی تفصیلات ہیں ۔

۱؎ عملِ صالح ، جلد سوم ، ص : ۴۰۳

۲- ورق ۷۶ ب سے ۲۲۰ الف تک جلوس شاہجہان و فتوحات وغیرہ اور دس سالہ دورِ حکمرانی کے تفصیلی حالات نظم ہیں - اس کی مزید تفصیلات تکرار کا باعث ہونگی -

۳ جلوسِ شاہجہانی کا ذکر ظفرنامہ کے ورق : ۵۹ الف پر قلمبند ہے پھر اس عہد کے چیدہ چیدہ واقعات مثلاً فتح قندھار، مردن ممتاز محل - دامادی داراشکوہ و سلطان شجاع - جنگ اورنگ زیب با فیل - گرفتن قلعہ دولت آباد باغی شدن ججہار سنگھ بندیلہ اور آخر میں مختلف عمارات کی تعریف میں مثنویاں ملتی ہیں اور پھر ورق : ۱۹۲ ب سے قصاید کا آغاز ہوتا ہے - ورق : ۲۷۵ ب پر ترجیع بند ہے - ورق : ۲۸۲ الف تا ۲۸۷ ب قطعات اور ورق : ۲۸۷ ب تا ۳۲۳ ب غزلیات رقم ہیں - رباعیات پر کلیاتِ قدسی کا اختتام ہوا ہے -

نقایص ظفرنامہ[1]

ریو نے برٹش میوزیم کیٹلاگ میں ظفرنامہ قدسی کے نامکمل ہونے کا ذکر یوں کیا ہے کہ ظفرنامہ قدسی نامکمل اور چند منتشر واقعات کے حامل قطعات کا مجموعہ ہے۔[2]

اس کے ناقص اور منتشر ہونے کی مزید توثیق یوں بھی ہوتی ہے کہ اس میں اس عہد کے بعض اہم واقعات کے متعلق کچھ بھی مواد نہیں ملتا مثلاً خان جہان لودی کی بغاوت کا ذکر کہیں نہیں ہے - اس کے برخلاف شاہنامہ کلیم میں ورق ۹۳ ب سے خان جہان کا ذکر شروع ہو کر ورق : ۱۱۲ ب پر ختم ہوا ہے۔[3] اور اس کے قتل تک کے واقعات مکمل درج ہیں

---

[1] اصولاً محاسن ظفرنامہ "پہلے ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ مقابلہ کا ربط و سلسلہ ٹوٹ رہا ہے، اسلیے ترتیب الٹ دیگئی ہے -

2. Catal. Brit. Mus. Per. Mss., Vol. II. P. 685.
"The poem was left unfinished. The present copy contains a confused series of detached fragments..... even thrice over with some varitions."

[3] شاہنامہ کلیم، ورق : ۹۳ ب تا ۱۱۲ الف

چنیں می نگارد بکلکِ بیان	پی ہر کہ عبرت بگیرد ازان
در احوالِ خانِ جہان فکر کن	کہ روشن شود بر تو صدقِ سخن
بوقتی کہ دریائے شوریدہ بخت	ز اقلیم ہستی برون بردرخت
سر پرشر او بدرگہ رسید	در آن دم بعرض شہنشہ رسید

لیکن ظفرنامہ قدسی میں فتح قندھار، مردنِ ممتاز محل و فتح بندر ہوگلی کی تفصیلات کے منجملہ خان جہان کا ذکر نہ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ شاعر کے نزدیک اس بغاوت کی کوئی خاص اہمیت نہ تھی بلکہ ظفرنامہ کے نامکمل ہونے کی وجہ سے وہ حصہ بھی کہیں گم ہوگیا ہوگا۔ قدسی کی زندگی میں تو اس کا سارا کلام غالباً مدوّن نہیں ہوا تھا، اس لیے اس واقعہ کا کاتب یا مدوّن کرنے والے کی عدم توجہ کا شکار ہونے کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔

اس انتشار کے متعلق ریو کا مزید بیان ہے کہ جھجار سنگھ کے واقعہ پر جو اشعار ظفرنامہ میں درج ہیں وہ قدسی کے نہیں کلیم کے ہیں اور کلیم کے دیوان میں دستیاب ہوئے ہیں[1]۔ لیکن کتب خانہ آصفیہ کے "ظفرنامہ قدسی" میں جو اشعار جھجار سنگھ سے متعلق ملے ہیں ان کا مقابلہ میں نے کلیاتِ کلیم کے اشعار سے کیا تو یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ اشعار کلیم کے نہیں ہیں کیونکہ نہ طرزِ کلام میں مشابہت ہے نہ بحرِ شعر ہم وزن ہے۔ مزید توثیق کے لئے قدسی کے اشعار اور ساتھ ہی کلیم کے اشعار کلیات اور شاہنامہ دونوں سے نقل کیے جاتے ہیں؎

ظفرنامۂ قدسی:-

قلم چوں ظفرنامہ را تازہ کرد	عروسِ سخن را چنیں غازہ کرد
کہ صاحبقرانِ سپہر اقتدار	چو آہنگِ بندیلہ کرد آشکار
گروہی بہ تادیب آں کفر کیش	ز شیران جنگی فرستاد پیش
ازاں ملک جھجار ناچار رفت	بہ بلبل بگو کز چمن خار رفت
ز سردار لشکر مظفر بود	بلی مرد را عقل در سر بود
رسیدند تا حد آں مرز و بوم	کہ آنجا وطن داشت جھجار شوم
باقبال خاقان گردوں شکوہ	یکی زندہ بیروں نشد زاں گروہ
بریدند جھجار را سر ز تن	تہی گشت آں بیشہ از اہرمن
پسر ہم بہ تکلیف تیغ دو سر	براہِ سفر شد رفیق پدر[2] (فعولن فعولن فعولن فعول)

---

1. Catal. Brit. Mus. Per. Mss., Vol. II., P. 686.
"The longest, however, fol. 48b, 51b, and 21a, 26b, relating to the flight and death of Raja Jajhar Singh (A.H. 1044) is not by Kudsi, but by Kalim, and is found in the Divan of later."

۲؎ ظفرنامہ قدسی، ورق: ۱۲۳ و ۱۲۶۔

شاہنامۂ کلیم :- (فعولن، فعولن، فعولن، فعول)

مرا شاہ صدف را بے مثال — بود حال جھار ان خسران مآل
سر ہر دو سرمایۂ فتنہ را — بگفتا کو سازند از تن جدا
بریدند از تن سر ہر دو را — گرفتند انگشتر ہر دو را
بدرگاہِ ثانی صاحب قران — بہ تعجیل کردند و سر را روان[1]

کلیاتِ کلیم :- (مفاعیلن، مفاعیلن، فعولن)

بگویم قصۂ جھار مردود — کہ آغازش بہ وانجام چوں بود
ہمیں مدبر کہ بختش پشت دادہ — چو دود از آتش برسنگ زادہ
ہمہ اہلِ عیال و مال یکسر — بدرگاہ آمد و سر نیز بر سر[2]

ایک ہی واقعہ کو دو مختلف شعرائے قلمبند کیا ہے۔ ہر دو کا کلام جُدا گانہ ہے، اس لیے ریو کا بیان صداقت پر مبنی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ممکن ہے کہ ریو کو جو ظفرنامہ قدسی ملا تھا اس میں کسی کاتب نے کلیم کے اشعار ہی درج کر دیئے ہوں۔ کیونکہ موصوف نے لکھا ہے کہ:

"اکثر جگہ واقعات کی تکرار بھی پائی گئی ہے۔"

لہٰذا اس کا الزام قدسی کی ذات پر رکھنا یقیناً نامناسب ہوگا۔

محاسنِ ظفرنامہ

ہر چیز کے دو رُخ ہوتے ہیں۔ جہاں "ظفرنامہ" میں نقایص ہیں وہاں چند خوبیاں بھی ہیں۔ یعنی ظفرنامہ اتفاقات زمانہ سے نامکمل رہ گیا لیکن اس میں ایک خوبی زبان کی روانی، سلاست و فصاحت کی ہے جسے نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ چند اشعار اس خوبی کے اظہار کے لیے پیش کیے جاتے ہیں ؎

ز اولاد و اتباعِ اُو کس نماند — در آں بوستاں ریشۂ خس نماند
کسے را کہ برگشت ازیں آستان — برافتادہ بہ تخمِ اُو از جہان
بس از فتح کردن سرانِ سپاہ — جبیں ہا پُر از سجدۂ پادشاہ
قلم چوں ظفرنامہ را تازہ کرد — عروسِ سخن را چُنیں غازہ کرد

---

[1] شاہنامہ کلیم، ورق: ۱۶۹ و ۱۸۰ ٹ
[2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۰۴ ٹ، ۱۱۲ ٹ

بریدند جبار را سر ز تن | تہی گشت آں بیشہ از اہرمن[۱]

دوسرے یہ کہ قدسی نے ہمیشہ اپنے ممدوح کو عرش کی بلندیوں پر پہنچایا ہے اور بڑے بڑے خطرناک موڑ پر بھی اُسے بے قصور ثابت کیا ہے۔ دُنیا جانتی ہے کہ یمین الدولہ آصف خان نے بلاقی، طہورث، شہریار کو صرف شاہجہان کا میدان صاف کرنے کے لیے موت کے گھاٹ اُتارا تھا، مگر قدسی نے اس کی توجیہ یوں کی ہے :-

"کہ ویران شود ملک از رخنہ گر"

شاہنامہ کلیم میں اس واقعہ کو بالکل معروضی انداز میں بیان کیا گیا ہے گو یہ طریقہ تاریخ کے لیے موزوں ہوتا ہے اس میں وہ زورِ کلام، جوش اور تنبیہ نہیں جو ظفر نامہ قدسی میں ہے۔ قدسی کے ہاں شاعری اور کلیم کے ہاں واقعہ نگاری ملتی ہے۔ ظفر نامہ کے چند اشعار مذکورہ بالا بیان کی توضیح کے لیے پیش کیے جاتے ہیں :-

عیاں است بر واقفِ خیر و شر | کہ ویراں شود ملک از رخنہ گر
سرِ مغزِ ملک در خاک بہ | ز اخلاطِ فاسد بدن پاک بہ
ز تن ہرچہ روید بناشد بجائے | بود چیدنی ناخن از دست و پائے
نکوئی دہد میوہ نخلِ مراد | بزنند اگر شاخ و برگِ زیاد
بہ تیغ دو سر آں سر افگندہ بہ | کہ در کارِ ملک افتد از وی گرہ
چو شاہین زد امروز از بیضہ سر | کند رغبتِ صید روزی دگر
بلاقی و طہورث و شہریار | تاں مہرہ ہوشنگ و گرشاسپ یار
بلاہور بودند ہر پنج شان | یمین دولہ افگندہ در رنجِ شان
کہ در قتلِ شان خانِ خدمت پرست | در آمد بلاہور فرماں بدست
در اجرای فرماں سگالندہ مرد | چہ دانم کہ دانی؟ چگویم چہ کرد؟
بلی نیست پنہان طبیعِ سلیم | کہ در پادشاہی نشاید سہیم
بنزدِ خرد ور نباشد روا | شریکِ جہاں چوں شریکِ خدا
چہ گوئی تو شد پادشہ ظلِ حی | نباشد یکی را دو سایہ ز پے
شدش لوحِ خاطر ز اندیشہ پاک | کہ از زادۂ شیر شد بیشہ پاک

حاصلِ کلام یہ کہ شاہنامہ کلیم اور ظفر نامہ قدسی کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ

۱؎ کلیاتِ قدسی، ورق: ۱۲۵ الف

موجودہ ظفرنامہ قدسی کی حیثیت مثنوی سے زیادہ کلیات کی ہے کیونکہ اس میں مثنویاں، قصائد، غزلیات و رباعیات وغیرہ بھی شامل ہیں، اس لیئے ہم نے دونوں کا مقابلہ و مقالسہ صرف مثنوی کے حصہ تک ہی کیا ہے اور شاہنامۂ کلیم ایک مکمل مثنوی ہے۔ اس کی ہیئت کلیات کی طرح نہیں جو مختلف اصنافِ سخن پر مشتمل ہو، اور نہ وہ کسی مثنوی کا تتمہ معلوم ہوتی ہے بلکہ شہنشاہ شاہجہان کے عہدِ زرین کے ابتدائی دس سال میں ظہور پذیر ہونے والے شاندار کارناموں کی مفصل تصویر و مستند منظوم ریکارڈ ہے جو تاریخ ادب میں رہتی دُنیا تک باقی رہے گا اور جس کی وجہ سے کلیم کو اپنے ہمعصر شعراء پر فوقیت حاصل رہے گی۔

بابِ چہارم

کلامِ کلیم کا تنقیدی و تحسینی مطالعہ

شاعری کا شمار فنونِ لطیفہ میں اس لیئے کیا جاتا ہے کہ اس کے ارتقائی منازل تدریجی طور پر لطافت پذیر ہوتے ہیں۔ صنعت اپنے کمال پر پہنچ کر صناعت کی منزل میں داخل ہوتی ہے۔ ابتدائے آفرینش کے وقت انسان کو سر چھپانے کے لیئے پناہ گاہ بنانے کی ضرورت محسوس ہوئی اور تمدن کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان ہی انسانی ہاتھوں نے ایک منزل پر پہنچ کر تاج محل کی تخلیق کی۔ اسی طرح اشاروں اور مختلف آوازوں کے ذریعہ مافی الضمیر کا اظہار کرنے والے انسانوں نے زبان کی ابتدا کی اور ان کی سعی مسلسل نے درجہ کمال پر پہنچ کر شعر کی تخلیق کی جسے الفاظ کے ذریعہ ساحری کرنا کہا جاسکتا ہے۔

رقص، تعمیر، مصوری، بُت سازی، موسیقی اور شعر میں بُنیادی طور پر تو کوئی فرق نہیں ہوتا البتہ ذریعہ اظہار مختلف ہوتا ہے اور انہیں ذریعہ اظہار کا حسین، لطیف، بلند و وسیع، پر معنی و اثر انگیز استعمال ہی فنکاری تصور کیا جاتا ہے۔ فنکاری میں صرف مواد و ہیئت ہی کو اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ القائے تصور، اور شاعر کا تجربہ بھی اہم ہوتا ہے جس سے مواد و ہیئت میں جان پڑتی ہے۔ کلاکار کی شخصیت جتنی جاندار و لطیف ہوگی، جذبات میں جتنا گداز اور تخیل میں جتنی گہرائی و پرواز ہوگی شعر اتنا ہی لطیف، ارفع و اعلیٰ، درخشاں و تاباں ہوگا کیونکہ اس کی نمو، اس کی تعمیر و تشکیل، رنگینی و اثر انگیزی کے لیئے خونِ جگر دینا ہوتا ہے اور ایسی شخصیتیں فلک کج رفتار کے ہزاروں سال کے ریاض کے بعد وجود میں آتی ہیں۔ ان میں سے ایک کلیم بھی ہے۔ جیسے مولانا شبلی نے "صحیفۂ غزل کا آخری ورق" کہا ہے۔

حیاتِ کلیم کی ابتدائی تفصیلات سے اس امر پر روشنی نہیں پڑتی کہ اس کے اسلاف کون تھے۔ اس نے کن کن سے فیض حاصل کیا تھا۔ ذوقِ شعری اسے ورثہ میں ملا تھا یا اس کے ریاض کا نتیجہ تھا۔ البتہ مدینۃ العلم شیراز کی بلند قدر ہستیوں کے پرتوِ علم نے کلیم میں وہ تابانی پیدا کر دی تھی کہ اس نے ان ہی صلاحیتوں اور سعی مسلسل کے ذریعہ ملک الشعرائی کا بلند مرتبہ حاصل کیا ؎

پختہ سازد صحبتش ہر خام را

تازہ غوغائے دہد ایام را

بعض شاعر ایسے ہوتے ہیں جو اسلاف کے راستے ہی پر چل پڑنے کو عین سعادت مندی تصور کرتے ہیں، بعض ان

ہی راہوں کو شاہراہوں میں تبدیل کرتے ہیں اور اُن کے نام رہتی دُنیا تک سرِ فہرست نظر آتے ہیں۔ کلیم نے متقدمین کے سرمایۂ شعر و سخن کو مشعلِ راہ بنا کر ان میں بعض جدتیں پیدا کیں۔ شاعری کے وہ جوہر دکھائے اور اپنے ہمعصروں میں وہ امتیاز حاصل کیا کہ اُسے "خلاق المعانی ثانی" کے لقب سے موسُوم کیا جانے لگا۔

قصیدہ کا رنگ متاخرین تک پہنچتے پہنچتے پھیکا ہو چکا تھا۔ عرفی نے کہا ہے ؎

قصیدہ کارِ ہوس پیشگان بود عرفی ٭ تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل است

کم تر قصیدہ اظہارِ علمیت کے لیئے اور زیادہ تر صلہ کی تمنا میں لکھے جاتے تھے کیونکہ دوزخِ شکم کے لیئے ایندھن ضروری تھا اور اربابِ ہُنر کو اپنی ناگزیر احتیاجات پُوری کرنے کے لیئے دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑتی تھیں، وطن کا عیش، عزیز و اقارب کی محبت تج کر پردیس کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں تب کہیں جا کر گوہرِ مُراد حاصل ہوتا اور کشتِ امید سرسبز ہوتا تھا چنانچہ کلیم کے حقایق بار قلم سے یہ شعر تراوش ہوا ہے ؎

چوں گہر غربت ما بہ ز وطن خواہد بُود ٭ دربدر گو بفگن گردشِ دوراں ما را

اور اکثر اوقات سفر کو حضر پر ترجیح دینے کے باوجود امن و آسایش نصیب نہیں ہوتا تھا ؎

رفت عمرم در سفر چُوں موج و نتوانم کلیم ٭ گوشۂ امنی دریں دریائے بے حاصل گرفت

یا تو امرا و رؤسا کے آستانوں پر جبین سائی کرنی پڑتی تھی اور ان ہی کی رقیبانہ چشمکوں، تشویق و تحریص کی وجہ سے ادب کو فروغ ہوتا تھا۔ شعرا "چشمِ سخنور" کی صلاحیتوں، پرکھ اور قدر دانیوں کے مطابق ریاضت کرتے اور اسی فکرِ سخن کے نتیجہ میں ادب کے شہکار وجود میں آتے ؎

چشمِ سخنور ترا تا بنظر نیاورد ٭ طبعِ کلیم ہیچ گہ فکرِ سخن نمی کند

شاعر اور مفکر اپنے دَور کے خارجی اثرات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جب تک وہ نئی راہوں کو نہ اپنائے، نئے موڑ کی عکاسی نہ کرے، اس کے کلام میں رُوحِ عصر رچی ہوئی نہ ہو، نبض کی دھڑکنوں کی آواز سموئی ہوئی نہ ہو تو وہ کلام لافانی ادب کا مظہر کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ کلیم کے اشعار میں اس عہد کی کسادبازاریِ سخن اور پھر اپنے شہبِ سخن کو شاہراہِ نو پر چلا کر لائقِ چشمِ خریدار بنانے کا تذکرہ ملتا ہے ؎

گر متاعِ سخن امروز کساد است کلیم ٭ تازہ کن طرز کہ در چشمِ خریدار آید

رنگینی و اغلاقِ سخن کو سادگی میں تبدیل کرنے کا اعتراف کرتا ہے ؎

کلیم از شعرِ رنگیں نیست بیت سادہ می گوید ٭ عروسِ تنگدستاں بیش از یں زیور نمی دارد

وہ آرٹ کی نمو خونِ جگر سے کرنے کا قائل ہے ؎

بی سینۂ او وشش رنگِ معنی نہ نمانند ٭ آئینہ ہمیں است عروسانِ سخن را

متقدمین سے متاخرین تک ہر شاعر و فنکار نے اپنے کو ارباب ہنر سے متعلق کیا ہے، جس سے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ اس طبقے میں مصور، موسیقار، دانشور، دستکار سب شامل تھے۔ علماء و ادباء کے لیئے کوئی علیحدہ اصطلاح یا درجہ متعین نہیں تھا۔ جاگیرداری سماج میں تمام صنعتوں، فن تعمیر، فنون لطیفہ ہر چیز کی تخلیق و ارتقاء کے لیئے امراء و جاگیردار اہل ہنر کی سرپرستی کرتے، پھر درمیانی طبقہ ہوتا اس کے نیچے محنت کش عوام کی اکثریت ہوتی اور اسی اکثریت سے اکثر اہل ہنر اُٹھتے تھے۔ محنت ان میں خود اعتمادی اور شخصی آزادی کا جذبہ پیدا کرتی اور امراء کی سختیاں، ان کے فن سے غلط استفادہ کرنے کا ماحول انہیں حساس بنا دیتا تھا جس کی وجہ سے تنگ آکر وہ صدائے احتجاج بلند کرتے۔ "دُنیا" سے مراد "مستبد و جابر حکام" ہوتی اور ان کا قلم چیخ اُٹھتا کہ دنیا نے بالکل اسی طرح "اہل سخن" پر کار و بار حیات تنگ کر رکھا ہے جسطرح کے خوش الحان پرندے کو آہنی قفس میں بند کیا جاتا ہے ؎

کار بر اہلِ سخن دہر ز بس سخت گرفت قفسِ طوطیِ خوش لہجہ ز آہن باشد

سماج کے عام بنتے، بگڑتے حالات اور نظم و نسق کے انتشار یا امن و ضبط کے ساتھ ساتھ ان پر عرصۂ حیات تنگ و فراغ ہوتا ہے، مگر اہلِ ہنر تنگدستی ہی میں رہتے ہیں اس لیئے اس کا اظہار ان کی زبان سے ہو ہی جاتا ہے ؎

ہمیشہ اہلِ ہنر را زمانہ عریاں داشت فسانہ ایست کہ خم جامۂ فلاطون بود

ذوق نے بھی کہا ہے ؎

یُوں پھریں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

ارباب ہنر کا سب سے گراں قدر سرمایہ اُن کا ہنر ہے۔ زمانہ کی ناقدری کی وجہ سے ان "مفلسوں" کو اپنے اس قیمتی سرمایہ کو ارزاں فروخت کرنا پڑتا ہے اور شاعر تڑپ کر کہتا ہے کہ "تہی دستیِ دوراں" کی وجہ سے ان کو قیمت گرانی پڑتی ہے ؎

مفلس از جنسِ خود ارزاں نفروشد چکند کم بہا کرد تہی دستیِ دوران ما را

گاہکوں کی کمی کی وجہ سے جنسِ سخن اپنی اصلی قدر و منزلت نہیں کھوتی مگر گراں قدر تحفہ کسادبازاری کی وجہ سے ارزاں بکتا ہے اور یہ فنکار کی توہین ہے جسے کلیم برداشت کرنے تیار نہیں ؎

از کمیِ مشتری جنسِ سخن خوار نیست تحفہ گراں قیمت است جوششِ خریدار نیست

اور جب شاعر نے اپنے ماحول میں ناقدری کی انتہا دیکھی تو بے نیاز ہوگیا اس لیئے وہ اپنے آپ کو تسکین دیتا ہے کہ "قدرِ سخن" نہ بھی ہو تب بھی کونسا مقام شکوہ و شکایت ہے۔ اس "بازارِ جہاں" میں "آبِ حیواں" کی کون قیمت ادا کر سکے ہے جو جنسِ سخن کی کرے گا ؎

نہ از خواری ست گر قدرِ سخن را کس نمی داند ببازارِ جہاں قیمت کہ داند آبِ حیواں را

کلیم بھی حالات کے اقتضا سے مجبور تھا اس نے اپنے عہد کے تقریباً ہر اہم واقعہ پر قصیدہ، مثنوی یا قطعہ لکھا اور اس کے صلہ ہی کے سہارے اپنی زندگی کے دن گزارتا رہا۔ اس کا کلام شاہد ہے کہ شاعر صرف آسمان سے من و سلویٰ

رت مند فنکار کی طرح زمین اور زمین والوں

اُترنے کا منتظر نہیں رہتا بلکہ اپنی کاوش اور سعیٔ مسلسل سے ایک خوددار اور عیو

سے اپنی محنت کا معاوضہ طلب کرتا ہے ۔

کدام گنج کہ در گنجِ خاکساری نیست ‌ ‌ تُو از زمیں بہ طلب ہرچہ آسماں نہ دہد

چرخِ جفا کار اور ناقدر شناسانِ سخن کے حوصلہ شکن سُلوک سے فنکار کا دل بجھ جاتا ہے ا ‌ ‌ در اس کے قلم سے اس طرح خیالات

کا ترشح ہوتا ہے ۔

ہنرم را ثمری چرخ جفا کار نداد ‌ ‌ دیدۂ قدر شناسی بہ خبر بیدار نہ داد

مولانا شبلی کا خیال ہے کہ :

"کلیم نے عرفی اور نظیری کی پیچدار اور مشکل بندشیں صاف کر کے مبالغہ اور حُسنِ تعلیل کو وسعت دی لیکن

اس کے ساتھ قصیدہ کا زور اور اس کی متانت اور بلندی کم ہو گئی اور غزلیت کا رنگ غالب آگیا"

اور ایک جگہ خود اعتراف کرتے ہیں :

"لیکن درحقیقت یہ عہد غزل کی ترقی کا عہد ہے"

کلیم نے جو مدحیہ قصیدے، قطعات اور مثنویاں لکھیں اس سے حُصولِ معاش اور اظہارِ علمیت دونوں مقصود تھے

اس کے بعض قصیدے یقیناً نہایت شاندار ہیں اور شاہجہان کی سخن سنجی و داد و دہش خود اسکی شاہد ہے ۔

قدما کی طرح کلیم کے قصاید میں بھی تمہید اکثر بہاریہ انداز میں ہوتی ہے اور اس میں معنوی و صُوری خوبیاں بدرجہ اتم پائی

جاتی ہیں ۔

چمن تمام فرح شد ز انبساطِ بہار ‌ ‌ چہ بادہ در سر دچہ گُل بگوشۂ دستار

رطوبتست ہوا را کہ بر نمی آید ‌ ‌ ز زیر شبنم نرگس چو چشم عینک دار

کشید وسمہ بر ابروی موجہ سبزۂ تر ‌ ‌ نہادہ پرتوِ گلہا حنا بدستِ چنار

٭ ٭ ٭

چناں ز مقدم نوروز شد طراوت ‌ م ‌ ‌ کہ سبز گشت ہم از آبِ تیغ چوب نیام

زمانہ از رقم سبزہ بر صحیفۂ خاک ‌ ‌ سند نوشتہ کہ از ابر می ستاند وام

شگوفہ پیرہنِ تر بشاخ اگر چہ نگ شد ‌ ‌ ندید پرتو خورشید را دریں ایام

ز حُسنِ تربیتِ بر شگال نیست عجب ‌ ‌ کہ خارپشت شود ہمچو گُلِ حریر اندام

٭ ٭ ٭

دگر بہار جہاں را چناں گلستاں کرد ‌ ‌ کہ شوقِ سیرِ چمن سرو را خراماں کرد

چو وام دار تہی دست از خجالتِ ابر　　بزیرِ سبزہ زمیں روی خویش پنہاں کرد
بخطِ سبزۂ نورستہ باز دستِ بہار　　نوشتہ متنِ دقیقی کہ شرح نتواں کرد

٭ ٭ ٭

کلیم موسم کی عکاسی، منظر نگاری میں جزئیات کو اس تفصیل سے قلمبند کرتا ہے کہ ایک مُصور کا موقلم اشعار کی رہنمائی میں خوبصورت اور مکمل تصویر بنالے اور تخیل کا آب و رنگ سامعین کے چشمِ تصور میں اس مقام کو جنت نظیر بنا کر پیش کرے۔

زمین کی زرخیزی اور قوتِ نمو کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے ۔

عُروجِ نشو و نما بیں کہ ہمچو سبزۂ خط　　بہ رُخ از آب عرق سبز گشت دانۂ خال
نموِ سبزۂ تر ہمچو آبِ فوارہ است　　کہ تا ز صحنِ چمن سرزدہ است کشتہ نہال
شگوفہ سیم فشاں بی نسیم تحریکی　　کرم گہیست کہ بخشند پیشتر ز سوال
دریں بہار گنہ گر فرشتہ بنویسد　　نمِ ہوائیش بشوید ز نامۂ اعمال

آخر الذکر شعر میں تو مضمون آفرینی کی معراج ہے اس کا قلم شاعری نہیں ساحری کر رہا ہے ۔ بہار کا موسم ہے ، عطر بیز ہوائیں چل رہی ہیں ، سارے سامانِ عیش مُہیا ہیں موسم کے اثر سے یقیناً انسان سے گُنہ سرزد ہو رہے ہیں لیکن شاعر یہ کہہ کر ان کے خوفِ عقوبت کو کم کرتا ہے کہ فضا میں اتنی خنکی اور نمی ہے کہ اگر فرشتہ ہمارے گُناہ لکھ بھی لے تو ہوا کی نمی اس کو نامۂ اعمال سے دھو ڈالے گی اور جب کوئی ریکارڈ ہی نہیں رہے گا تو احتساب کس چیز کا ہوگا ۔

کلیم کی نُدرتِ خیال اور جدت آفرینی سے کوئی ناقد انکار نہیں کرسکتا ۔ مولانا شبلی اس جگہ اس کا لوہا مانتے ہیں " اسکی (کلیم) جدت آفرینیاں استعجاب کے قابل ہیں "۔

ایک قصیدہ میں اپنے ممدوح کے انتظامِ سلطنت کو اتنا سراہا ہے کہ جدتِ خیال مبالغہ و غلو کی سرحدوں تک پہنچ گئی ہے ۔

بعہدش آں چناں ورخواب امن است　　کہ باید پاسبانی پاسباں را
بملکش راہ زن مانندِ جادہ　　بمنزل می رساند کارواں را
بعہدِ عدلِ اُو واپس ستاند　　چمن از خاکِ زرہائے خزاں را
کفش پرداخت کانِ گوہر و زر　　فلک بر چید آخر ایں دکاں را

یہ دیکھئے ممدوح کی صفت عطا کو کس شان سے سراہا ہے ۔

اگر ز کوہِ وقارش بہ بحر سایہ فتد　　عجب کہ موج در آید ز جا ز جنبشِ باد
عطاش مستحق و غیر مستحق نشناخت　　بنزدِ ابر چہ ویراں چہ منزلِ آباد

ممدوح کو سراہنا ہر مادح کا فرض ہوتا ہے ۔ بے پناہ نوازشوں کو کتنے ہوشمند اور حسین انداز میں سراہا ہے
ابر کا کام برسنا ہے خواہ بستی ہو یا ویرانہ وہ یکساں نوازتا ہے اسی طرح اس کا ممدوح بھی نہال کرتا ہے ۔ اہل کو تو
ہر ایک دیتا ہے نااہل کو دینا غیر معمولی جذبۂ سخا کے حامل شخص ہی کا دل ہوتا ہے ۔

صنفِ غزل عہدِ متاخرین میں جولانگہ قلم بنی ہوئی تھی ۔ اس میدان میں شعراء نے جو جدت آفرینیاں کی تھیں
وہ واقعی استعجاب کے قابل ہیں ۔

اختر اورینوی کہتے ہیں :

" ایک غزل قیمتی موتیوں کا ہار ہے ، وہ تاج محل نہ سہی ، اعلیٰ غزلوں میں نیم وحشیانہ ابتری نہیں ہوتی
بلکہ رُوحانی ربودگی پائی جاتی ہے "

مشاہدہ ، تصور یا خیال ، احساسات ، جذبات ، تخیلات و وارداتِ داخلی کی منزلوں سے گزر کر شاعرانہ تجربہ
کی نئی منزل میں داخل ہوتا ہے تو شعر کی صُورت اختیار کرتا ہے ۔ کلیم کی فنکاری میں ہمیں جذب و سوز ، خیال کی پرواز
قوتِ ادراک ، حُسنِ وجدان ، یاس و امید کی کشمکش ، درد و گداز ، طنز و جدت اور تازہ خیالی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں ایسے
بیان واقعیت کا حُسن بھی ہے اور مثالیت کا جمال بھی ۔ مضمون آفرینی کی کثرت بھی ہے اور بلاغت و فصاحت کا امتزاج
بھی ۔ وہ ایک طرف نقاشی و بُت سازی کرتا ہے جس کی رہنمائی میں ایک مصور کا موقلم حسین تصویر بنا سکتا ہے تو دوسری
طرف اشاریت و ایمائیت کے جلوے ملتے ہیں ۔ اس کے فن میں لطافت ، عمق ، رفعت و وسعت بھی ملتی ہے ۔

مضمون آفرینی کی مختصر تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے کہ وہ نیا استعارہ ، یا تشبیہ ، انوکھا مبالغہ یا حسن تعلیل کا
مجموعہ ہوتا ہے ۔ نادر تشبیہیں اور پُرمعنی استعارات ، حُسن انتخاب و ترکیب کے امتزاج سے پیدا کیے جاتے ہیں اس تخلیق میں
کلیم کے تخیل کو بڑا دخل ہے ۔ لب و لہجہ ، تیور ، طرز ، آہنگ اور صوت کی تاثیر سے وہ بخوبی واقف ہے ۔

تشبیہہ

حیا ایک حسین ادا ہے بزبان غالب " ادائے ناز " ہے اور اس موضوع پر تقریباً ہر شاعر نے طبع
آزمائی کی ہے ۔ تشبیہیں اختراع کی ہیں ، نادر ، اچھوتی ، نرالی تشبیہیں ۔ مگر کلیم کی لاجواب تشبیہہ
مُلاحظہ فرمائیے کہ وہ حیا کو محبوب کی مست آنکھوں کے گوشوں میں اسطرح سموئے ہوئے دیکھتا ہے جیسطرح نام نہاد اہل بزم
شراب میں اغیار سے ڈرتے ، معترضین سے خائف ہوتے اور دوستوں سے ہچکچاتے ہوئے داخل ہوتا ہے ؎

حیا بگوشۂ آں چشم مست جا کردہ — چُو زاہدی کہ بہ بزم شراب می آید

کلیم کو اپنی گرفتاری دل پر ہنسی آتی ہے اور دیوانہ وار ہنسی ۔ کیونکہ عشق ابھی خام ہے اور غالب اس منزل
سے ایک قدم آگے ہو گئے تھے اس لیے ان کے پاس ہنسی کا تصور بھی مفقود ہو گیا تھا ؎

بر گرفتاری دل خندہ زنان می گذرم — ہمچو دیوانہ کہ از پیشِ دبستان گذرد

کسی بات پر نہیں آتی

مسرت کے لمحات بہت جلد بیت جاتے ہیں " حنائی عیش " کی ترکیب باندھنے سے خود ناپیداری جھلک رہی تھی ، اس پر شفق سے تشبیہہ دے کر بے ثباتی عیش کو انتہا پر پہنچا دیا ہے ۔

حنائے عیشِ جہاں چوں شفق نمی ماند دلا ز دست مده اشکِ ارغوانی را

یوں تو بہت سے شعرا نے محبوب کی تنگ دہنی کی تشبیہہ مختلف خوبصورت چیزوں سے دی ہے اس لیے کہ دہنِ تنگ لوازمۂ حسن میں شمار ہوتا ہے ۔ مگر کلیم نے بندوق کی نالیوں کی تنگی کو دہنِ محبوب سے تشبیہہ دیکر جدت پیدا کردی ہے ، ان اشعار میں یہ خیال بھی پایا جاتا ہے کہ چونکہ محبوب بغیر تیغ و تفنگ کے جان لیتا ہے اور پھر بھی اس میں تیغ کی سی اثر آفرینی اور قہر ہوتا ہے اس لیے شاہ کی تفنگ ایک تنگ دہن محبوب ہے کہ اس کی زد میں آیا ہوا کوئی ذی روح اپنی جان اور سر سلامت نہیں لے جا سکتا ۔

تفنگِ شاہجہان دلبریست تنگ دہان که کس دریغ از و جان و سر نمی دارد

بلب قراولِ زیباش دلنشیں جاییست که دیده بانش از چشم بر نمی دارد

غمِ دہر اگر زیادہ ہو جائے تو غمِ جاناں بھی انسان بھول بیٹھتا ہے ۔ فراغت کے اسباب مہیا ہونے پر عیش و نشاط نغمہ و سرود یاد آتے ہیں ۔ جب معاشی و معاشرتی حالات دگرگوں رہے تو عشق بھی گلدستۂ طاقِ نسیاں ہو جاتا ہے ۔ نہ عید ، نہ شب برات ۔ شاعر کہتا ہے کہ غمِ دوراں نے مجھے ایسا گھیر رکھا تھا کہ یں اسی یں اتنا غرق تھا کہ شباب کے عیش سے ایسے آگاہ نہ ہو سکا جیسے عید قیدیوں پر سے گزر جائے اور وہ اس سے لطف اندوز نہ ہو سکیں ، نہایت نادر اور اچھوتی تشبیہہ پیش کی ہے ۔

آگہہ از عیشِ جوانی نشدم در غمِ دہر ہمچو آں عید که بر مردمِ زنداں گزرد

وہ نگہ جو بظاہر نگاہ سے کم ہوتی ہے اگر بہ تغافل بھی دل پر سے گزر جائے تو سیخ مژگان ، کباب دل کو ایسا برما دیتی ہے جیسے سیخ آہنی لحم کو برماتی گزرتی ہے ۔

اگر ز دل بہ تغافل گذشتہ مژگانش چناں گذشتہ کہ سیخ از کباب می گزرد

دخلِ بیجا ہمہ جا در سخنم می آید ایں مگس لازمِ شیرینیٔ گفتارِ من است

تشبیہہ قابلِ ستائش و لائق داد ہے ۔ بیجا مداخلت کو مکھی سے اور اپنے کلام کو شیرینی سے تشبیہہ دی ہے اسلوب بیان سے جو ندرت پیدا ہو گئی ہے وہ بجائے خود ایک جدت ہے اور شاعر کی جودتِ طبع کی دلیل ۔

عہدِ پیری آچکا ہے اور نظر میں فتور آگیا ہے ۔ کہتا ہے کہ ضعفِ نظر کی وجہ سے عینک لگ گئی ہے اس خمیدہ کمری میں " فکرِ دل " عیش و نشاط ، تمنائے نائے و نوش ہی ختم ہو جانی چاہیئے ۔ ہنگام جوانی اس کے لیے موزوں ہوتا ہے ۔ ضعیفی میں یہ خیال بھی ہوس ہوتا ہے ۔

باریک بنیت چو ز پہلوئے عینک است   باید زفکرِ دل بر لاغر میان گذشت

حافظ نے بھی اس مضمون کو باندھا ہے ؎

چوں پیر شدی حافظ از میکدہ بیروں شو   رندی و ہوس ناکی در عہدِ شباب اَولی

مگر کلیم کے بیان میں جو متانت و اچھوتا پن ہے وہ حافظ کے ہاں نہیں ؎

صوتِ بلبل جائے قلقل گشت از مینا بلند   چوں ز تاب بادہ ساقی چہرہ را گُل ریز کرد

مینا سے شراب ساغر میں انڈیلتے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو اصطلاح میں "قلقلِ مینا" کہا جاتا ہے۔ کلیم نے اس سے یہ فائدہ اُٹھایا ہے کہ جب آب و تابِ شراب اور حدت سے ساقی کا چہرہ خود گُل ریز یعنی عارض و رخسار پھول کی طرح سُرخ سُرخ ہو گئے تو مینا سے آوازہ بادہ کی جگہ بُلبل کی صدا بلند ہونے لگی۔

جلیل مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

آنکھوں میں کون آ کے الٰہی نکل گیا   کس کی تلاش میں مرے اشکِ رواں چلے

محبوب محفل سے اُٹھ کر چلا گیا۔ محفل سونی ہو گئی۔ ہجر میں جو اضطراب تھا اور حضوری کی وجہ سے جو قدرے تسکین ہوئی تھی وہ بھی ختم ہو گئی حتیٰ کہ دامنِ صبر بھی چھوٹ گیا اور بے اختیار آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ ایسے ہی جیسے کسی کی تلاش میں اشکِ رواں کا کارواں روانہ ہوا ہو یا سلطان کی جستجو میں لشکرِ سپاہ چل پڑتا ہے۔ عرضِ حال بھی کس شان اور شدت سے کیا ہے کہ جانے والا بھی پلٹ آیا ہو گا ؎

رفتی و مضطرب ز قفایت دو دیدہ اشک   چوں لشکرے کہ از پئے سلطاں بر آمدہ

حبیب کو اپنی آتش بیانی و آتش زبانی پر ناز تھا لیکن رعبِ حسن نے عرضِ حال کا موقع نہ دیا اور حبیب منتظر ہے کہ آنسوؤں کا چشمہ آنکھوں سے بہنے لگے تاکہ توجہِ محبوب کا باعث بنے اور حالِ دل بیان کرنے کا بہانہ ہاتھ آئے ؎

ہمچو شمع آتش زبانم لیک وقتِ عرضِ حال   می نشینم منتظر تا گریہ را ہے وا کنند

حسنِ تعلیل کون نہیں جانتا کہ انسان مر کر پھر زندہ نہیں ہوتا مگر شاعر کا خیال ہے کہ زمانہ دوبارہ دیکھنے کے قابل نہیں ہے اس لیے کوئی واپس نہیں آتا ؎

وضعِ زمانہ لایقِ دیدن دوبارہ نیست   رو پس نکرد ہر کہ ازیں خاکداں گذشت

شفق پھوٹنے کی توجیہہ کلیم نے اس طرح کی ہے کہ ہر شام سپہر اپنے سرور کے اقتضا سے "حنائے عید" اُفق پر لگاتا ہے اور پتہ نہیں کب تک لگاتار ہے گا ؎

ہمیشہ تا کہ سپہر از شفق ہمی بندد   حنائے عید بہ ہر شام ز اقتضائے سرور[۱]

۱۔ کلیات کلیم، ورق: ۷۵ ب

سبزہ خود رو ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ سبزہ اُگنے لگے تو زمین چھپ جاتی ہے مگر شاعر کا دستہ لال ہے کہ وہ ابر کی خجالت سے ایک تہیدست قرضدار کی طرح اپنا مُنہ چھپائے ہوئے ہے ؂

چو وام دارِ تہیدست از خجالتِ ابر — بزیر سبزہ زمیں روی خویش پنہاں کرد[1]

یہ قانونِ فطرت ہے کہ پھُول اپنے وقت پر کھلتا ہے اور مرجھاجاتا ہے مگر کلیم کو اس کی علت کچھ اور نظر آتی ہے وہ کہتا ہے کہ گُل "ترنمِ بُلبل" کی وجہ سے نہیں کھلتا بلکہ "غنچہ کسبِ ہوا" کے لیئے سینہ واکرتا ہے ؂

نہ از ترنمِ بلبل شگفتہ گُل در باغ — کہ بہرِ کسبِ ہوا غنچہ سینہ واکردہ است[2]

محبُوب کا حُسن قیامت جگاتا رہتا ہے۔ جب وہ بزم میں آتا ہے تو بقول میرؔ اس کے بعد چراغوں میں روشنی باقی نہیں رہتی ۔ تابندگی و درخشانی کا یہ عالم اور قامتِ فتنہ زا کا وہ عالم کہ جب وہ اُٹھتا ہے تو مخلوقِ خدا دل تھامے بیٹھ جاتی ہے۔ لہٰذا شمع سے یہ برداشت نہ ہوسکا اور شرم سے پگھل کر وہ ختم ہوگئی۔ عام آدمی کی سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ حدتِ شعلہ سے شمع کی موم پگھل گئی ہوگی لیکن شاعر کا بلند پروازِ تخیل اس کا ایک حسین سبب ڈھونڈ لیتا ہے ؂

شمع بگداخت سراپا و شد از شرم خلاص — تا بکی خجلت از آن قامت و رخسار کشید[3]

فتح کی خوشیاں ہیں، ماحول پر سُرور نشاط چھایا ہوا ہے، شاعر کے تصور میں یہ خیال اُبھرنے لگتا ہے کہ گردُوں بھی ازدیادِ مسرت سے طفلِ سرکش کی طرح مچل رہا ہے اور اس عالمِ مدہوشی میں کواکب کی انگوٹھیاں اُتارلی جاسکتی ہیں ؂

گردون نشاطِ کودکی از سر چنان گرفت — کانگشتر کواکبش از سر توان گرفت[4]

"جورِ مہرویان" مشرقی محبُوب کی خالص ادا ہے اور اس کا شکوہ بھی یہاں کے حبیب کا خاص موضوع لیکن اس کو اسقدر انتہائی مُبالغہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ واقعی "خورشیدِ قیامت" کے رخساروں سے رنگ اُڑنے کا سماں آنکھوں کے آگے پھر جاتا ہے ؂

گر بحشر از جورِ مہرویان شکایت سر کنم — رنگ از رخسارِ خورشیدِ قیامت می رود[5]

محبُوب کے گیسوئے خمدار دراز ہو کر کمر تک پہنچگئے ہیں شاعر کا خیال ہے کہ یہ عمل درازی اس لیئے ہے کہ وہ کمر سے

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق — [2] کلیاتِ کلیم، ورق

[3] " " " — [4] " " "

[5] " " "

بل کھانا سیکھ رہے ہیں شاعر نے اپنے خیال کے مطابق ایک حسین علت نکال لی ہے ؎

رود بہ سوئے کمر طرہ ات بستر ہر دم — برائے آن کہ ازو کسب پیچ و تاب کند[1]

پہلو میں دل کا بہت شور تھا مگر "سوزِ تبِ ہجر" سے خون اتنا خشک ہو گیا ہے کہ ایک آبلہ کو بھی "آب" نہیں مل سکی ؎

خونِ دل رُو بہ کمی کردہ زسوزِ تبِ ہجر — آنقدر نیست کہ یک آبلہ را آب دہد[2]

اذیت پسندی اور جرات کا یہ عالم ہے کہ تیروں کی بارش ہوئی جا رہی ہے اور زخموں سے اتنا خون بھی ٹپک سکا کہ تشنگیٔ غم کم ہو سکے ؎

زیں ہمہ بارانِ پیکان زخم را لب تر نشد — خشک سالِ عاقبت شد آب در آہن نماند[3]

غالب نے شاید اسی خیال کو بہ رنگِ دیگر باندھا ہے ؎

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک — میرا سرِ دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

ہلال خود خمیدہ ہوتا ہے لیکن شاعر کا تخیل اسے "بارِ غم" کے تلے جُھکا ہوا دیکھ رہا ہے ؎

ہلال از بارِ غم خود را کمان کرد[4]

محبوب کے لبِ خنداں کا خیال حبیب کے خاطرِ غمگین میں آبِ بقا کی طرح سمایا ہوا نظر آتا ہے ؎

تضاد

خیالِ آں لبِ خنداں بہ خاطرِ غمگیں
بسانِ آبِ بقا در سرائے فانی بود[5]

محبوب کے ظاہری ستم میں حبیب کو "لطفِ نہانی" پنہاں دکھائی دیتا ہے ؎

ستمِ ظاہر اُو لطفِ نہانی دارد — صید را می کشد آں شوخ کہ لاغر نشود[6]

کلیم کو "ویرانۂ جنون" کی دلکشی "قصرِ غنی" اور "کلبۂ فقیر" سے زیادہ اپنی طرف کھینچتی ہے ؎

دیدم کلیم قصرِ غنی، کلبۂ فقیر — ویرانۂ جنون زہمہ دلکشا تراست[7]

شاعر کا کلام اپنے عہد کی تاریخ ہوتا ہے۔ عوام الناس کی بدحالی اس سے دیکھی نہ گئی۔ انفرادی غم کے پردہ میں اس نے سارے معاشرے کی حالت کا اظہار کیا ہے۔ کاروبار کی بے رونقی سے ظاہر ہے کہ ملک میں کوئی چیز کشادہ

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۰۸ الف
[2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۰۹ ب
[3] " " : ۱۷۱ ب
[4] " " : ۴۳ ب
[5] " " : ۲۲۹ ب
[6] " " : ۲۰۰ الف
[7] " " : ۱۶۲ الف

رہ سکتی ہے تو وہ دستِ سائل ہی ہو گا ؎

از بستگی کار دریں روزگار تنگ ؎ چیزی اگر کشادہ بود دستِ سائلست[1]

استحصال کرنے والا طبقہ حریص ہو گیا ہے اور دستِ گدا سے کاسۂ گدائی تک چھین لینے کو ہے ایسے ماحول میں پتہ نہیں کہ عوام کا کیا حال ہو ؎

در حیرتم کہ حال فقیراں چہ می شود ؎ حرصِ غنی چو کاسہ زدستِ گدا گرفت[2]

شاعر انسان کو اس کی عظمتوں کا سبق اپنے انفرادی جذبات، احساسات کے اظہار سے دے رہا ہے کہ کائنات کے نشیب و فراز کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا خواہ خوشیوں کی زیادتی ہو یا غم کا ہجوم وہ ہر حالت میں خوش رہتا ہے ؎

از بد و نیک جہاں خرم و غمگیں نشوم ؎ خار تا زانو و گل تا بجگر یباں آید[3]

جدتِ تخیل طرزِ ادا کی جدت اور ندرتِ خیال کو کلیم نے بے حد فروغ دیا۔ یہ اور بات ہے کہ مولانا شبلی کے سوا دیگر ناقدین نے اس کے بحرِ کلام میں غواصی کر کے دُر ہائے شہوار کو ساحل پر لانے کی کوشش نہیں کی، یہاں اس کی ندرت و جدت کے چند نمونے ہدیۂ قارئین کرتے ہیں۔

شاعر شمع کو دیکھتا ہے اور ساتھ ہی انسان کے جذبۂ عُروج کا خیال ذہن میں آجاتا ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ انسان کو سربلند "افسر" کی وجہ سے نہیں بلکہ اچھے کارناموں کے سبب ہونا چاہیئے اگر تاج ہی سر پر رکھنا چاہے گا تو شمع کی طرح اُسے بھی "کاہشِ تن" برداشت کرنی ہوگی کیونکہ شمع بارِ افسر ہی سے گھلتی رہتی ہے ؎

بگذر از سودای افسر تا بمانی سربلند ؎ شمع را این کاہشِ تن بارِ افسر میدہد

سوزِ ما رانیست پایانی خوشا احوالِ شمع ؎ گر تپش در شام میگیرد سحر میدہد[4]

کلیم کو اپنے جذبۂ شوق پر اتنا بھروسہ ہے کہ بغیر رہبر وہ منزل تک چلے جانے کا قایل ہے۔ سیلاب کو کون بیاباں کا پتہ دیتا ہے۔ اسی طرح شوقِ کامل بھی منزل پر پہنچا دیتا ہے۔ رہنما تو اکثر رہزنی کرتے ہیں۔ عزم ہی کی رہبری انسان کو سیدھے راستے پر لاتی ہے ؎

با رہنما چہ کار اگر شوق کامل است ؎ کس سیل را سراغِ بیاباں نمی دہد[5]

محبوب کے سر میں پھول لگے ہوئے دیکھ کر شاعر کو شمع کا گل یاد آجاتا ہے اور وہ سوچنے لگتا ہے کہ محبوب اضافۂ حسن

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۵۹ ب [2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۹۳ ب

[3] " " : ۲۴۱ ب [4] " " : ۱۲ ا

[5] " " :

کے لیے پھول لگاتا ہے اور شمع، گل اس لیے جھڑ الیتا ہے کہ کہیں شرم سے پانی نہ ہو جائے ؎

تو گل بسر زدی و شمع گل ز سر برداشت   ز بیم آنکہ مبادا ز شرم آب شود[1]

"کتابِ دل" سے "فالِ عافیت" کوئی نہیں لے سکتا کیونکہ وہ تو جنون کا تابع ہوتا ہے۔ اس لیے انجام شیرازہ ہستی کے انتشار کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا ؎

ز دل ورق، ورقِ خویش پارہ پارہ کنم   کزیں کتاب کسی فالِ عافیت کم دید[2]

معاشرے میں باہمی تعاون اور ہمدردی، ارتباط جب تک نہ ہو تمدن ارتقاء پذیر نہیں ہو سکتا۔ انسانیت تہذیب تمدن کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ معاشی بدحالی، دوستوں کی سرد مہری اور بے اعتنائی کا باعث ہوتی ہے اور اس کیفیت کو کس قدر نادر پیرایہ میں باندھا ہے۔ ہجومِ غمگساران میں جلتے ہوئے دل کو اس سفینہ سے مشابہ بتاتا ہے، جو کثرتِ آب کے باوجود جل رہا ہو ؎

میانِ غمگساراں سوزم از غم   چوں آں کشتی کہ در دریا بسوزد[3]

اہلِ دنیا مطلبی ہیں، خواہ اُن کی کتنی ہی خوشامد کی جائے وہ وقت پڑنے پر کام نہیں دیتے کے مفہوم کو اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے ؎

دستِ ہر کس را لبانِ سبحہ بوسیدم چہ شود   ہیچ کس نکشود آخر عقدۂ کارِ مرا[4]

تخلیقِ کائنات کا مقصد آج تک کسی فلسفی نے نہیں بتایا۔ ہر ایک اس گتھی کو سلجھانے میں مصروف ہے۔ کسی نے کہا کہ کوئی نہیں جانتا کہ منزلِ گہِ مقصود کہاں ہے، صرف اتنا سراغ ملتا ہے کہ ایک صدائے جرس سنائی دیتی ہے کسی نے دنیا کو ایک کہنہ رباط سے تعبیر کیا، جس کے دو دروازے ہیں۔ ایک زندگی دوسرا موت۔ کلیم کے پاس کائنات ایک ایسی کتاب ہے جس کا آغاز و انجام کسی کو معلوم نہیں ہے یہ "کتابِ کہنہ" کا اوّل و آخر گر چکا ہے۔ یا پھر دنیا ایک ایسی کتاب ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ یا پھر دنیا ایک ایسی شکستہ کشتی ہے جو بحرِ حوادث میں ہچکولے کھاتی رہتی ہے اور اس میں کوئی آرام کا سانس نہیں لے سکتا اور آخر میں وہ دنیا کو خواب تصور کرتا ہے اور اس سے نجات کا طریقہ زندگی سے فرار ہے اور یہ یاس ہی زندگی کے لیے زہر کا کام کرتی ہے ؎

ما ز آغاز و ز انجامِ جہاں بے خبریم   اول و آخرِ ایں کہنہ کتاب افتادہ است[5]

---

۱ کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۰۷ ب
۲ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۸۶ ا
۳ " " : ۲۲۰ ب
۴ " " : ۱۴۱ ا
۵ " " : ۱۵۶ ب

عالمی را کہ کتابست بحق راہنما   کعبہ دار و ہوس و قبلہ نما می بیند[1]
دنیا شکستہ کشتی بحرِ حوادث است   در کشتی شکستہ کسی آرمیدہ نیست[2]
دنیا خیال و خواب است وین خواب نزدِ دانا   آسایشی ندارد بہتر ز چشم بستن[3]

زندگی اور حوادثات کے تعلق کو کتنے بہتر طریقے سے بتایا ہے ۔

بحریست زندگی کہ نہنگش حوادث است   تن کشتی است و مرگ بہ ساحل رسیدن است[4]

جبر و قدر کا مسئلہ ایسا پیچیدہ و نازک ہے کہ اس کو بڑے سے بڑا صوفی بھی نہیں سمجھا سکتا۔ بلند پایہ عالم بھی یہاں عاجز آجاتا ہے۔ مکتبِ قدریہ والے مختارِ محض اور مکتبِ جبریہ والے مجبورِ محض کہتے ہیں۔ فاعلِ حقیقی خدا ہی ہوتا ہے۔ "ناحق ہم مجبوروں" پر "مختاری" کی تہمت دی جاتی ہے۔ میر کی طرح کلیم بھی "توسنِ ارادہ" پر اپنے آپ کو ایسی حالت میں سوار بتلاتا ہے جس کے دستِ اختیار میں ٹوٹی ہوئی عنان ہو ۔

بر توسنِ ارادۂ خود کس سوار نیست   در دستِ اختیار عنان گسستہ است[5]

غالب مے نوشی سے حصولِ نشاط نہیں بلکہ صرف بیخودی چاہتے ہیں اور کلیم مے پرستی سے حُبّ الوطنی کے بھڑکتے شعلوں کو اور بھڑکانا چاہتا ہے ۔[6]

میخانہ نشستم نہ از بادہ پرستیست   کز دل نہ تواں کرد بروں حُبِّ وطن را[5]

ہر شخص اپنی فطرت، اپنی ساخت کے لحاظ سے جیسے الگ ہوتا ہے ویسے ہی اُس کی تقدیر بھی جُدا، جُدا ہوتی ہے یہ دیکھ کر شاعر کو شک سا ہونے لگتا ہے کہ جب کاتبِ تقدیر ایک ہے تو نوشتۂ تقدیر میں اسقدر فرق واختلاف کیسے واقع ہوا ہے ۔

این قدر فرق میانِ خط یک کاتب چیست   سرنوشت ہمہ گر از قلم تقدیر است[7]
از دلِ روشنم اسرارِ دو عالم پیداست   حیف ازین آئینہ کآرایش دیوارِ من است[8]

کلیم کہنا یہ چاہتا ہے کہ دنیا میری صلاحیتوں سے استفادہ نہیں کرتی۔ ناقدریٔ عالم نے مجھے عزلت گزیں بنا دیا ہے ورنہ دیکھنے والوں کے لیئے دل کی روشنی سے دونوں عالم کے اسرار و رموز ظاہر ہو رہے ہیں۔ اپنے آئینہ دل پر افسوس کرتا ہے جو صرف گھر کی دیوار کی آرایش بنا ہوا ہے ۔

---

[1]	کلیاتِ کلیم، ورق : ۲۳۸ ب	[2]	کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۹۲ ب
[3]	" " : ۲۵۸ ب	[4]	" " : ۱۵۴ ب
[5]	" " : ۱۶۹ ا	[6]	" " : ۱۱۹ ب
[7]	" " : ۱۵۰ ب	[8]	" " : ۱۵۲ ا

ما اجر از عبادتِ ناکردہ می بریم ہر طاعتے کہ فوت شود بے ریا ترست[1]

کلیم نے ریا کے لفظ سے استفادہ کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو عبادت کی ہی نہ گئی ہو اس کے دکھاوے کا یعنی اس میں ریاکاری کا سوال ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے۔ چونکہ بے ریا عمل مستوجب جزائے کثیر ہوتا ہے اس لیئے وہ ناکردہ اعمال جن میں ریا کا احتمال نہیں اس لیئے وہ اپنے لیئے قابلِ اجر سمجھ رہا ہے۔

نظیری نے اس خیال کو تغزل کے انداز میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے ؎

تا منفعل ز رنجشِ بے جا نہ بینمش می آرم اعترافِ گناہِ نہ بودہ را

(ترجمہ) میں اپنے محبوب کو رنجشِ بیجا سے شرمندہ نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس لیئے اس گناہ کا بھی اعتراف اور اقرار کر لیتا ہوں، جو مجھ سے سرزد ہی نہیں ہوا۔

بدنامی حیاتِ دو روزہ نبود بیش آں ہم کلیم با تو بگویم چساں گزشت
یک روز صرفِ بستنِ دل شد باین و آں روزِ دگر بکندنِ دل زیں وزاں گزشت[2]

دنیا کی زندگی کو دو روزہ کہا جاتا ہے دو روز سے مُراد یوم پیدائش و روزِ وفات ہے، درمیانی ایام شہور وسنین کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے، کلیم اس کی توجیہہ کتنے اچھے طریقے سے کرتا ہے۔ دو روزہ حیاتِ انسانی کو اسطرح بدنام کیا گیا کہ پہلا دن اِن، اُن سے دل لگانے میں گزرا اور دوسرا دن دلی تعلقات توڑنے اور علایق سے گُریز کرنے میں صرف ہوا ؎

ایں سطرہائے چیں کہ زپیری بروئے ماست ہر یک جدا جدا خط معزولیٔ قوی است[3]

نشانِ پیری جھریوں کی شکل میں جسمِ انسانی پر نمودار ہوتے ہیں شاعر ان کو معزولیٔ قویٰ کا پروانہ قرار دیتا ہے اُردو کے ایک شاعر رشید لکھنوی نے بھی اس خیال کو بہ پیرایہ دیگر بیان کیا ہے ؎

پیری نے حدیں ضعف کی قایم کی ہیں کب جھریاں ہیں میرے تنِ لاغر پر

کلیم کو اپنی معنی آفرینی پر ناز ہے شاعرانہ تعلّی بڑے سے بڑے شاعر سے سرزد ہوئی ؎

صیدِ معنی را کلیم از رشتۂ پر تاب فکر ہیچ صیادِ سخن از بندہ محکم تر نہ بست[4]
می شمارد داخل ز رقش سپہرِ خردہ بیں گر کسی انگشتِ ندامت را بہ دنداں می بُرد[5]

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۵۵ ب
[2] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۲۱ ا
[3] " " : ۱۴۵ ب
[4] " " : ۱۲۷ و
[5] " " : ۱۷۰ ا

کوئی شخص ندامت سے دانتوں میں انگلی کترتا ہے تو فلک خوردہ بین اسے بھی اس کے رزق میں داخل سمجھتا ہے چونکہ آسمان ہی کو شعراء نزولِ خیر و شر کا منبع سمجھتے ہیں تو آسمان کے روایتی ظلم اور ساتھ ہی اس کی کم ظرفی کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ندامت بھی اسی سے پہنچی ہے، وہ بھی داخلِ رزق ہے، آسمان اس کا بھی شمار کرتا ہے۔ مختصر سے شعر میں کتنی بلاغت سے مضمون سمویا ہے۔

قرض دارِ روزگارم، خاطرم زاں شاد نیست — چوں حباب ار وامِ ہستی پس دہم خندان شوم[1]
ناوکِ بیدادِ دوراں را نشاں باید شدن — آنچناں مگذارم اے غم از نظر پنہان شوم

دونوں شعر باعتبار معنی و مفہوم خوب ہیں۔ عام طور پر لوگ بیدادِ روزگار کے شاکی اور اس سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کلیم کس اولوالعزمی سے ثانی الذکر شعر میں کہتا ہے کہ اے غم مجھے اسطرح نہ چھوڑ کہ نظروں سے چھپ جاؤں مجھے زمانہ کی نظر میں ظاہر کرتا کہ ناوکِ بیدادِ دوراں کا نشانہ بن سکوں۔

دہقان بہر زمین کہ نشاند نہالِ تاک — من ہم بخاکِ تخمِ کدوئے فرو کنم[2]

می خواری کا اشتیاق اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ دہقاں جس زمین پر انگور کی بیلیں لگاتا ہے میخوار بھی وہیں کدو کے بیج بوتا ہے تاکہ جب انگور پکیں اور اس سے شراب حاصل کی جائے تو کدو بھی سوکھ کر ظرفِ شراب کا کام دیں۔ مضمون آفرینی کی اس سے بہتر مثال شاید ہی ہو۔

سکندر نے آئینہ بنایا تھا اور آج تک دنیا اس کا احسان مانتی ہے۔ اس کا نام موجدین کی فہرست میں درج ہے لیکن شاعر اپنے آئینۂ دل کو اتنا مجلا و مصفا کر چکا ہے کہ اس میں عکسِ یار و محبوبِ حقیقی منعکس ہوتا رہتا ہے اگر وہ اپنے دل کو سکندر کے آئینہ کے مقابل کرے تو شاید سکندر بھی شرم سے پانی پانی ہو جائے۔

گردد بزیرِ خاک سکندر ز شرمِ آب — دل را اگر بآئینہ اش روبرو کنم[3]

سرو برگِ جدلم نیست چو باخلق کلیم — نکنم گر بہ بد و نیک مدارا چکنم[4]

آسایشِ دو گیتی تفسیرِ ایں دو حرف است — بادوستاں تلطف با دشمناں مدارا (حافظ)

حافظ دنیا و عقبیٰ کی آسائش ان دو حرفوں کی تفسیر میں مضمر سمجھتے ہیں کہ دوستوں سے لطف و مہربانی سے اور دشمنوں سے خاطر مدارات سے پیش آئیں۔ اس کے برعکس کلیم کے پاس چونکہ مخلوق سے لڑنے کا سامان نہیں ہے اس لئے بوجہ مجبوری مدارا کرتا ہے۔

تا یافتم رسائی دستِ کشیدہ را — آوردہ ام بچنگ مرادِ رسیدہ راشہ[5]

۱؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۹۹ ب — ۲؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۹۸ ب
۳؎ " " : ۱۹۸ ا — ۴؎ " " : ۲۰۰ ب
۵؎ " " : ۲۰ ب

شاعر یہ بتانا چاہتا ہے کہ حبیب نے تنگ آکر ترک دنیا کر دی سارے علایق دنیوی سے دست بردار ہو گیا۔ مرادوں خواہشات کو اپنے دل سے نکال پھینکا۔ مگر انسان تو تمناؤں میں اُلجھا یا گیا ہے خلافِ فطرت کب تک رہ سکتا تھا، پھر سے خواہشات اُمنگوں نے سر اُٹھایا، اب شاعر نے "مراد رمیدہ" کو پھر سے قابو میں کر لینے کی ٹھانی تاکہ پھر سے "دست کشیدہ از دنیا" میں قوت رسائی آجائے۔

صید دام میں گرفتار ہے، صیاد نے گرفتاری کا طعنہ دیا لیکن غیرت طائر یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ جواز نکالتا ہے کہ فریب دانہ سے وہ گرفتارِ دام نہیں ہوا ہے بلکہ وہ شکاری کے جال میں دانہ کو بے عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکا۔ دانہ کی بے بسی نے اسے مجبور کر دیا کہ اسے دام سے نکال لائیے۔

منکہ در دام آمدم، نہ از فریب دانہ بود غیرتم نگذاشت در دام تو بینم دانہ را[۱]

صوفیاء کے نزدیک تخلیق کائنات کا مقصد اور بارِ امانت کی توجیہہ عشق و محبت کہہ کر کی جاتی ہے۔ عشق و محبت کو کلیم کائنات کی اساس قرار دیتا ہے۔ عشق مجازی سے انسان کو معرفتِ حق حاصل ہوتی ہے اور انسانی عقل کی شمع منور ہوتی ہے۔ قلب مجلا اور روح تابناک ہوتی ہے جس طرح آفتاب طلوع نہ ہونے تک اندھیرے میں نظریں بھٹکتی ہیں اسی طرح آفتاب عشق کے پرتو ہی سے چراغ عقل جگمگا اُٹھتا ہے اور اس کی رہبری میں انسان حقیقت کی منزل پر پہنچتا ہے۔

چراغ عقل دہد روشنی ز پرتوِ عشق نظر نہ بیند تا آفتاب سر نزند[۲]

عشق وہ بارِ امانت ہے جسے صرف انسان ہی نے قبول کیا۔ جب تک کہ انسان اپنے آپ کو اس کا اہل نہ بنائے۔ اس راستے میں اپنا سب کچھ نثار نہ کر دے سرلایق "افسر" نہیں ہوتا۔ اس تمثیل سے وہ انسانوں میں عمل پیہم و سعی مسلسل کا جذبہ پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس کو اس کا صحیح مقام یاد دلاتا ہے۔

دولت بملکِ عشق بہ ہر سر نمی رسد سر تا بریدہ نیست بافسر نمی رسد[۳]

عشق میں شرط اول پاکیزگی ہے حافظ نے اس کو "فن شریف" کہا ہے۔ ہوس کا جب تک اس میں دخل نہ ہو اس میں لطافت باقی رہتی ہے اور گریہ وزاری سے اس میں آب و تاب آتی ہے۔

عشق از ہوس جدا کن وزاری شناس باش در گوئیہ فسردہ دلان آب و انفعلست[۴]

لیکن ایک جگہ کلیم نے گریہ وزاری کے لیے بھی شرط لگائی ہے، وہ کہتا ہے کہ عشق کی اولین منزلوں میں آنسو بہانا خامی کی

۱۔ کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۲۲ ا

۲۔ ،، ،، : ۱۲۳ ا

۳۔ ،، ،، : ۱۴۶ ب

۴۔ کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۲۸ ب

۵۔ ذکر حافظ، ص ۱۰۶ ۔ عشق می ورزم و امید کہ این فن شریف
چوں ہنرہای دگر موجب حرماں نہ شود

علامت ہے کیونکہ عاشقِ دل باختہ کو تو پہلے اس مجمرِ عشق میں تپنا چاہیئے جب تک زخمِ عشق گہرے نہ ہوں خونِ دل کہاں سے رِسے گا اور بغیر خونِ دل کے صرف آنسو بہانا تشہیرِ عشق کا باعث ہوگا اور ممکن ہے کہ اوّلین مراحل میں تشہیر کی وجہ سے فریقین دست بردار نہ ہو جائیں ۔

گریہ دراول عشقست نشانِ خامی زخمِ ما تا نشو کہنہ از او خوں نرود[1]

ابتدائے عشق میں جو کیفیت "نوواردانِ بساطِ ہوائے دل" کی ہوتی ہے اس کا نقشہ کھینچا ہے کہ نہ تابِ نظر ہوتی ہے اُن میں نہ ضبطِ نگاہ کر سکتے ہیں، آدابِ محفل کے خلاف بار بار ان کی نگاہ بہک جاتی ہے، بالکل اسی طرح کہ "رندِ تنک شراب" کو شراب کی حرص زیادہ ہوتی ہے حالانکہ اس کا ظرف اتنی مستی برداشت بھی نہیں کر سکتا ۔

تابِ نظر ندارم و ضبطِ نگہ نمی کنم بیشتر ست حرص می رندِ تنک شراب را[2]

دل و سرِ محبوب کی امانت ہوتا ہے حبیب کا فرض ہے کہ اس امانت کو آستانۂ محبوب پہ رکھ کر وہ واپس ہو جائے اپنے ساتھ نہ لے جائے کیونکہ وفاداری کا تقاضا یہی ہے کہ اپنا سارا سرمایۂ حیات محبوب کے سُپرد کر دے ۔

در کوئ یار سر بنہ و خود برو کلیم باخود مبر امانتِ ایں آستانہ را[3]

حبیب کے لیئے کوئے فنا ہی کعبۂ عشق ہوتا ہے کہ جہاں جانے کے لیئے تو راستہ ہوتا ہے لیکن وہاں سے واپس نہیں ہو سکتا ۔

کعبۂ عشق تو پنداری سر کوئ فناست میتواں رفتن ولی در بازگشتن راہ نیست[4]

غم لازمۂ عشق ہے اس لیئے حبیب خانۂ دل میں غم کو مہمان بناتا ہے کیونکہ بغیر مہمان کے گھر کی آرائش نہیں ہوتی

گرفتہ دامنِ غم میکشم بخانۂ دل کہ جز بہ مہمان آرایشِ سرا نشود[5]

راہِ عشق میں حبیب میں افتادگی پائی جائے تو جذبۂ عُروج پر پہنچتا ہے اور افتادگی منزل کی طرف رہبری کرتی ہے بظاہر اس کی حالت پیادہ یا افتادہ شخص کی ہوتی ہے لیکن اس کا تحکم و وقار سوار کی طرح ہوتا ہے ۔

براہ عشق کہ افتادگیست رہبرِ او پیادہ می رود اما سوار می ماند

جو شخص عشق کے سمندر میں محوط ہو جائے تو اسے خائف نہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ بحر آبِ زندگی کا حامل ہوتا ہے جو شخص اس میں غرق ہو ادہ کنارے پر پہنچ جاتا ہے اس کی زندگی ختم نہیں ہوتی بلکہ جاوداں ہوتی ہے ۔

محیطِ عشق ہمہ آبِ زندگیست مترس کسی اسمت غرقہ کہ او بر کنار می ماند

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۷۷ ا
[2] کلیاتِ کلیم، ورق : ۲۵ ا
[3] " " " : ۱۲۶ ا
[4] " " " : ۴۰ ب
[5] " " " : ۱۰۰ ب

حافظ غم عشق کو ایک ہی نہج کے قصے سے تعبیر کرتے ہیں اور تعجب بھی کرتے ہیں جب ہر واقع نا مکرر ہوتا ہے ویسے ہی کلیم بھی کبھی احاطۂ عشق میں آجانے والے کو مامون و محفوظ کہتا ہے اور کبھی عشق کی خونریزی سے گھبرا اُٹھتا ہے ؎

یک حقیقت بیں کہ گاہی گرد و گاہی لشکر است　　باوجودِ خاکساری سخت خونریز است عشق

شاعر دونوں فریق سے وفاداری چاہتا ہے کیونکہ وفاداری اصل ایمان ہوتی ہے ۔ حبیب سے کہتا ہے کہ میں تجھے اس روز سردارِ وفا کیشاں تصور کروں گا جب کہ تو راہِ وفا میں سر و سامان نثار کر دے ؎

کلیم آں روز سردارِ وفا کیشاں ترا دانم　　کہ در راہِ وفائے اُو نہ سر ماند نہ سامانت[1]

محبوب کی ستم کشی و جفا کاری کے تذکروں سے اکثر شعراء کا کلام مملو ملتا ہے، لیکن کہیں شاذ و نادر رنگِ وفا بھی جھلکتا ہے ۔ پھول گلچیں کی چیرہ دستی کی وجہ سے باغ سے رخصت ہو رہا ہے اسوقت اس کے دل میں بلبل کی وفا کا تصور ابھر آتا ہے اور وہ باغبان سے درخواست کرتا ہے کہ بلبل کے لوٹ آنے تک اس کے آشیانے کی حفاظت کرے ؎

چو گل رفت از چمن با باغباں گفت از وفاداری　　کہ تا بلبل بباغ آید نگہدار آشیانش را[2]

وارداتِ عشق کو کلیم نے جزئیات کے ساتھ بیان کیا ہے، ہر مرحلہ پر پیش ہونے والے حالات اس کے دیوان میں ملتے ہیں ۔ محبوب، حسین ہے اور اپنے سنگھار اور مشاطگی سے لاپرواہ لیکن اس سادگی میں بھی وہ پُرکاری ہے کہ بہار کا خون ہوا جا رہا ہے ؎

حُسنِ تو باہمہ بے پروائی　　در پئے خونِ بہار افتادست[3]

"باہمہ بے پروائی" کے ٹکڑے سے بیان میں جو تیکھا پن پیدا ہو گیا ہے یہی نہج لازمۂ تغزل ہے ۔

محبوب اپنے آشفتہ حالوں کے گروہ میں داخل بھی کرنا نہیں چاہتا اور وہاں گنجائش بھی نہیں ہے لیکن ایک دفعہ اس نے استفسار کر لیا تھا کہ کون ہے یہی بات حبیب کے لیے نشاطِ ابدی کا باعث ہو گی ؎

در خیلِ اسیرانِ تو ہر چند نگنجد　　خورسند کلیم از تو بہ پرسیدنِ نام است[4]

محبوب کی اداؤں سے دل پارہ پارہ ہو گیا، غمِ عشق کے پنہاں کرنے کو جگہ بھی نہ رہی تو حبیب نے اپنی بے بسی کا اظہار کر ہی دیا ؎

زتیغش چاک شد دل چوں نہاں سازم غم اُو را　　گریباں پارہ شد گل را، کجا پنہاں کند بو را[5]

حبیب کا "حالِ درہم" شاعر کی نظر میں "آرائشِ محبوب" اور "مجنوں کی سیہ روزی" "چشمِ لیلیٰ" میں سرمہ بن جاتی ہے

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۰۲ ا
[2] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۳۲ ا
[3] " " " : ۱۱۲ ا
[4] " " " : ۱۱۵ ا
[5] " " " : ۱۲۲ ا

؎ بود آرایشِ معشوق حالِ درہم عاشق — سیہ روزی مجنون سرمہ باشد بہ چشم لیلیٰ را[1]

غالب کی طرح کلیم بھی اپنی ہستی کو "رونقِ عشق و محبت" کا باعث قرار دیتا ہے

کوئے محبوب سے حبیب چلا آرہا ہے خوشیوں کا اژدھام ساتھ ہے قدم لڑکھڑا رہے ہیں اور ہر قدم پر گرا جارہا ہے اور خیالِ محبوب کی اتنی کشش ہو رہی ہے کہ سامنے کی بجائے رُخ پیچھے کی طرف کئے آگے بڑھ رہا ہے جذبۂ شوق اس کے راستے دیکھنے میں بھی حائل ہے۔ شعر محاکات کے درجہ پر پہنچ گیا ہے ؎

ز کویت چوں کلیم آمد چو مستاں ہر قدم افتد — نہ بیند پیشِ پا بے چارہ چوں رو بر قفا دارد[2]

شاعر سنگ دلِ محبوب کا نقشہ بھی پیش کرتا ہے کہ آنسوؤں کا خون بہایا ہے کہ سنگِ آستاں ابھی تک رنگین ہے اور دھوئے سے بھی وہ دُور نہیں ہوتا اور یہ سوچ کر خوش ہوتا ہے کہ شاید مستقبل قریب میں یہی خُون محبوب کو اہلِ وفا کی طرف متوجہ کرے اور اور وہ اپنے کیے پر پشیمان ہو ؎

خونم کہ از درِ تو بہ شستن نمی رود — خواہد ترا بہ جانبِ اہلِ وفا کشد[3]

محبوب خط پڑھ کر چاک کر دیتا ہے کوئی جواب نہیں دیتا مگر حبیب اپنے آپ کو یہ کہہ کر تسکین دے لیتا ہے کہ اس کا جواب بس یہی ہونا چاہیئے تھا اور محبوب کی زیادتی کو بھی محبت کے پردے میں چھپا لیتا ہے ؎

جوابِ نامہ ہمیں پارہ کردن است کلیم — مگو کہ قاصدِ من بے جواب می آید[4]

زمانہ کا ستایا ہوا حبیب اس کا متمنی ہے کہ محبوب کی ذرا سی چشمِ عنایت اس پر ہو جائے تا کہ محبوب کی پناہ میں رہ کر روزگار سے انتقام لے سکے ؎

کلیم گوشۂ چشمی ز یار می خواہد — کہ انتقام تواند ز روزگار کشید[5]

حبیب مہ و انجم سے بھی چھپ کر نالہ وزاری میں مشغول ہے لیکن ستم ظریفیٔ قدرت کہ اشکِ رواں رسوائی کا باعث ہو گئے ؎

اشک رسوا کرد مارا ورنہ دل — نالہ را از سینہ پنہاں می کشد[6]

حبیب اپنا خون آپ پوشیدہ پیتا ہے ایک حجابِ حسن مانع آتا ہے دوسرے رسوائی کا ڈر ہے لیکن شوخ و بیباک محبوب کا یہ عالم ہے کہ ساغر بکفِ محشر اُٹھاتا گذر جاتا ہے ؎

۱؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۵ ب — ۲؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۲۵ ب

۳؎ " ، " : ۱۴۵ ب — ۴؎ " ، " : ۱۳۵ ب

۵؎ " ، " : ۱۳۶ ا — ۶؎ " ، " : ۱۳۰ ا

خون، عاشق از حجابِ حسن پنہاں می خورد — شوخ بیباکی کہ ساغر در کفِ محشر زند[1]

عاشقِ بتیاب تغافل بھی نہیں کرسکتا، کیونکہ تشنہ پانی سے قطع نظر کرنا خلافِ فطرت امر ہے ؂

کی تغافل میتواند عاشقِ بیتاب کرد — چوں تواں با تشنگی قطع نظر از آب کرد[2]

مکتوب محبوب کو شرحِ دردِ دل سے آشناگراں کرنا چاہتا ہے کہ سیلاب بھی نامہ بری کرے تب بھی وہ نہ لے جاسکے ؂

مکتوب راز دردِ دل او گراں کنم — گر سیل نامہ بر شود آں را نمی برد[3]

کشتگانِ عشق جو قربان گاہ پر اپنی زندگیوں کی بھینٹ چڑھا چکے ہیں کسی شخص میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ ان شہیدوں کو اُٹھا سکے یا اس کی ضرورت ہی نہیں ہوتی کہ تجہیز و تکفین ہو بلکہ سیلابِ خوں خود انہیں میدان سے بہالے جاتا ہے اور دُنیا اس زحمتِ بیجا سے بچ رہتی ہے ؂

برندارد کس شہیداں راز قرباں گاہِ عشق — کشتہ را سیلابِ خوں ایں جا ز میداں می برد[4]

آسمان کے بے جا کرم یعنی ظلم کو تجاہلِ عارفانہ کے پردے میں بیان کرتا ہے کہ وہ تشنہ لب مستحقین کو تو قطرہ قطرہ حساب کرکے بخشتا ہے لیکن عاشقوں کو بے حساب اشک عنایت کرتا ہے ایسے لگتا ہے کہ ساری سخاوت یہیں آگئی ہے پتہ نہیں کہ اس عنایت میں کونسا راز پنہاں ہے؟ ؂

فلک بہ تشنہ لباں قطرہ را شمردہ دہد — بعاشقان کرمِ اشک بے حساب چراست[5]

تمنا ہے کہ محبوب پہلو میں ہو وہ وقت یقیناً خوش قسمتی و بیدار بختی کا ہوگا۔ وہ عشق جس میں حسیات ولذات نہ ہو افلاطونی عشق ہو کر رہ جاتا ہے لیکن ابتذال کی حد تک عیش پرستی پاکیزگیِ عشق کو مجروح و ناپاک کردیتی ہے ؂

کلیم بخت تو آں گاہ می شود بیدار — کہ یار سر بہ کنارت نہادہ خواب کند[6]

غمِ حیاتِ عشاق کا جزوِ لاینفک ہو جاتا ہے مرنے کے بعد بھی اس سے غم وابستہ رہتا ہے، شاعر کہتا ہے کہ قیامت تک تو خارِ غمِ جانِ عاشق سے وابستہ نہیں رہ سکتا، اگر زندگی میں دل سے نہیں نکل سکا تو نہ نکلے مرنے کے بعد خاکِ مزار سے ضرور نکل آئیگا ؂

تا قیامت خارِ غم در جاں نمی ماند کلیم — گر ز دل بیروں نمی آید، بر آید از گلیم[7]

معاملہ بندی کی ابتدا، سعدیؒ، خسروؒ کے عہد میں ہوئی تھی۔ حبیب و محبوب کے درمیان جو وارداتِ عشق ہوتے ہیں جو کیفیاتِ عشق گزرتی ہیں وہ معاملہ بندی کہلاتی ہے۔ ہر شاعر کے پاس کچھ نہ کچھ اشعار مل جاتے ہیں، کلیم کے پاس بھی چند شعر ہیں اور اکثر

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۱: ب — [2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۱: الف

[3] " " : ۱۳۴ الف — [4] " " : ۱۳۵ ب

[5] " " : ۱۳۶ الف — [6] " " : ۱۳۶ الف

[7] " " : ۲۰۲ الف

جاندار ہیں۔

بزمِ محبوب میں حبیب بیٹھا ہوا ہے۔ احباب کا ہجوم ہے، ہر ایک کی نظر نگاہِ حبیب پر لگی ہوئی ہے، باوجود ضبط کے محبوب سے نظریں دوچار ہو ہی جاتی ہیں۔ دل بہک رہا ہے، عقل روک رہی ہے کہ جب تو خود ہی ضبطِ نگہ نہیں کرسکتا تو احباب کو رسوائی سے کیسے منع کرسکتا ہے ؎

تو کہ ضبطِ نگہِ خود نتوانی کردن — منعِ رسوائی احباب چرا باید کرد[1]

حبیب، محبوب کی ادا فہمی پر مرا جاتا ہے، کہتا ہے کہ قربان جاؤں اُن ادا فہم آنکھوں کے کہ جو بات ابھی دل سے زباں پر بھی نہ آئی تھی کہ محبوب تاڑ گیا ؎

ہلاکِ چشمِ ادا فہمیم کہ دریابد — ہر آں سخن کہ ز دل بر زباں نمی آید[2]

عرفی نے اسی کیفیت کو بیان کیا ہے مگر بے پناہ ندرت و لطفِ زبان کے ساتھ ؎

نہ گفت و من شنودم ہر آنچہ گفتنی داشت — کہ در بیان نگہش کرد بر زباں تقدیم
زبان چو نوبتِ خود از نگاہ باز گرفت — فتاد سامعہ در موجِ کوثر و تسنیم

لعلِ لبِ او نگینِ تنگ است — افسوس کہ جائے نامِ من نیست[3]

دہن تنگ لوازمۂ حسن میں شمار ہوتا ہے۔ کلیم نے لبِ محبوب کو لعل سے تشبیہ دی ہے۔ کہتا ہے محبوب کا لب لعلین ایک تنگ نگینہ ہے افسوس ہے کہ بوجہ تنگی اس نگینے پر میرے نام کی جگہ نہیں ہے۔

محبوب کے بھول جانے اور بھولے سے بھی اپنا نام لب پر نہ لانے کا شکوہ جس پیرایہ میں کیا ہے وہ بہترین اسلوبِ بیان ہے اور شعرِ تغزل کی جان ہے

بارے ز دست بوس مکن منع ما اگر — تنگ است جائے بوسہ بکنجِ دہانِ تو[4]

حبیب اپنی تمنا کو ادب ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اظہار سے باز نہ رہ سکا۔ کہتا ہے کہ دہانِ تنگ پر اگر بوسہ کے لیے جگہ تنگ ہو تو دست بوسی سے تو منع نہ کر۔

محبوب کی پوشیدہ نگاہ حبیب کے لیے پیمانۂ محبت تھی مگر پلانے والے کا پنہاں طور پر پلانا اظہارِ مستی کو چھپا نہ سکا اس لیے کلیم کہہ رہا ہے کہ تیری چھپی ہوئی نظر سے میں عالم میں رسوا ہوں پنہاں می خواری کے باوجود مستی شرابِ محبت محجوب نہ رہ سکی ؎

می را نہفتہ خوردم و مستی نہاں نماند — رسوائے عالمم ز نگاہِ نہانِ تو[5]

---

1. کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۸ ب
2. کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۸ ا
3. " " : ۱۲۵ ب
4. " " : ۲۰۸ ا
5. " " : ۲۰۴ ب

محبوب نے اپنی خمار آلود وہوش ربا نظروں سے دیکھا کہ حبیب کے ہوش اُڑ گئے تاب نظر نہ رہی۔ محبوب سے التجا کرنی شروع کر دی کہ اپنے عاشق زار پر رحم کر اور اپنی نظر کا رُخ بدل ڈال کہ اس سے زیادہ کی اس میں برداشت نہیں ہے

رفتم از ہوش مکن مستم ازیں بیش کلیم　　　　چشم بردار ازان چشم کہ از کار شدم[1]

سودا پر بھی شاید ایسی ہی کیفیت طاری ہوتی ہوگی، کوئی ایسا ہی نازک لمحہ آیا ہوگا، اسی لیۓ ان کے قلم سے بے اختیار نکل گیا ہے

کیفیتِ چشم اس کی مجھے یاد ہے سودا　　　　ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

خلوتوں کی تنہائیاں، قربِ محبوب، کوئی رقیب پاس نہیں کہ مداخلت کرے۔ سینکڑوں جلوے رُوبرو، سامانِ عیش مُہیا لیکن رعبِ حسن کا یہ عالم کہ زباں گنگ، ہوش پراگندہ، قلب کی دھڑکن، ہاتھ کی لرزش اجازت ہی نہیں دیتی کہ حرکت ہو بے بس حبیب سوچنے لگتا ہے کہ اس لین دین سے کیا فائدہ کہ تنہائی میں محبوب نے شرف قرب تو بخشا لیکن قوتِ گفتار چھین لی بات ہی زبان سے نہیں نکلتی تو عرضِ حال کیونکر ہو ہے

سودِ ایں داد و ستد چیست کہ در خلوتِ قرب　　　　فرصتِ حرف دہد قوتِ گفتار برد[2]

تا چشمِ تو دیدیم ز دل دست کشیدیم　　　　ما طاقتِ تیمارِ دو بیمار نداریم[3]

محبوب کی آنکھ کو بیمار کہا جاتا ہے، کلیم نے اس سے استفادہ کیا ہے، کہتا ہے کہ جب سے حبیب نے محبوب کی چشمِ بیمار دیکھی ہے اپنے دل سے دستبردار ہو گیا ہے کیونکہ دو بیماروں کی تیمارداری کی طاقت نہیں رکھتا۔

دل محبوب کے دام میں گرفتار ہو کر ہاتھوں سے جا چکا ہے اور اس کے ماتم میں حبیب کے ہاتھ سر پر ہیں، فریاد کرتا ہے کہ عشق کے ہاتھوں، اپنے ہاتھ اور دل دونوں اپنی جگہ پر نہیں ہیں، الفاظ کی بندش قابلِ داد ہے ہے

دلم بدستِ تو، دستم بہ سر ز ماتمِ دل　　　　فغاں کہ دست و دل خود بجا نمی بینم

محبوب کے رات دن ساتھ رہتے ہوئے بھی گریزاں رہنے کی جو تشبیہ دی ہے وہ کلیم کے تخیل کی معراج ہے، اس تشبیہ حسی میں جو لطافت ہے اس کو الفاظ کا جامہ پہنانا دشوار ہے ارباب ذوق ہی اس سے لُطف اندوز ہو سکتے ہیں ہے

با من آمیزشِ اُو الفتِ موج است و کنار　　　　روز و شب با من و پیوستہ گریزاں از من[4]

بہ تکلم، بہ خموشی، بہ تبسم، بہ نگاہ　　　　می تواں برد بہر شیوہ دل آساں از من[5]

محبوب کا سراپا، ناز و انداز، متانت و وقارِ حسن، ادائے دلبری، فن دلستانی اور ایسے طریقہ سے کہ اسے فن شریف

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۹۹ ا　　　　[2] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۵۵ ب

[3] ،، ،، ،، : ۱۹۰ ب　　　　[4] ،، ،، ،، : ۲۰۱ ا

[5] ،، ،، ،، : ۲۰۱ ا

بھی کہا جا سکتا ہے جس خوبی سے اس شعر میں سمویا ہے اس کے اظہار سے قلم قاصر ہے۔

غمزۂ محبوب کا مضمون بے حد پامال ہو چکا ہے اور ہر شاعر نے اپنی بضاعت کے مطابق محبوب کو "دعوتِ غمزہ" دی ہے۔ کلیم کہتا ہے کہ محبوب "بے برگ و نوا عاشق" ہی سے غمزہ کرے اس لیئے کہ وقت پڑنے پر دین و دل آسانی سے نثار ہو سکتے ہیں۔

غمزۂ عاشقِ بے برگ و نوا خواہد ساخت　　سر و ساماں چو نباشد دل و دیں خواہد برد[1]

مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی کہہ دیتا ہے کہ زر کے سامنے محبت، فرض، خلوص، ہر چیز بے اثر ہو جاتی ہے۔ حبیب اگر بختِ سکندر بھی رکھتا ہے تب بھی اس کی مفلسی دیوار بن کر حایل ہو جاتی ہے۔

دامنش سدِ سکندر برہ وصل شود　　عاشقِ بے زر اگر بختِ سکندر دارد[2]

قدرِ رعنا کی تعریف میں یوں تو ہر شاعر نے خامہ فرسائی کی ہے مگر کلیم نے اس زمانہ کی اعزاداری کے طریقہ کو بھی اس میں بیان کیا ہے اس لیئے شعر کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ کہتا ہے کہ اس قدرِ رعنا کے شہید نے اپنے ہمدم کو یہ وصیت کی کہ نخلِ ماتم پر (آرایش مروجہ کے سوا) ایک نیزہ بھی (جو طول میں قامتِ محبوب کے برابر ہو) باندھ دیا جائے تا عزاداری میں رونے والے یہ سمجھ سکیں کہ صاحبِ تابوت کسی کے قدِ رعنا کا شہید ہے۔

شہید آں قدِ رعنا وصیت کردہ ہمدم را　　کہ بندد نیزہ بالا در آرایشِ نخلِ ماتم را[3]

ایران میں یہ رواج تھا کہ عزاداری کے لیئے مُردوں کے تابوت کو بیلوں اور پھولوں سے آراستہ کیا جاتا، اس آرایش کو اصطلاحاً "نخلِ ماتم" اور "نخلِ تابوت" بھی کہتے ہیں۔ ملا شانی تکلو کا شعر بطور سند پیش کیا جاتا ہے۔

کشتۂ عشقم و آں نیست کہ در شہر کسے　　نخلِ تابوتِ مرا بیند و شیون نکند

محبوب کی شوخی اور بے قراری کو بڑے حسین انداز میں قلمبند کیا ہے۔ کہتا ہے کہ تیری شوخی کا یہ عالم ہے کہ مجھے کسی جگہ قرار ہی نہیں لیکن جس کسی کے دل میں تُو نے جگہ پائی پھر وہاں سے باہر نکل نہ سکا۔

ز شوخی ارچہ بیک جا قرار نیست ترا　　بروں نمی روی از خاطری کہ جا کردی

کلیم نے جہاں محبوب کا سراپا بیان کیا ہے، کیفیات و وارداتِ عشق پر سیر حاصل معلومات بہم پہنچائے ہیں وہاں محبوب کی عمر کے متعلق بھی ایک نظریہ پیش کیا ہے۔ جاگیرداری نظام میں ہر شئے ملکیت ہوتی تھی حتیٰ کہ عورت بھی اور اس پر حکومت کرنا شانِ مردانگی تصور کی جاتی تھی۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے کہ محبوب کا خورد سال ہونا بہتر ہے کیونکہ اسی عمر میں وہ قید ضبط میں آسکتا ہے ورنہ ہوش و عقل والے محبوب پر حکمرانی کے داؤ نہیں چل سکتے وہ قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔

---

۱ کلیاتِ کلیم، ورق : ۳۵ ا
۲ کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۳۲ ا
۳ ،، ،، ، ،، : ۱۲۷ ا

معشوقِ خورد سالی در آید بہ قیدِ ضبط　　　سروے کہ قد کشیدہ ز بستان بر آمدہ

کلیم اپنے سماج کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں عشق کی آسودگی چاہتا اور حُسن کی تلاش کرتا ہے۔ جذبہ محبت ہی انسان کو اخلاقی و رُوحانی حیثیت سے مسرت و نشاط بخشتا ہے اور ان کے تعلقات، خوش اخلاقی ہی کی وجہ سے راحت رساں ہوتے ہیں۔ انسانی رفاقت کو مستحکم کرتے ہیں۔ تارک الدنیا صوفی، لالچی علماؔ، سخت گیر حکام اور بخیل رؤساؔ جو سخت گیری سے عوام کو قابو میں کرنا چاہتے ہیں اور انسانی خوشیوں پر پابندیاں عائد کرتے ہیں، کلیم انھیں تمثیلی انداز میں روکتا ہے ؎

دنیا ز سخت گیری ہرگز بکس نیاید　　　ہرچند بغشتری مشت رنگ خانماند[1]

تلخ کامی سے سادہ لوح انسانوں کے دلوں کے توڑنے والے نقاد کو شیریں سخنی کی تلقین کرتا ہے اور احسان کرکے جتانے والے ممسک امراء کو پنکھے کی بے غرض خدمت کا واسطہ دیتا ہے ؎

مکن از تلخ کامی شکوہ گو شیریں سخن باشی　　　بہ عریانی بساز ار باہنر ہم پیرہن باشی
بخلق احسان کن وچشم از تلافی پوش می باید　　　بکس راحت رسانی بے عوض چوں بادزن باشی[2]

جابر و سخت دل حکام کو اپنے قادرِ مطلق کے سامنے اپنی ناتوانی کا احساس دلاکر ناتوانوں کی تحقیر سے روکتا ہے اور دوسرے مصرعہ سے تو اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ محبت کے ایک رشتہ سے ان ناتوانوں میں بھی وہ قوت پیدا ہوسکتی ہے کہ گلدستہ کی طرح متحد ہوجائیں تو ممکن ہے کہ تیری ناتواں ہستی کا شیرازہ بکھیر دیں ؎

ناتوانی، ناتوانان را بچشمِ کم مبیں　　　یاری یک رشتہ جمعیت دہد گلدستہ را[3]

نوجوان امراء و بالادست اہل دول کو نصیحت کرتا ہے کہ عالم شباب میں جب تک تمہارے ہاتھ پیر کام کرنے کے قابل ہوں کمزوروں اور عاجزوں کی مدد کرو تاکہ عہدِ پیری میں عصا کے محتاج نہ رہو ؎

زپا افتادگان را در جوانی دستگیری کن　　　بہ پیری گرنمی خواہی کہ محتاجِ عصا گردی[4]

ملّت کو مختلف حصّوں میں منقسم کرنے والے مذہبی ٹھیکیداروں کو یاد دلاتا ہے کہ ہر فرقے کے نشان ہزار جدا ہوں قبلہ تو ایک ہی ہے پھر کیوں اپنی وحدت، اتحاد، مودت و رفاقت کے رشتوں کو بیکار کے اختلاف سے توڑتے ہو۔ امن و امان کی فضا کو کیوں منغض کرتے ہو ؎

گر نشان بے باشد نیست غیر یک مقصد　　　قبلہ جز یکے نبود، گر ہزار محراب است[5]

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۳۵ ا　　　[2] کلیات کلیم، ورق: ۲۰۱ ب
[3] ،، ،، ،، : ۲۰ ب　　　[4] ،، ،، ،، : ۲۱۱ ا
[5] ،، ،، ،، : ۱۳۶ ب

حضرت صفی اورنگ آبادی نے اس خیال کو ایک دوسرے انداز میں پیش کیا ہے ؎

منزل پہ جب پہنچ گئے ہم اور شیخ جی　　آپس میں اختلاف کے مسائل نہیں رہا

کلیم انسان کو سماج کا ایک ایسا فرد بنانا چاہتا ہے جس میں خود اعتمادی ہو، محبت، ربط کے باہمی رشتے استوار کرنے کی صلاحیتیں ہوں جو ہوش وحواس، عقل و احساسات کو یکجا کرکے کشمکشِ حیات سے عظمتِ کردار حاصل کرے ورنہ معاشرے کو نقصان پہنچاتے ہوئے رہنے سے تو بہتر ہے کہ وہ ترکِ معاشرہ کردے تاکہ قوم کے لیئے بارِ دوش نہ ہو جائے ؎

طبع بہم رساں کہ بسازی بہ عالمے　　یا ہمتی کہ از سرِ عالم تواں گذشت[۱]

معاشرے کے اخلاقی اقدار کو برقرار رکھنے کے لیئے ہر اچھائی کو اپنانا ایماندار آدمی کا فرض ہے۔ گناہ کا احساس ہوتے ہی بارگاہِ ایزدی میں اعترافِ گناہ کرنا اور آیندہ کے لیئے احتیاط کرنے کے عہد کو توبہ کہا جاتا ہے۔ اس عہد میں استحکام واستواری کی شرط ضروری ہوتی ہے لیکن ریاکار زاہد جب خلوتوں میں جاتے ہیں تو توبہ آسانی سے ٹوٹ جاتی ہے جس عہد کو پتھر سے زیادہ مضبوط تصور کیا جاتا ہے وہ جامِ زجاجی کے شیشوں سے ٹکرا کر ٹوٹ جاتا ہے مگر کلیم کو ایسے موقع پر کشمکش لاحق ہوتی ہے کیونکہ دل شکنی سب سے بڑا گناہ ہے ایسے وقت میں جبکہ فصلِ گُل کی معطر ہوائیں چل رہی ہوں۔ شباب اپنے بہار پر ہو، دوستوں کا جمگھٹا ہو تو میکدہ کے اس ہجوم میں تنہائیاں تو نہیں ہوتیں کہ "پنہاں" توبہ توڑ دی جائے۔ سب کی نظریں تائب پر لگی رہتی ہیں۔ توبہ شکنی نہ ہو تو دوستوں کی دل شکنی ہوتی ہے اور خاطرِ حبیب ملحوظ ہو تو طعنہ زنوں کا خوف، اللہ سے زیادہ بندوں کی نکتہ چینی افراد کو مجبور کیئے رہتی ہے شاعر گومگو کے عالم میں ہے کہ توبہ توڑے تو مخالفتوں کی بھرمار اور نہ توڑے تو دوستوں کی دل شکنی، اِس احساسِ کشمکش کو کسقدر خوبصورتی سے اس رباعی میں سمویا ہے ؎

گویند کلیم توبہ آسان شکند　　در میکدہ انگاہ نہ پنہان شکند
فصلِ گُل وخون گرم وحریفان بسیار　　تا توبہ بود خاطرِ یاران شکند[۲]

حدیثِ شریف ہے "مدح کرنے والوں کے مُنہ میں خاک جھونکو"۔ تحسین وستایش سے عجب وخود بینی کے پیدا ہونے کا قوی امکان رہتا ہے۔ جس شخص کے کردار میں استقامت ہوتی ہے وہ اپنی تعریف سے کبھی خوش نہیں ہوتا۔ خود پسند شخص اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اپنی تعریف آپ کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا ؎

خودشکن رانوش نیاید مدحِ خویش از دیگراں　　خود پسند از ابلہی خود می کند تحسینِ خویش[۳]

دُنیا اہلِ زر کی پرستش کرتی ہے اور ان کے نزدیک کسبِ کمال کا واحد ذریعہ زر و دولت ہوتا ہے اور اس شخص کو وہ علامہ سمجھتے ہیں جو صاحبِ زر ہو، اس خیال کو بھرپور طنز کے ساتھ رقم کیا ہے ؎

---

[۱] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۲۵ ا　　[۲] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۴۰ ب
[۳] ،، ،، : ۱۶۵ ب

کسبِ کمال اہلِ جہاں کسبِ زر بُود   علامہ آں بود کہ زرش بیشتر بود[1]

نخوت پرست حکام واہلِ اقتدار کو تنبیہاً کہتا ہے کہ حالات کے ہاتھوں ستائے ہوئے بے کسوں اور بے سہاروں کو چشمِ حقارت سے مت دیکھ کہ جب وہ سر بلند ہوتے ہیں تو دل آسمان کا غبار ہو جاتے ہیں ان کے بے بس ہاتھوں میں جب توانائی آتی ہے تو کاخِ جم وکسریٰ کو ہلا دیتے ہیں ؎

افتادہ را بہ چشمِ حقارت مبیں کہ خاک   گر سر کشد غبارِ دلِ آسماں شود[2]

جب سے معاشرے میں اُونچ نیچ کا فرق، رنگ ونسل میں امتیاز، حسب ونسب کی تفریق کا احساس پیدا ہوا ہے، لوگ اس مذموم روایت کے شکار ہو گئے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں تو اس کا بڑا زور تھا۔ عرب اپنی نسب ونسل پر فخر وناز کرنا فرضِ اوّلین سمجھتے تھے۔ اسلام کا کاری وار اِس رگِ گردن پر پڑا اور بزرگی کا معیار نسب ونسل نہیں بلکہ تقویٰ قرار دیا گیا۔ اس لیے شاعر اپنے کلام کو اپنی اولاد قرار دیتا ہے اور ان پر نازاں ہے۔ اسلاف پر فخر کرنے والے بے وقوفوں سے اپنے آپ کو ممیز کرتا ہے ؎

فرزند ماست شعر وبداں فخر می کنیم   زاں ابلہاں نہ ایم کہ فخر از پدر کنند[3]

سماج اور خاندان میں باعزت رہنا ہی انسانی زندگی کی معراج ہے۔ غیر کے سہارے سے جنت بھی ملے تو سعدی علیہ الرحمہ اس سے تو جہنم میں جانے کو ترجیح دیتے ہیں، کلیم کہتا ہے کہ مخلوق کی روٹی توڑنے سے حرمت ختم ہو جاتی ہے بے عزتی بار آور ہوتی ہے وہ جس جگہ مہمان بنتا ہے، عزت طفیلی ہو جاتی ہے بالفاظِ دیگر عزت وآبرو باقی نہیں رہتی ؎

کسرِ حُرمت بار می آرد شکستن نانِ خلق   عزتم گردد طفیلی ہر کجا مہمان شوم[4]

ہر عہد اور ہر سماج اس کا شاہد ہے کہ ریاکار زاہد وفقیہہ ہمیشہ اپنی عبادت اور نام نہاد زہد وریاضت پر نازاں رہتے ہیں دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن کلیم کو زاہد کی اطاعت میں بھی "وصالِ حُور" کی تمنائیں جھلکتی نظر آتی ہیں۔ بے لوث عبادت وہ کرتے ہی نہیں اس لیے حور وقصور کی یہ تمنائیں لی ہوئی اطاعت جس میں مئے وانگبیں کی لاگ ہوتی ہے اسے آہِ بوالہوس کی طرح نارسا کہہ کر طنز کرتا ہے ؎

طاعتِ زاہد چو آہِ بوالہوس بالا نرفت   زانکہ معراجِ اُمیدِ اُو وصالِ حور بود[5]

شیخ جو بظاہر مسواک رگڑتا ہے شاعر کا خیال ہے کہ وہ یہ عمل حرص وطمع کے دانت تیز کرنے کے لیے کرتا ہے ورنہ اُسے

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۴۳ الف   [2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۶۵ ب

[3] " " : ۱۶۵ الف   [4] " " : ۱۹۸ ب

[5] " " : ۱۵۲ الف

سُنت کی پیروی مقصود نہیں اور اس پر مزید یہ کہ تسبیح بھی ہاتھ میں لٹکائے پھرتا ہے جو مکر کے زیج ہوتے ہیں جس سے سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیتا ہے کیونکہ بقول اقبال "سُلطانی بھی عیاری ہے درویشی بھی عیاری"

شیخ از مسواک دندانِ طمع را تیز کرد   سبحہ راہم بہرِ تخم شید دست آویز کرد[۱]

شیخ کے مکر و فریب پر سے ایک اور جگہ پردہ اُٹھاتا ہے کہ شیخ مکر و زرق کا خرقہ پہنے حرم میں جانے والوں کی رہبری کے بجائے رہزنی کرتا ہے تو کوئی اُس پر اعتراض نہیں کرتے اور میں رند مشرب آدمی جب میخانہ میں ساغر بکف نظر آتا ہوں تو بدنام ہوتا ہوں حالانکہ یہ میرا ذاتی گناہ ہے اور شیخ جی تو سماج کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں تب بھی قابلِ ستائش ہیں۔ یہ رسم و رواج دنیا ہے اور یہ اقتدار و مذہب کا گٹھ جوڑ ہے

در لباسِ شید زاہد در حرم رہ می زند   من دریں میخانہ بدنامم کہ ساغر می زنم[۲]

شیخ دنیا داری میں پڑ کر خدا سے دُور جا پڑا جس کی وجہ سے رشتۂ عبد و معبود گم ہو گیا۔ شاعر اس کا مذاق اُڑاتا ہے اور ساتھ ہی مشورہ دیتا ہے کہ اے شیخ محبوب کے زُلفِ پاکیزہ سے ایک تار لے کر ایمان کی گردن میں باندھ دو تاکہ اس کے وسیلہ سے وہ رشتۂ گم گشتہ مل جائے ورنہ تمہاری عبادت و ریاضت میں تو اتنا جذب و اثر نہیں کہ معبودِ حقیقی تک پہنچ سکے

تاری ز زلفِ آں صنم در گردنِ ایمان فگن   اے شیخ تا پیدا کنی سررشتۂ گم کردہ را[۳]

زاہد اپنے "عیشِ نہاں" کی وجہ سے بے سرمایہ و مفلس ہو گیا ہے بظاہر مستغنی نظر آتا ہے لیکن اپنی خواہشات کی تکمیل کے لیئے اس نے دین و ایمان کو سینکڑوں جگہ رہن کر دیا ہے۔ دین بھی وہ جو دُنیا دار اہلِ حکم کے اشاروں پر بکتا ہے اور ایمان وہ جو ان کی شیطانی حرکات کے موافق ڈھلتا رہتا ہے۔ "دینِ بدنیا دادہ" اور "ایمانِ شیطان بردہ" کی ترکیبوں نے استہزا کو موثر اور شدید بنا دیا ہے

زاہد تہی سرمایگی کردہ است در صد جا گرو   دینِ بدنیا دادہ را، ایمانِ شیطاں بردہ را[۴]

زاہد کی پاکیزگی پر اس کو بھروسہ نہیں وہ شراب سے مُنہ دھلوانا چاہتا ہے تاکہ شیخ اس کا نام لینے کے قابل ہو، اور طہارت کی منزل میں آئے

زاہد نبرد نام کلیم ایں اندیش بس   اول اگر از بادہ نشست است دہن را[۵]

تارک الدنیا زاہد جو دوسروں کو بھی ترکِ دنیا و علایق کی تعلیم دیتے ہیں، دنیا کی ساری خوشیوں کو خواہ مخواہ

۱۔ کلیات کلیم، ورق: ۱۴۴ ب   ۲۔ کلیات کلیم، ورق: ۱۹۷ ا

۳۔ " " : ۲۹ ا   ۴۔ " " : ۲۹ ب

۵۔ " " : ۲۷ ب

اپنے اوپر حرام کرکے اس کا نام "مجاہدہ" رکھتے ہیں۔ خود بھی نعمت ہائے خداوندی سے تمتع حاصل نہیں کرتے اور معمولی خوشیوں پر خوش ہونے والے عوام کو بھی اس سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ کلیم ان سے پوچھتا ہے کہ بغیر دیکھے بھالے جب راستہ نہیں چل سکتے تو دنیا سے آنکھیں بند کرکے اُس سے کس طرح گزر سکیں گے، خوب معنی آفرینی کی ہے ؎

بے دیدہ راہ گر نتواں رفت پس چرا　　چشم از جہاں چو بستی از و می تواں گذشت[۱]

صوفیا تجرد کی تعلیم دیتے ہیں شاعر ان کے نظریۂ تجرد پر معترض ہے کہ انسان تو انسان ہی ہے جس کے لیے یہ ساری کائنات سرگرم ہے۔ ہنگامے جاری وساری ہیں۔ عنقا کا تجرد بھی ہمارے پاس مکمل نہیں کیونکہ وہ جانور معدوم الجسم ضرور ہے مگر معروف الاسم تو ہے گو وہ نشان سے گزر چکا ہے اس کا مقام ٹھکانہ کچھ بھی معلوم نہیں لیکن نام کی قید میں ہے۔ نشان کی طرح اگر نام بھی کالعدم ہوتا تو ہم اس کے تجرد کو کامل سمجھتے۔ ایسے حالات میں انسان کا تجرد جو جسم و جان کے ساتھ اس کائنات میں موجود ہے کیسے کامل ہو سکتا ہے ؎

در کیشِ ما تجردِ عنقا تمام نیست　　در قیدِ نام ماند اگر از نشاں گذشت[۲]

زاہد خود بین میں تو اپنے عیب دیکھنے کی توفیق بھی نہیں ہوتی صرف اپنے زہد و تقویٰ پر نازاں ہوتا ہے شاعر اُسے ایک اخلاقی نکتہ سمجھاتا ہے کہ اپنے عیوب کو دیکھنے اور سمجھنے کی توفیق جس کو نصیب ہوتی ہے وہ اپنے آپ کو ان عیوب سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی رُوحانی عظمت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کے مرنے کے بعد کور باطن بھی اس کے مزار کی زیارت سے اہلِ نظر ہو جاتے ہیں۔ نام نہاد تقویٰ کے دعوؤں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا، انسان کو بے لوث و بے غرض عبادت کرنی چاہیے دوسروں کی عیب جوئی کرنے کے بجائے اپنا احتساب کرنا بہتر ہوتا ہے کیونکہ غیر کا احتساب اپنی بہ نسبت زیادہ کڑا ہوتا ہے ؎

ہر کرا توفیقِ عیب خویش بینی دادہ اند
بعد مُردن بر مزارش کور بینا می شود[۳]

۱۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۷۲ ا
۲۔ 〃 〃 ، 〃 : ۷۲ ب
۳۔ کلیاتِ کلیم، ورق: ۷۳ ا

تمثیلی شاعری

تمثیلی شاعری کا سہرا ناقدین، صائب کے سر باندھتے ہیں۔ حالانکہ یہ صنف متقدمین کے ہاں خال خال پائی جاتی ہے۔ چنانچہ سعدیؒ، خسروؒ وغیرہ کے پاس تمثیلی شاعری کے چیدہ، چیدہ اشعار دستیاب ہوتے ہیں۔ کلیم صائب وسلیم نے اس کو ایک مستقل صنف کی شکل میں فروغ دیا۔ کلام صائب اس لیئے منصۂ شہود پر ظہور پذیر ہو کر جگمگا اٹھا کہ وہ زبان زدِ خلایق ہو گیا ہے۔ کلیم نے اس صنف کے جسد میں نئی رُوح پھونکی اور اس کو عُروج پر پہنچایا۔ اشعار کلیم کا معتدبہ حصہ تمثیلی شاعری سے مملُو ہے۔

ہر شخص آپ مختار ہے، کسی پر نکتہ چینی کرنے، معترض ہونے کے لیئے معقول اسباب ہونا چاہیئے۔ ہر شخص نہ قاضی ہوتا ہے نہ فقیہہ کہ بے جا مداخلت کا حق اسے مِل سکے۔ کلیم کہتا ہے کہ بیجا مداخلت سے بجز شرمندگی و پشیمانی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا کیونکہ تیر انداز اگر ٹیڑھا تیر چلائے تو ظاہر ہے اس کی نشان اندازی پر حرف آئے گا۔

دخلِ بیجا ندہد غیر خجالت اثری ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ تیر کج باعثِ رسوائی تیر انداز است[1]

جب برتن خالی ہوتا ہے تو بجتا رہتا ہے لیکن بھرا ہوا ہو تو خاموش ہوتا ہے۔ اسی طرح دلِ پُر درد سے شکوے کم نکلتے ہیں کیونکہ درد جتنا شدید ہوگا، ضبط جتنا زیادہ ہوگا آہیں کم ہی نکلیں گی۔ اس خیال کو تمثیل سے واضح کیا ہے۔

جام چوں لبریز شد دیگر نمی دارد صدا ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بادلِ پُر درد حرفِ شکوہ کمتر می زنم[2]

محبُوب کے پہلو سے چلے جانے کے بعد شاعر اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں خوار محسوس کرتا ہے اس کی تمثیل نہایت اچھوتے طریقے سے دی ہے۔

تا تو رفتی زکنارم بہ نظرہا خوارم ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ بشکند قیمتِ خاتم چو نگین برخیزد[3]

گریۂ بے اختیار کو "طفلِ شوخ طبع" قرار دیتا ہے جو ہمیشہ گھر سے نکل بھاگتا ہے۔

در دیدہ و دلم نبود اشک را قرار ‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌‌ طفلی کہ شوخ طبع بود خانہ دشمن است[4]

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۶۵ ا
[2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۶۶ ا
[3] ،، ،، : ۲۳۱ ا
[4] ،، ،، : ۱۸۹ ب

بلاہم پا بیفشارد چو پیشش سخت جاں آید　　　　که پیکاں بر نیاید زود چوں بر استخواں آید[1]

اذیت پسندوں، بلاکشوں پر جب مصائب پڑتے ہیں تو جلد دفع نہیں ہوتے کیونکہ قوتِ برداشت وظرف کے لحاظ سے ہر چیز ملتی ہے۔ جسطرح ہڈی میں تیر چبھ جائے تو جلد نہیں نکلتا اسی طرح سخت جان سے بلائیں نہیں چھوٹتیں۔ کتنی جاندار تمثیل دی ہے۔

ہر چیز کا ایک محل اور مقام ہوتا ہے چاہے وہ اچھی رہے یا بُری۔ اس لیئے ظلم کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے ــــ "وَضْعُ الشَّیْئِ فِیْ غَیْرِ مَحَلِّہٖ ظُلْمٌ" (یعنی) کسی شئے کا بے جگہ رکھا جانا ہی ظلم ہے۔ کوئی شئے کتنی ہی بُری سہی اگر وہ اپنی مقررہ جگہ پر ہو تو ہنر سے کم نہیں ہوتا اور دلیل یہ ہے کہ تنگ چشمی عیب ضرور ہے لیکن سوزن (سوئی) کے لیئے نہیں۔ اس کا تنگ چشم ہونا ہی اس کے لیئے حُسن ہے ؎

حدیثِ نبوی ہے۔ مَنْ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنْ سَلِمَ نَجٰی۔ (ترجمہ) جس نے خاموشی اختیار کی سلامتی پائی، اور جس نے سلامتی پائی اس کو نجات ملی۔

کلیم کہتا ہے کہ انسان کو خاموش رہنا چاہیئے۔ قلم کا حشر اس کے سامنے ہے کہ زبانِ قلم سے تحریر نکلتی ہے اسی لیئے اس کا سر کاٹ دیئے جانے کا ہمیشہ خطرہ ہوتا ہے ؎

بے زباں باش نہ بینی کہ قلم　　　　باز باں ست وسرش در خطر ست[2]

سماج میں ظاہری شان وشوکت اور طمطراق کو اہمیت حاصل ہے ایسے ظاہر پرستوں کی نفسیات بچوں کی سی ہوتی ہے جو زرق برق پر مچل جاتے ہیں ایسے طفلانہ صفت لوگوں کے لیئے شراب سے مینا ہی بہتر ہوتی ہے ؎

باشد برائے طفلاں مینا ز بادہ بہتر　　　　درچشم اہلِ دنیا جاں قدرِ تن نہ دارد[4]

پرانی دیوار گرتی ہے تو نئی تعمیر ہوتی ہے۔ ایک کی موت ہوتی ہے تو دوسرے کا گھر بستا ہے ؎

افتادنِ دیوار کہن نوشدنِ اوست　　　　جز مرگ کسی در پئے آبادی من نیست[5]

نیچی ذہنیت اور گہری فطرت کے لوگ گوشۂ عزلت میں نہیں رہ سکتے انہیں تو فقیر کی طرح کاسۂ گدائی لیئے پھرنے سے خوشی ہوتی ہے ؎

پست فطرت ہوسِ گوشۂ عزلت نکند　　　　تا گدا بر سر رہ نیست دلش خرم نیست[6]

۱؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۲۳۰ ب　　　　۲؎ کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۲۵ الف

۳؎ " " : ۱۲۷ ب　　　　۴؎ " " : ۱۵۱ الف

۵؎ " " : ۱۲۸ الف　　　　۶؎ " " : ۲۰۰ الف

"قربِ بزرگان" "کمینہ خصلت کے لیئے باعثِ کسب شرف نہیں ہو سکتا۔ اس کا ثبوت اِس شعر میں مِلتا ہے ؎

سفلہ از قربِ بزرگاں نکند کسبِ شرف   رشتہ بر قیمت از آمیزشِ گوھر نشود [1]

کم ظرف کو اگر دولت و زر مِل جائے تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے، خدائی کے دعوے کرنے لگتا ہے۔ اپنا ماضی بھول کر فرعونِ بے ساماں ہو جاتا ہے اس کے برخلاف کوئی بلند کردار شخص ایسی حرکت نہیں کر سکتا ؎

بوقتِ گرسنگی نفسِ دوں گدائی کرد   چو یافت یک لب نان دعوئے خدائی کرد [2]

حبیب نے بہت وفا کی لیکن اُسے بجز ناکامیوں کے کچھ نہ مِلا تو وہ اپنے آپ کو سیہ بخت تصور کرتا ہے اور کہتا ہے کہ داغِ وفا سیہ بختوں کے زیادہ زیب دیتا ہے کیونکہ جب تک رات تاریک نہ ہو چراغوں کا لُطف نہیں آتا۔ داغِ وفا کو چراغ سے تعبیر کرتا ہے ؎

بر سیہ بختاں بود داغِ وفا زیبندہ تر   شب چو تاریکست از بہرِ چراغاں بہتر است [3]

ہر کہ خود بین و خود آرا ز ہنر محروم است   ہمچو طاؤس کہ پر زینت و کم پرواز است [4]

جو شخص خود بینی، خود پسندی اور خود آرائی کا شکار ہوتا ہے وہ اپنے آپ ہی میں غرق ہوتا ہے اس کو دوسروں کی اچھائیوں پر نظر کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوتی اسلیئے ہر قسم کے ہُنر سے محروم ہو جاتا ہے بالکل اس مور کی طرح جو اپنے پروں کی خوبصورتی کی وجہ سے مقبولِ عوام ہے لیکن پرواز کے معاملہ میں ایک معمولی چڑیا سے بدتر۔

فلک کبھی ظالم و جابر حکمرانوں کے ساتھ بُرا سلوک نہیں کرتا ان کے گھر ہر روز عید و ہر شب، شب برات ہوتی ہے، اور مظلوم و مجبور انسان ان کے استحصال کا شکار رہتے ہیں ؎

با ستمگارانِ گیتی بد نمی گردد سپہر   عید قربانست دایم خانۂ قصاب را [5]

کلیم کہتا ہے کہ درِ اُمید کی کشادگی "کلیدِ تدبیر" کی گمشدگی پر منحصر ہے ؎

کلیدِ چارہ و تدبیر تا نگردد گم   دری کہ بستہ بروی اُمید وا نشود [6]

عشق کا ماحصل وصال ضروری ہے ورنہ وہ عشق نہیں ذہنی ریاکاری ہو جاتا ہے خود فیصلۂ خداوندی زلیخا و یوسف کے وصال کا باعث ہوا۔ نام نہاد معاشرے کے قوانین سازوں نے اُلٹے سیدھے قوانین گھڑ لیئے چنانچہ کلیم تیر و کمان کے اتصال کی مثال دیکر تمثیل کو موثر و موثق بنا رہا ہے ؎

۱؎ کلیاتِ کلیم، ورق : ۲۰۰ ا   ۲؎ کلیاتِ کلیم، ورق :

۳؎ " ، " : ۱۶۰ ا   ۴؎ " ، " : ۱۶۵ ا

۵؎ " ، " : ۶۰ ب   ۶؎ " ، " : ۱۰۰ ا

عاشق و معشوق بی آمیزش هم ناقصند　　شاهد این مدعی به از کمان و تیر نیست [1]

محبوب کی محبت کے ساتھ صبر و عقل ایک دل میں نہیں سما سکتا ظاہر ہے کہ سیلاب آئے تو کوئی کیسے گھر میں قیام کر سکتا ہے سیلابِ عشق کے آگے صبر و عقل کہاں ٹھیر سکتے ہیں یہ جذبۂ بے اختیار ہے جس میں ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں ؎

صبر و خرد بیک دل با شوقِ او نگنجد　　چون سیل میہمان شد کس در سرا نماند [2]

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق : ۸۵ ب

[2] کلیاتِ کلیم، ورق : ۱۳۵ ب

روزمرّہ و محاورہ

مولانا شبلی فرماتے ہیں :۔

"اس زمانہ میں اگرچہ مضمون آفرینی اور خیال بندی کی استیلاء نے زبان اور محاورہ بندی کی طرف سے شعرا کو غافل کر دیا تھا چنانچہ ناصر علی ۔ غنی اور بیدل وغیرہ اسی چکر میں پڑ کر لطفِ زبان سے بیگانہ ہو گئے لیکن کلیم باوجود انتہا درجہ کی نازک خیالی کے یہ سررشتہ ہاتھ سے نہیں چھوڑتا ۔ وہ ہر طرف نئے مضامین پیدا کرنے کی فکر میں مصروف رہتا ہے لیکن یہ نہیں بھولتا کہ وہ ایرانی ہے، ہندی نہیں ہے ۔ اس لیئے روزمرہ کے علاوہ اکثر ٹھیٹ محاورے برتتا ہے جن کو عام آدمی فرہنگ کے بغیر سمجھ نہیں سکتے"[1]

مندرجہ بالا حوالہ کی روشنی میں کلیم کے اشعار کا تجزیہ کیا جائے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندگی کے آخری دنوں تک اُس کو اپنے اہلِ زبان ہونے کا احساس تھا اور اس نے زبان کا تحفظ بھی کیا تھا جس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں ؎

درچشمِ کلیم از اثر گریہ "گُل افتاد" : "گُل افتادن" آنکھوں میں پھولا پڑنا ۔

خوش آن خلوت سرا گر اتحادِ حُسن و عشق انجا

توازمی مست میگشتی و من "از کار می رفتم" : "از کار رفتہ" بیکار ہو جانا

زرقصِ شادی "آتش بزیر پا" داریم : "آتش زیر پا" بیچین ہونا

با عارضِ تو "چہرہ شدن" "حدِ شمع نیست" : "چہرہ شدن" مقابل ہونا ۔ "حد نیست" مجال نہیں۔

گریاں زبزم رفت و "سر خویشتن گرفت" : "سر خویشتن گرفت" اپنی راہ لی ۔

از دبستان برود ہر کہ "سبق روشن کرد" : "سبق روشن کرد" سبق یاد کر لیا

دشمنِ خود را چرا کس اینقدر "پہلو دہد" : "پہلو دادن" پہلو بچانا

---

[1] شعر العجم، جلد سوم، ص : ۲۲۷

این شربت کم "بهر" دو بیمار نباشد : "بهر" حصّہ۔
کہ گاہ هم "طرفِ کهربا نمی گیرد" : "طرف کے گرفتن" کسی کی جانبداری کرنا۔
"بچشم روشنی" داغهائے کهنہ روم : "چشم روشن" مبارکباد۔
بزیر سبزه زمین "روی خویش پنهاں کرد" : "روے کسے پنهاں کردن" مُنہ چھپانا۔
چوں حباب ار "وام هستی پس دهم" خنداں شوم : "وام پس دادن" قرض ادا کر دینا۔

ہندی الفاظ کا استعمال

تاریخ ادبیات فارسی میں امیر خسرو اور فیضی کا کلام ہندی الفاظ سے پُر ملے تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کیونکہ انہوں نے ہندوستان ہی میں جنم لیا تھا اور ہندی الفاظ کا استعمال ان کا فطری حق تھا، اضطراری حرکت تھی مگر جب کوئی ایرانی شاعر وارد ہند ہو کر یہاں کے مقامی الفاظ، مقامی ماحول، مناظر، نہریں، درخت، پہاڑ، پیشے، پھل اور پھول وغیرہ کو اپنے کلام میں داخل کر لے تو وہ اہل علم و محب وطن کی نگاہ میں یقیناً قابلِ ستایش ہوگا۔ عرفی نے عمر بھر شاعری کی اور اس ضخیم سرمایۂ حیات میں ایک ہندی لفظ "جھکڑ" دستیاب ہوتا ہے اور وہ بھی بشکلِ مفرس ؎

در چاشت گہ از شبنم گل گرد فشان است　　　آں باد کہ در ہند گر آید "خجکر" آید[1]

طالب آملی نے مندرجہ ذیل شعر میں "بادۂ شبانہ" کے بجائے "رام رنگی" استعمال کیا تو لوگ تعجب بھری نظروں سے دیکھنے لگے تھے ؎

نیم منکر صہبا و لیک می گویم　　　کہ "رام رنگی" ما نشۂ دیگر دارد[2]

یہ کلیم ہی کی خصوصیت تھی کہ اس نے باوجود ایرانی النسل ہونے کے بہت سے ہندی الفاظ استعمال کئے ہیں نہ انہیں مفرس بنایا نہ ان کی ہیئت بدلی بلکہ ان کی اصلی شکل میں ایک ہندوستانی کی طرح اُن ہی معنوں میں استعمال کیا اور کہیں بھی کلام کی روانی میں فرق نہیں آیا۔ اس لیئے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کلیم کے کلام کی ممتاز خصوصیت ہے۔

تمام شعرا دوکاندار کے لیئے تاجر استعمال کرتے آئے ہیں لیکن کلیم نے اپنی مثنوی میں خالص ہندی لفظ "مہاجن" استعمال کیا ہے ؎

فتادہ در دکانِ یک مہاجن　　　ہمہ سرمایۂ دریا و معدن[3]

---

[1] دیوانِ عرفی، "از قصیدہ در وصف کشمیر (خجکر بمعنی جھکڑ استعمال کیا گیا ہے)

[2] Mughal Poetry, P. 8.

[3] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۷۳

وہ ہر جگہ پان کو پان ہی لکھتا ہے "تنبول" نہیں لکھتا ؎

بہ بین، بہ بین چہ گلِ عیش میتواں چیدن | ازاں حدیقہ کہ یک برگِ سبزِ او پان ست[1]
زرنگِ پان چو منقارِ طوطیان سرخست | ہمیشہ ایں لبِ سبزاں کہ راحت جانست
زتنبولی دلی دارم ہمہ ریشش | زغم پیچیدہ ہمچون ہر زۂ خویشش[2]
لبِ معشوق مستِ پان خوردہ | بایں شوخی دل از مردم[3] نبردہ

دھوبی کے لیے فارسی میں دو معین لفظ "گازر و دُلاب" موجود ہیں اور کلیم نے لفظ "دھوبی" اپنی صحیح و سالم شکل میں استعمال کیا ہے ؎

زحُسنِ شستۂ "دھوبی" چہ گویم | ازاں بے پردہ مجوبے چہ گویم[4]

ہندوستان کی مختلف قوموں کے نام پوری بے تکلفی سے باندھا ہے ؎

بتانِ راجپوت و شیخ زادہ | شکیبِ عاشقاں بر باد دادہ[5]
غرورِ حسن با جہلِ پٹھانے | چو گردد جمع نتواں زندگانی

فارسی شاعری میں اتنے پھولوں، پھلوں اور درختوں کے نام اُن کے اصلی ماحول میں اسقدر خوبی سے شاید ہی کسی ہندوستانی شاعر نے پیش کیا ہو ؎

چہ چنپہ شعلۂ شمیعست بے دود | کہ آتش می زند در خرمنِ عود[6]
ز موزونانِ نظر دریوزہ دارم | کہ وصفِ مولسری را می نگارم[7]
برائے شاہدانِ ایں گلستاں | بدستِ "کیوڑہ" بین "بیڑہ" پان[8]
چہ پانی دستِ صنعتش "بیڑہ" بستہ | دماغ از نکہتش در گُل نشستہ
گلِ "گدہل" نہ فہمیدست موسم | شگفتہ چوں رُخِ یار ست دایم

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۵۶ ا
[2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۴۳ ب
[3] " " " : ۹۹ ب
[4] شاعر نے "دھوبی" کا لفظ استعمال کیا ہے، لیکن اگر اس سے مذکر مراد ہوتا تو اس کے حُسن کے بجائے دلیری، شجاعت وغیرہ کی تعریف کرتا اور دوسری چیز یہ کہ دھوبی تو بے پردہ ہوتا ہی ہے۔ بے پردہ مجوب لکھنے سے "دھوبن" مُراد ہوگی۔
[5] کلیاتِ کلیم، ورق: ۷۴ ا
[6] کلیاتِ کلیم، ورق: ۷۶ ب
[7] " " " : ۷۷ ا
[8] " " " : ۷۸ ب

نہالِ "نیمش" از بس خوش نسیم است — دلِ طوبیٰ ز رشکِ آں دو نیم است
گُلِ سرخِ "کول" را چوں ستائیم — چگونہ بر سرِ ایں آتشش آئیم[1]

ہندی عیدوں میں ہولی کا ذکر بہت عمدہ پیرایہ میں حُسنِ تعلیل کے ساتھ کیا ہے ؎

جہاں را بازیِ "ہولی" خوشش آمد — درختانِ چمن را ارغوان کرد[2]

---

[1] کلیاتِ کلیم، ورق: ۹۹ ب [2] کلیاتِ کلیم، ورق: ۱۴۳ ا

نقائصِ کلام

محاسن و نقائص لازم و ملزوم ہیں۔ جہاں گوہر ہوں گے وہاں خزف ریزوں کا بھی ہونا ضروری ہے جہاں اساتذۂ سخن کا کلام بھی نقائص سے مبرا نہیں پایا گیا وہیں کلامِ کلیم میں بھی چند نقص ہیں جنہیں یہاں مشتے نمونہ از خروارے بیان کیا جاتا ہے۔ پہلے وہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں جن میں نقصِ خیال پایا گیا ہو۔

جذبِ شوقم می برد رہبر نمی خواہم کلیم ہر کہ سیلابش برد بے خود بہ منزل می رود

کلیم کہتا ہے: "میرا جذبِ شوق مجھے لے جا رہا ہے اس لیئے رہبر کی مجھے خواہش نہیں"۔ دوسرے مصرعے میں دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ "جس کو سیلاب بہالے جائے وہ بغیر اپنی سعی کے منزل پر پہنچ جاتا ہے"۔ کلیم کے یہاں مثالیہ شاعری کا بہت سا سرمایہ موجود ہے لیکن اس شعر میں تمثیل میں غلطی سرزد ہوگئی ہے۔ چنانچہ مذکورہ صدر شعر میں جو دلیل ہے اس میں نقصِ خیال واقع ہو رہا ہے کیونکہ سیلاب کا بہاؤ بہنے والے کو اس کی منزل ہی کی طرف بہالے جانا ضروری نہیں۔ سیلاب کا رُخ منزل کی مخالف سمت میں بھی ہو سکتا ہے۔

پھول چمن ہی میں کھلتے ہیں مگر کلیم کی سمجھ میں پتہ نہیں کیا بات آگئی کہ اس کے قلم سے یہ شعر تراوش ہوگیا اس میں بھی نقصِ خیال جھلک رہا ہے ؎

خاکِ وطن کلیم زبس غم فزا شدہ است گُل تا بود مقیمِ چمن وا نمی شود

کلیم شکوہ سنج ہے کہ "نہ مجھے دلِ غمگین ملا نہ دلِ شاد نصیب ہوا، نہیں معلوم عالمِ ایجاد آخر مجھے کیا پہنچانا چاہتا ہے"؎

نہ مرا خاطرِ غمگین نہ دلِ شاد رسد بمن آخر چہ ازیں عالمِ ایجاد رسد

شاعر عجیب مہمل بات کہہ گیا۔ فلسفے کا مشہور مسئلہ ہے "اَلضِّدَّانِ لَا یَجْتَمِعَانِ وَلَا یَرْتَفِعَانِ" (دو متضاد چیزیں آپس میں نہ جمع ہو سکتی ہیں نہ اُٹھادی جا سکتی ہیں) اس کی مثال یوں ہوگی کہ اگر دن رہے تو رات نہیں رہے گی اور رات رہے گی تو دن نہ ہوگا۔ جسطرح دو متضاد چیزیں باہم جمع نہیں ہو سکتیں اسی طرح ان کا ارتفاع بھی محال ہے۔ ضدین کے مسئلے کو سمجھنے والا یہ کیسے یقین کر سکتا ہے کہ جب دل نہ غمگین ہے نہ خوش تو آخر کیا ہے؟ اس کو نقصِ خیال کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

حیرتے دارم کہ گردوں بدانایاں بدست　　　　اُو کہ نتواند میانِ نیک و بد تمیز کرد

پہلا مصرعہ موزوں بالوزن نہیں ہے۔ دوسرا نقص یہ کہ معنی اور مفہوم کے لحاظ سے شعر موزوں بالمعنی بھی نہیں۔ کلیم یہ کہہ رہا ہے کہ "فلک کو نیک و بد میں تمیز کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اس لیئے مجھے حیرت ہے کہ وہ داناؤں کے ساتھ بُرائی کیوں کر رہا ہے۔" حیرت اس پر ہونی چاہیئے تھی کہ وہ تمیز نہ رکھنے کے باوجود عقلمندوں سے بھلائی کرتا یا نااہلوں سے برائی کے ساتھ پیش آتا۔ اس لیئے شعر میں اظہارِ حیرت کا محل غلط ہے پیش مصرعہ اگر یوں ہو تو اظہارِ حیرت دُرست ہو سکتا ہے ؎ حیرتے دارم کہ گردوں نیز با دونان بدست۔

هنر ما را چنین ناکام دارد　　　　چراغِ خانۂ رختم بسوزد

"رختم" کی وجہ سے شعر کا قافیہ ختم ہو گیا ہے۔ دوسری غلطی اس تحریف سے یہ ہوئی کہ "شتر گربہ" یعنی مصرعہ اول میں جمع متکلم اور ثانی میں واحد متکلم کی وجہ سے عیبِ سخن پیدا ہو گیا ہے۔ مصرعۂ ثانی کو یوں ہونا چاہیئے تھا ؎ چراغ خانہ رختِ ما بسوزد

کدام گنج کہ در کُنجِ خاکساری نیست　　　　رو از زمین بہ طلب ہر چہ آسماں ندہد

دوسرے مصرعہ کا پہلا حرف "رو" بے معنی اور بے محل ہے۔ سیاقِ کلام "تو" کا طالب ہے۔ یہاں "تو" ہونا چاہیئے ؎ تو از زمین بہ طلب ہر چہ آسماں ندہد۔

ہر دل ز بس غبارِ کدورت نشستہ است　　　　بیچارہ نالہ در تہِ دیوار ماندہ است

اس شعر میں ردیفوں کا تقابل ہے یعنی "است" جو جزو ردیف ہے دونوں مصرعوں کے آخر میں ہے اس کو اصطلاحِ شاعری میں "تقابل ردیفین" کہتے ہیں۔ بجز مطلع کے کسی شعر میں ردیفوں کا تقابل معائب کلام میں شمار ہوتا ہے۔

چوں خود فروش سود ز سوا ندیدہ ایم　　　　گر خاک را بزر بفروشم زیاں کنم

مصرعۂ اُولیٰ میں "زسوا ندیدہ ایم" چھپا ہے۔ سود کی دال سہو طباعت سے کم ہو گی، لیکن "ندیدہ ایم" میں صیغہ جمع متکلم اور مصرعہ ثانی کی ردیف "زیاں کنم" میں واحد متکلم سے "شتر گربہ" واقع ہو رہا ہے۔

؎ قافیہ گر شایگان افتاد عیبِ من مکن

ایطاء جو ایک عیب قافیہ ہے ایرانی اُسے "شایگان" کہتے ہیں۔ کلیم نے اس طرف اشارہ کیا ہے اور اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے۔

بدل کردم بہ ہستی عاقبت زہد ریائی را　　　　رسانیدم بآب از زمین می بنیادِ تقویٰ را

"تقویٰ" میں الف مقصورہ ہے مگر ایرانیوں کے تصرف سے تقوی بن گیا۔ یہی گت لفظ عیسیٰ اور

میلی کی بنی۔ اس غزل میں عیسیٰ اور لیلیٰ کو قافیہ بنایا ہے۔ یہ بدعت صرف کلیم ہی نے نہیں کی سبھی شعرائے فارسی ایسی تصرفات کے عادی ہیں انہیں کی تقلید اُردو شعراء نے بھی کی ہے۔

کلیم کی اِن کوتاہیوں، خامیوں اور بعض شاعرانہ نارسائیوں کے باوجود اہلِ فن اس کے اندر بلند پایہ صلاحیت وندرت پاتے ہیں۔ کلیم کی فنکارانہ خلاقی اُسے مسلسل غزلوں، قطعوں، مثنویوں اور قصاید کی تخلیق کی طرف منعطف کرتی ہے۔ اس کے تجربوں کی وُسعت اور بلندی کو بھی اکثر تنقید نگاروں نے محسوس کیا۔ اس نے فارسی شاعری کے اُفق کو وسیع کیا، مثالیہ کو عُروج دیا۔ اس کا خیال، جذبہ، تخیل، وواردات داخلی کی منزلوں سے گزر کر شاعرانہ تجربے کی حیات حاصل کر لیتا ہے۔ اس کی تخلیق میں ہمیں جذب وسوز، پروازِ تخیل، قوتِ ادراک، حُسنِ وجدان یاس واُمید کی کشمکش، دردوگداز ملتا ہے۔ اس کے یہاں واقعیت کا حُسن بھی ہے اور مثالیت کا جمال بھی۔ اسکے فن میں لطافت، عمق، بلندی اور وسعت پائی جاتی ہے۔ اِن ہی خوبیوں اور فنکارانہ صلاحیتوں نے اُسے دیگر شعرأ سے ممیز کیا اور وہ خاتم دربارِ شاہجہانی کا دُرِ ثمین بن کر چمکا۔

باب پنجم

کلیاتِ کلیم

کلیم کی تصانیف دو کتابوں پر مشتمل ہیں۔ ایک کُلیاتِ کلیم، دوسری مثنوی شاہنامہ۔ مثنوی ایک علیحدہ اور مکمل کتاب کی شکل میں ہے اور کلیات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بنا بریں ماقبل صفحات پر مثنوی کے متعلق پوری تفصیلات پیش کی جا چکی ہیں۔ اب کُلیات کی تفصیل درج کی جاتی ہے کیونکہ اس باب میں اِن تفصیلات کے ساتھ کلیم کا غیر مطبوعہ اور منتخب کلام پیش کیا جائے گا۔

کلیاتِ کلیم قصائد، ترجیع بند و ترکیب، قطعات، مثنویات، غزلیات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔ مثنوی کی طرح کلیات کی تفصیلات پر بھی روشنی ڈالنا ضروری ہے اس لیے آیندہ صفحات میں کُلیات کا تجزیہ کرکے ہر صنفِ سخن کی تعدادِ اشعار درج کی جائے گی۔

کلیاتِ کلیم کی ابتدا، مندرجہ ذیل شعر سے ہوتی ہے ؎

شوق ہر کس را کہ در راہِ طلب سر میدہد   گر در آرد اول از پا آخرش پر میدہد

۱۔ قصاید:

قصاید کے موضوع حمد، نعت، منقبت، تہنیت جلوس مبارک شاہجہان، تہنیت جشن وزن، تہنیت عید و نوروز، تہنیت فتوحات، کتابہ عمارات مختلفہ وغیرہ ہیں؛ اکثر قصائد کا آغاز بہاریہ انداز میں ہوا ہے۔ ظہیر فاریابی، انوری، اور امیر خسرو کا رنگ اکثر قصائد میں جھلکتا ہے۔ امیر خسرو کے تتبع میں تو ایک پورا قصیدہ لکھا ہوا ہے۔ گو عرفی کا سا زورِ کلام تو نہیں ملتا۔ البتہ ظہیر کا سا زوردار مبالغہ جا بجا نظر آتا ہے۔

مصحح کُلیاتِ ہذا میں کُل تعداد قصاید ۳۷ ہے، جس میں بُنیادی نسخہ ا میں ۳۳ قصاید ہیں اور ۴ قصیدے دوسرے کلیات سے لیئے گئے ہیں۔ اِس حساب سے تعداد اشعار تقریباً (۱۴۴۲ + ۲۳۲ = ۱۶۷۴) ہے۔

۲۔ ترکیب بند، ترجیع بند و مرثیہ

ترجیع بند، ساقی نامہ کی صورت میں ۷ بند پر مشتمل ہے۔ یہ ظفر خان حاکم کشمیر کی مدح میں اس کی دی ہوئی طرح پر لکھا گیا تھا۔

ترکیب بند میں ۷ بند ہیں اور ہر بند میں مبالغہ آمیز مدح ہے جس کو شہنشاہ شاہجہاں کی خدمت میں تہنیتِ نوروز کے موقع پر پیش کیا گیا تھا۔

مرثیہ، محمد جان قدسی کی وفات پر کلیم نے تحریر کیا تھا۔ اس میں ۹ بند ہیں اور کلیم کے سرمایۂ سخن میں یہ واحد مرثیہ ہے اور صرف سالار جنگ لائبریری کے نسخوں میں درج ہے۔ اس حصّہ میں تعداد اشعار (۱۵۱+۱۰۴=۲۵۵) ہے۔

۳۔ قطعات :

قطعات اکثر تاریخی ہیں اور یہ کلام کلیم کی ممتاز خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے ہمعصر شعراء کے مقابلہ میں سب سے زیادہ تاریخی قطعات تحریر کئے ہیں۔ عہدِ شاہجہاں کا شاید ہی کوئی جشنِ نوروز، جشنِ عروسی، جشنِ عید، تعمیر عمارات، مواقع تعزیت ایسے گزرے ہوں جس وقت کلیم نے طبع آزمائی نہ کی ہو۔ اس حساب سے کُل تعداد قطعات ۶۲ ہے جس میں ۴۲ قطعات نسخہ ا میں اور ۲۱ دیگر کلیات سے ماخوذ ہیں اس طرح کُل تعداد اشعار (۳۲۰ + ۲۴۸ = ۵۶۸) ہے۔

۴۔ مثنویات :

مثنویات متاخرین کے دور تک پہنچتے پہنچتے اپنا زور و "ملاحت" کھو چکے تھے۔ فردوسی و نظامی کی سی طویل و شاندار رزمیہ و بزمیہ مثنویاں اس دور میں خال خال نظر آتی ہیں۔ کلیم کی طویل و قابلِ ستائش مثنوی کا ذکر تو اوپر ہو چکا ہے۔ کلیات میں جتنی مثنویاں دستیاب ہوئی ہیں وہ مختصر ہیں۔ گو اُن کا پیکر تو مثنوی کا ہے مگر متقدمین کا رنگ و زورِ بیان کسی میں نہیں ہے۔ ان میں اکثر تو عمارات کی تعمیر کے وقت لکھی گئی ہے۔ مثلاً کتابۂ دولت خانہ بادشاہی، کتابہ دولت خانہ اکبر آباد و دولت خانہ لاہور، صفاپور وغیرہ۔

دو۲ تین۳ مثنویاں قدرے طویل ہیں۔ ایک "باغ جہاں آرا و ہندوستان" کی تعریف میں ہے۔ دوسری "تحط دکن شکست نظام الملک" ۱۰۴۰ھ کے موقع پر لکھی گئی ہے۔ تیسری ججھار سنگھ بندیلہ کے قلع قمع ۱۰۴۵ کی تفصیلات کی حامل ہے۔ کُل مثنویات ۲۷ ہیں جن میں سے ۱۷ نسخہ ا اور دیگر ۱۰ نسخہ جات سے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کی تعداد اشعار (۱۳۶۰ + ۳۸۰ = ۱۷۴۰) ہے۔

۵۔ غزلیات:

غزل متاخرین شعرار کا مایہ ناز سرمایہ ہے چنانچہ کلیم کے ہاں بھی اس صنف کا ذخیرہ دیگر اصناف سخن کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔ گو کلیم کے پاس تغزل کم ہے لیکن مضمون آفرینی، جدت تخیل، ندرت طرز ادا، اور مثالیہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اس حصہ میں تعداد اشعار سب سے زیادہ ملتی ہے۔ غزلیات ردیف واری ترتیب میں درج ہیں۔ کل تعداد غزل ۵۷۱ ہے اور تعداد اشعار (۵۳۰۰ + ۲۹۵ = ۵۵۹۵) ہے۔

۶۔ رباعیات:

کلیم کی رباعیات مختلف موضوعات کی حامل ہیں۔ بعض تاریخی ہیں۔ بعض میں تصوف، اخلاق اور فلسفہ ملتا ہے۔ کُل تعداد ۹۲ ہے۔ جس میں نسخہ ا میں ۸۵ اور دیگر کلیات میں زاید ۷ رباعیاں ملی ہیں جن کے حساب سے تعداد اشعار (۱۷۰ + ۲۶ = ۱۹۶) ہے۔

کلیات کی کُل ضخامت محسوب کرنے کے لیئے تمام اشعار کو علی الترتیب جمع کیا گیا تو تعداد اشعار (۱۰۰۴۸) ہوئی ہے چونکہ اختتام کلیات مختلف نسخوں میں مختلف اشعار پر ہوا ہے۔ اس لیئے ابتداء کی طرح کوئی معینہ اختتام پیش کرنا ناممکن ہے۔

اگر اب ہم مثنوی شاہنامہ و کلیات کے کُل اشعار یعنی کلیم کے سارے سرمایۂ سخن کو یکجا کریں تو تعداد اشعار (۱۴۸۲۰ + ۱۰۰۴۸ = ۲۴۸۶۸) ہو جاتی ہے۔

صاحب تذکرۂ طاہر نصرآبادی کلیم کے سرمایۂ سخن سے متعلق یوں رقمطراز ہیں:-

"اشعار اُو (کلیم) از مثنوی وغیرہ قریب بہ بیست و چہار ہزار بیت می شود"[۵]

اور میں نے انتہائی کوشش کی کہ کلیم کے زیادہ سے زیادہ اشعار مجتمع کروں۔ اس تلاش و جستجو کے بعد مجھے اس کی مثنوی و کلیات کے (۲۴۸۶۸) اشعار دستیاب ہوئے ہیں۔ جنہیں مصحح نسخہ کی صورت میں مقالہ کے ساتھ پیش کیا گیا تھا۔

۵۔ تذکرہ طاہر نصرآبادی، ص: ۲۲۰

نسخہ جات کلیاتِ کلیمؔ ہمدانی

ابوطالب کلیم کے کلیات و دیوان کے نسخہ جات ہندوستان و یورپ کی اکثر لائبریریوں میں موجود ہیں۔
کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ایک کلیات اور ۳ دیوان اور کتب خانہ سالار جنگ بہادر میں ۴ کلیات اور ۹ دیوان ہیں۔ رضا لائبریری رامپور اسٹیٹ میں ایک کلیات ہے۔ بانکی پور لائبریری میں ایک کلیات اور ایک دیوان، بوڈلین لائبریری میں ایک کلیات، برٹش میوزیم لائبریری میں ایک کلیات اور ایک دیوان وجود ہے۔ نولکشور پریس سے ایک منتخب اشعار کا دیوان ۱۲۹۷ء میں طبع ہوا ہے۔ آقائے کشاورز صدر نے کلیم کے دو ہزار اشعار کا ایک انتخاب شائع کیا ہے اس کے بعد آقائے پرتو بیضای نے مختصر دیباچہ کے ساتھ ۸ ہزار اشعار "دیوانِ کلیم کاشانی" کے نام سے طبع کئے ہیں۔
مندرجہ بالا مخطوطات میں سے کوئی ناقص الاول ہے تو کوئی ناقص الآخر۔ کوئی مکمل ہے تو قدیم نہیں، قدیم ہے تو مکمل نہیں۔ جیسے رام پور لائبریری کا کلیات جس کے متعلق امتیاز علی خان صاحب عرشی کا بیان ہے کہ وہ قدیم ترین ہے اور موصوف اپنے بیان کی توثیق کے لیئے کلیات کے سرورق پر ایک گوشہ میں تحریر شدہ یہ عبارت پیش کرتے ہیں۔

"درخطۂ کشمیر دلپذیر، ملا ابوطالب کلیم ایں دیوانِ بلاغت نشان را بفقیر تکلیف نمودند، ذرۂ بے مقدار محمد کاظم بن محمد منشی غفر......"

اس عبارت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ نسخہ کلیم نے خود عالمگیر نامہ کے مصنف محمد بن کاظم بن امین منشی کو تحفہ دیا تھا لیکن افسوس کہ یہ کلیات ناقص الاخر ہے۔ بنا بریں اس کو بنیادی نسخہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔
کتب خانہ سالار جنگ میں کلیات کلیم کے متعدد نسخے محفوظ ہیں۔ ۴ نسخوں میں سے دو مکمل اور دو ناقص الآخر ہیں۔ اول الذکر دونوں نسخوں کے سنینِ کتابت علی الترتیب ۱۱۴۵ھ اور ۱۱۵۷ھ ہیں۔ لہذا یہ مخطوطات مکمل تو ہیں لیکن قدیم نہیں ہیں۔ برٹش میوزیم کٹلاگ کے نسخہ پر تو سنہ کتابت ہی درج نہیں۔ بوڈلین لائبریری کے کلیات کا سنہ کتابت ۱۱۵۰ھ ہے اور نسخہ کتب خانہ آصفیہ کا سنہ کتابت ۱۰۸۲ھ ہے جو موجودہ نسخہ جات معلومہ میں قدیم ترین ہے اس کے متعلق ہم سب سے آخر میں بحث کریں گے۔

یورپی کتب خانوں کے نسخہ جات

ہندوستانی و یوروپی کتب خانوں کے مخزونہ مخطوطاتِ کلیاتِ کلیم کی تفصیلات درج ذیل ہیں چونکہ یوروپی کتب خانوں کے نسخہ جات ہمارے سامنے نہیں ہیں اس لیئے ہم ان کی تفصیلات مکمل طور پر نہیں دے سکتے چنانچہ ہم انہیں صرف فہرستوں سے نقل کرنے پر اکتفا کریں گے۔

I. Catalogue of The Per. Mss., in the British Musem., by. Rieu., Vol. II., Col. 686.

The contents of The Diwan are as follows :-

fol. 2.[b] Kasidahs, mostly addressed to Shahjahan, with a Tarkiband of the kind called Bahariyyah, or vernal poem, at the end.

fol. 41.[a] Mukattaat, including chronograms, the dates of which range from. A. H. 1024, Dara Shikuh's birth, to A. H. 1054.

fol. 52.[b] Masnavis, mostly description of buildings erected by Shahjahan, and recording their dates. The longest, fol. 86[a]- 94,[b] Contains an account of the flight and pursuit of Jajhar Singh. The last is a Sakinamah composed for Zafarkhan, Governer of Kashmir.

fol. 97.[b] Ghazals. in alphabetical order, beginning:

بدل کردم بہشتی عاقبت زہد ریائے را   رسانیدم بآب از زمین ی بنیاد تقوی را

The margins contain additional Ghazals.

fol. 166.[a] Rubais

2. Catalogue of the Per. Mss. in the Bodleian Library., by Sachau. No. 116. Col. 699.

Contents,

kasidas on fol. 1.[b] Beginning:-

شوق ہر کس راکہ در راہِ طلب سر میدہد .... الخ

Tarjibands, on fol. 54.[a] Beg:

بادِ نوروزی بہ بستان شردہا آوردہ است   بلبلان را مایۂ برگ و نوا آوردہ است

Kitas and Tarik, on fol. 63.[b] Beg:

پادشاہا! پایہ تخت بود تاج سپہر........ الخ

Mathnawiyyat, کتابۂ دولت خانہ شاہی, on fol. 85.[b]

در تعریف اکبرآباد و باغ جہان آرا . 86.[b] on fol کتابہ دولت خانۂ اکبرآباد

on fol. 87[b], در تعریف جنگ فیل باشہزادہ اورنگ زیب, on fol. 94[b];

بواسطہ نقش کردن بر حاشیہ جلد صدف کاری ; 97.[a] on fol, در تعریفِ قحطِ دکن

on fol. 102;[a] all the remaining headings are missing;

Beg: زہی دلنشین قصر آراستہ ؛ بباغ جہاں سروِ نوخاستہ

Ghazals, alphabetically arranged, on fol. 144,[b]

Beg: بدل کردم ہمستی عاقبت زہد ریای را... الخ

The right order of ff. 107, 176, is 167, 170, 175, 168, 169, 176.

Rubais, on fol. 366.[a] Beg. of the first

ہر چند کہ مرد قول و فعلش تبہست .... الخ

on fol. 375[b] the rubais break off. kitas (for the greatest part, tarik, and Mathnawis, mixed togather; on fol. 248.[b] The first kita

begining: شاہجہان ثانی صاحبقران کہ چرخ .... الخ

The first Mathnawi (headed) کتابہ دولت خانہ شاہی گفتہ
see the preceding Copy, fol. 88.[b] Open thus

زہی دلنشین قصر آراستہ ...... الخ

Kitas, on fol. 26.[a] margin beg:

خدایگانہ اسپی کہ دادہ بر ہے زنا توانی ہرگز نرفتہ رہ دو نیم

Mathnawis, also intermixed with kitas, on fol. 32.[b] Margin. Beg. of the first Mathnawi

زہی عرش بنیاد دولت اساس چو خورشید در آسمان روشناس

with Walkar 72, fol. 299.[a] All the headings are omitted. On the fly-leaf an entry from A.H. 1150 = A.D. 1737, 1738.

این جلد در سنہ ۱۱۵۰ برائے نقل گرفتہ شدہ بود

ہندوستانی کُتب خانوں کے نسخہ جات

۳۔ نسخہ دیوانِ کلیم کتب خانہ عالیہ رام پُور

امتیاز علی خان صاحب عرشی نے اس کی تفصیلات یُوں دی ہیں[۱]۔

دیوانِ کلیم کا نسخہ ۷½" × ۴" سائز کے ۱۴۲ اوراق پر مشتمل ہے۔ کتابت کا ناپ ۴¾ × ۲⅛ ہے ۔ سطر ۱۷ سطری اور کاغذ کشمیری باریک ہے۔ پورے نسخے میں سُنہری اور سیاہ دوہری جدولیں ہیں۔ متن کتاب سیاہ اور عنوانات قصائد و قطعات شنگرفی ہیں۔ سرورق پر یہ شعر لکھا ہے۔

ہر ورق را کہ ازیں گردانی گل دگر شگفتہ گردانی

---

[۱] "ماہنامہ برہان" مرتبہ سعید احمد اکبرآبادی، شمارہ نمبر ۲، فروری ۱۹۵۴ء، ص ۱۱۱ اور خود موصوف نے میری درخواست پر مزید تفصیلات بھی روانہ فرمائی ہیں۔

اس شعر کو کسی بعد کے مالک نے بڑے خط میں دوبارہ لکھا ہے۔ اِس شعر کے نیچے بائیں گوشے میں ترچھی سطروں کے اندر یہ عبارت درج ہے :

"درخطۂ کشمیر دلپذیر، ملا ابوطالب کلیم این دیوانِ بلاغت نشان را بفقیر تکلیف نمودند، ذرۂ بے مقدار محمد کاظم بن محمد امین منشی غفر......"

اِس عبارت کی داہنی طرف لکھا ہے :

"وغزلیاتی کہ در حاشیہ نوشتہ بخطِ اُوست، رحمۃ اللہ تعالیٰ"۔

نسخے کا آغاز قصائد سے ہوتا ہے، چنانچہ ورق ۱ ب سے پہلا قصیدہ شروع ہوتا ہے جو نعتیہ ہے۔ اس کا آغاز ہے :

"شوق ہر کس را کہ در راہِ طلب سر می دہد"

اسی صفحہ میں بسم اللہ کے اُوپر زرنگین لوح کے لیے سادہ جگہ چھوڑی گئی تھی اس میں لکھا ہے۔

"من متملکاتِ مرزا غیاث الدین خان"۔

اس لوح کے اُوپر اور ورق ۲ الف کے حاشیۂ بالا پر مُہر ہے جس میں لکھا ہے :

"عماد الدولہ معتمد الملک سید یوسف علی خان بہادر عماد جنگ ـــ ۱۲"

مشمولات کی صورت یہ ہے کہ ورق ۱ ب ـ ۱۳۳ ب تک قصائد، قطعات، ترجیع بند اور مثنویاں ہیں۔ قطعوں اور قصائد میں تاریخی بھی ہیں اور غیر تاریخی بھی۔ ورق ۱۳۴ ب ـ ۲۳۴ الف تک غزلیں ہیں اور اسی صفحے سے ورق ۲۴۱ ب تک رُباعیاں ہیں۔

نسخہ ناقص الاخر ہے، اس لیے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہیں چلتا جیسا کہ سرورق کے ایک نوٹ میں کہا گیا ہے دیوان کے حواشی پر کلیم کے قلم کے اضافے بھی ہیں، وہ تعداد میں ۱۱ ہیں۔

اِن حاشیوں کے اضافوں کے ماسوا ورق ۱۱۸ ب، ۱۳۶ الف اور ۲۰۴ ب کے حاشیوں پر بھی کلیم کی غزلیں درج ہیں مگر یہ سب نسخے کا تب ہی کے قلم کی نوشتہ ہیں۔

ورق ۲۰۵ ب کے حاشیے پر ایک غزل تیسرے خط میں مندرج ہے اس کا عنوان ہے "لراقمہ" اور مقطع میں ہادی تخلص ملتا ہے۔ جس کا یہ مطلب ہے کہ کسی ہادی تخلص کے شاعر نے لکھی ہے۔ اس غزل کے یہاں دیوانِ کلیم میں لکھنے کی تقریب صرف اتنی ہے کہ اسی صفحہ میں کلیم کی ایک غزل ہے جس کا شعر ہے

از ظفر خان بود آں جمعیت و طرحِ غزل   باکہ دیگر زلفِ معنی را پریشاں میکنم

اس شعر کے دوسرے مصرع کو ہادی نے اپنے مقطع میں درج کر لیا ہے۔ کہتا ہے

"ہادی، این مصرع کلیم از روی حسرت گفت و رفت   باکہ دیگر .... الخ"

نسخہ مندرجہ بالا کی مزید تفصیلات یہ ہیں۔

۱۔ قصاید تعداد میں ۳۲ ہیں ۔ اس کی ترتیب بالکل بُنیادی نسخہ ا کی طرح ہے، صرف قصیدہ "در منقبت حضرت علیؓ" اس میں کم ہے۔

۲۔ ترکیب بند و ترجیع بند:

اس حصہ میں صرف ایک ترکیب بند اور ایک ترجیع بند ہے ۔ مرثیہ محمد جان قدسی نہیں ہے۔

۳۔ قطعات تعداد میں ۴۲ ہیں۔

۴۔ ۲۴ مثنویاں ہمدست ہوئی ہیں دیگر نسخہ جات کی طرح نہ افراط ہے نہ تفریط ہے۔

۵۔ غزلیات ردیف وار ورق ۴۴ اب تا ۲۳۴ ا درج ہیں۔

٦۔ رباعیات: ۲۳۴ ا ۔ ۲۴۱ ب

نسخہ چونکہ ناقص الاخر ہے اس لیئے سنہ کتابت معلوم نہ ہو سکا۔

۴۔ کُلیاتِ کلیم[۱]

کتب خانہ سالار جنگ، نمبر ۴۴٦

اِس نسخہ کا حجم (۳۴۵) اوراق ہے ۔ مسطر ۱۵ سطری ہے ۔ سرورق مطلا، حاشیہ پر طلائی لکیر ہے۔

۱۔ قصاید: ورق: اب ۔ ٦۰ ا

قصاید کی ترتیب کتب خانہ آصفیہ کے نُسخہ کی طرح ہے لیکن اس میں ۴ قصیدے زیادہ ہمدست ہوئے ہیں جن میں سے دو تو صرف اِسی نسخہ میں ملتے ہیں کسی اور نسخہ میں نہیں ۔ ان دونوں قصیدوں کی تکرار کی وجہ تعداد قصاید ۳۸ ہو گئی ہے ورنہ ان کو ایک ایک ہی شمار کیا جائے تو مکمل تعداد ۳٦ ہے۔

۲۔ ترکیب بند، مرثیہ اور ترجیع بند: ورق: ٦۰ ا تا ٦۹ ب

(ا) مدح شاہجہان میں تحریر شدہ ترکیب بند درج ہے۔

(ب) قدسی کے انتقال پر لکھا ہوا مرثیہ جو صرف سالار جنگ لائبریری کے کُلیات میں ہمدست ہوا ہے۔

(ج) ترجیع بند ساقی نامہ: ورق ٦٦ ب تا ٦۹ ب "مدح ظفر خان حاکم کشمیر" کے سلسلہ میں لکھا گیا تھا۔

۳۔ قطعات: ورق: ٦۹ ب تا ۹۰ ب

قطعات کی ابتدا و انتہا یکساں ہے مگر اس نسخہ میں دیگر نسخہ جات کے مقابلہ میں ۲۲ قطعات زیادہ ہیں۔

---

[۱] کتب خانۂ آصفیہ کے نسخۂ کلیاتِ کلیم (۱۲۲۵) کے بعد یہ دوسرا نسخہ ہے جو قدیم بھی ہے اور مکمل بھی اس لیئے اس کا حوالہ "نسخۂ ب" کے نام سے دیا گیا ہے۔

۴۔ مثنویات : ورق : ۹۰ب تا ۱۴۹ا

اِس نسخہ میں ۲۶ مثنویاں ہیں ۔ آغاز تو دیگر نسخہ جات کی طرح ہوا ہے مگر اختتام پر ۹ زاید مثنویاں دستیاب ہوتی ہیں ۔

۵۔ غزلیات ؛ ورق ۱۴۹ب تا ۳۳۵ب ۔ غزلیات ابجد واری ترتیب میں لکھی ہوئی ہیں ۔

۶۔ رباعیات : ۳۳۶ا ۔ ۳۴۵ب

اختتام اِس عبارت پر ہوا ہے ۔

"تحت نسخہ دیوان طالب کلیم تباریخ غرہ ربیع الثانی ۱۱۴۵ھ حسب الفرمودہ خان عالیشان"۔

کتب خانہ سالار جنگ نمبر ۱۹

۵۔ کُلیاتِ کلیم[1]

زیرِ بحث کُلیاتِ کلیم کا مخطوطہ "تذکرۃ الشعراء" کے حاشیہ پر لکھا ہوا ہے اور اس کی ایک خصُوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر قصیدہ، قطعہ و مثنوی کے آغاز پر عُنوان درج ہے ۔

۱۔ قصاید : ورق : ۱ب تا ۴۹ا

اس حصّہ کی ترتیب نسخہ ب کے مماثل ہے ۔ لیکن اس میں ۳۴ قصاید ہیں ۔ ۲ زاید قصاید صرف نسخہ ب ہی میں ہمدست ہوئے ہیں ۔

۲۔ ترکیب بند / مرثیہ و ترجیع بند : ورق : ۴۹ا تا ۵۷ب

یہ حصّہ نسخہ ب کے حصّہ (۲) کے بالکل مطابق ہے ۔

۳۔ قطعات ؛ ورق : ۵۷ب تا ۷۳ا

اس حصّہ کے مشمولات ۵۷ قطعات ہیں اور نسخہ ب سے اس میں ۵ قطعات کم ہیں، لیکن ترتیب میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

۴۔ مثنویات : ورق : ۷۳ا تا ۱۶۳ب

مثنویات کی ترتیب میں مندرجہ بالا نسخہ سے خفیف سا فرق ہے ۔

۵۔ غزلیات : ورق : ۱۶۳ب تا ۲۷۲ب

۶۔ رباعیات : ورق : ۲۷۲ب تا ۲۸۱ب

---

[1] اس نسخہ کا حوالہ ہر جگہ "نسخہ ج" کے نام سے دیا گیا ہے ۔

اختتام پر یہ عبارت درج ہے۔

"درہنگامے کہ محمد شاہ بادشاہ غازی چینی خانہ راکہ بجہتہ شہنشاہ عالمیان نادر شاہ ارسال نمودہ وبہ تحویل ..... مقرر شدہ کہ برساند۔ بتاریخ چہاردہم ذی قعدہ ۱۱۵۷ھ از ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ دردار السلطنتہ لاہور دیوان کلیم اتمام نمود۔"

۶۔ کلیاتِ کلیم[1]

کتب خانہ سالار جنگ نمبر ۴۶۷

اِس نسخہ کی تفصیلات دیگر دو نسخہ جاتِ مذکورہ بالا کی طرح اس لیئے درج نہیں کی جاسکتیں کہ یہ بے حد کرم خوردہ ہے۔ جہاں اور نسخوں سے (اختلاف قرأت) Varients صحیح نہ مِل سکے اور صحیح الفاظ باوجود کوشش کے دستیاب نہ ہوئے تو اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس نسخہ سے استفادہ کرنے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ اس میں بھی عنوانات ـــــ مرقوم ہیں کسی تیسرے نسخہ میں درج نہیں ہیں۔

۷۔ کلیاتِ کلیم کا قریب ترین، قدیم ترین و مکمل نسخہ[2]

اسٹیٹ سنٹرل لائبریری حیدر آباد
فن دواوین نمبر ۱۲۲۵ (فارسی)

یہ نسخہ ۱۲×۲۰ $\frac{1}{2}$ سنتی میٹر سائز کے (۳۱۲) اوراق پر مشتمل ہے۔ مسطرہ ۱۵ سطری ہے۔ سرورق مطلاً و مذہب، حاشیہ پر طلائی لکیر ہے۔ کاتب یوسف نے نہایت خوش خط لکھا ہے۔

۱۔ قصاید: ورق: ۱ب تا ۵۲الف

(ا) قصاید کا آغاز حمد سے ہوا ہے۔

(ب) نمبر ۲ سے ۱۸ تک کے قصاید شاہجہان کے فتوحات، جشنِ وزن، عید نوروز و مختلف عیدوں کے موقعوں پر پیش کردہ تہنیت کے حامل ہیں۔

(ج) قصیدہ ۱۹ تا ۲۴ میر جملہ شہرستانی اور شہنواز خان وزیر ابراہیم عادل شاہ ثانی کی مدح میں لکھے ہوئے ہیں۔

(د) قصیدہ ۲۵ تا ۳۱ میں مدح شاہجہان، تعریف باغ فیض بخش، تعمیر مسجد اجمیر، کی تاریخ درج ہے۔

---

[1] اس نسخہ کا حوالہ "نسخہ ع" کے نام سے دیا گیا ہے۔
[2] قدیم ترین و مکمل ہونے کی وجہ سے اس نسخہ کو بنیادی قرار دیا گیا ہے اور اس کا حوالہ "نسخہ ا" کے نام سے دیا گیا ہے۔

(ر) قصیدہ ۳۲، امیر خسرو کے قصیدے بحر الابرار کے تتبع میں لکھا گیا ہے۔

۲۔ ترجیع بند و ترکیب بند : ورق : ۵۲ الف۔ ۵۷ ب

(الف) ترجیع بند ساقی نامہ ۷ بند پر مشتمل ہے جس میں ظفر خان حاکم کشمیر کی مدح ہے۔

(ب) ایک ترکیب بند جو شاہجہان کو عید نوروز کی تہنیت میں پیش کرنے کے سلسلہ میں سپردِ قلم کیا گیا ہے۔

۳۔ قطعات : ورق : ۵۷ ب تا ۶۹ ب

ورق ۵۷ ب تا ۶۹ ب، ۴۰ قطعات ہمدست ہوئے ہیں جن کے تحریر کرنے کا مقصد شہنشاہ شاہجہان کے مختلف فتوحات، تعمیرات وکارناموں کو اُجاگر کرنا اور ان کی تاریخیں نکالنا تھا۔

۴۔ مثنویات : ورق : ۷۰ الف تا ۱۱۶ ب

۱۷ مثنویاں جن میں عہدِ شاہجہاں میں تعمیر ہونے والی مختلف عمارتوں کی تعریف و تاریخ اور قندھار، دکن، بلخ و دیگر ممالک کی فتوحات کی تاریخ درج ہے۔ ایک مثنوی میں محل شاہنواز خان کی تعمیر کی تفصیلات نظم ہیں اور آخری مثنوی میں ججہار سنگھ بندیلہ کی بغاوت و سرکوبی کی تفصیلات ہمدست ہوتی ہیں۔

۵۔ غزلیات : ورق : ۱۱۶ ب تا ۳۰۳ ب

غزلیات کی ترتیب بہ لحاظ ابجد ہے۔

۶۔ رباعیات : ورق : ۳۰۳ ب تا ۳۱۲ ب

اِن رباعیات میں چند تاریخی ہیں۔ چند مذہبی مسائل کی حامل، اور چند میں شاعر نے خود کو مخاطب کر کے اخلاقیات کے مسائل پیش کیے ہیں۔

اختتام کتابت اِس عبارت پر ہوا ہے۔

"تمت الدیوان افصح المتکلمین کلیم در تاریخ یوم السبت یازدہم رجب المرجب سنہ اثنین و ثمانین بعد الف من الہجرۃ النبویۃ علیہ افضل الصلوات، علی ید الحقیر الفقیر یوسف غفر اللہ .... مبارکباد"

اِس نسخہ کا سنہ کتابت ۱۰۸۲ھ ہے اور کلیم نے ۱۰۶۱ھ میں وفات پائی تھی لہٰذا کلیات کے سنہ وکلیم کے سنہ

وفات میں صرف ۲۱ سال کا فصل ہوتا ہے اور اس نسخہ کے سوا کوئی دوسرا نسخہ ہم کو ایسا ہوست نہ ہو سکا یا کسی دوسری لائبریری کی فہرست میں نظر نہ آیا جس کا سنہ کتابت ۱۰۸۲ سے قبل کا ہو۔ بنا بریں ہماری تلاش و تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ سنٹرل لائبریری) کا کلیات نمبر ۱۲۲۵، عہد کلیم ہمدانی سے قریب ترین، قدیم ترین اور مکمل ہے۔ اس لیئے ہم نے اس کو بنیادی نسخہ قرار دیکر، دوسرے نسخوں سے مقابلہ کے بعد متن تیار کیا ہے جو اصل مقالہ میں باب ہفتم کی شکل میں منسلک کیا گیا ہے۔

دیوانِ کلیم کاشانی

(از) آقائے پرتو بیضائی

مطبوعہ دواوین میں یہ دیوان زیادہ ضخیم اور قابلِ اعتنا ہے۔ آقائے پرتو بیضائی نے ۱۴ صفحات کے مقدمہ کے ساتھ (۸۶۶۸) اشعار شایع کئے ہیں۔ کتاب دیدہ زیب ٹائپ میں طبع کی گئی ہے۔ سرورق سادہ اور ثقہ ہے۔ ضخامت ۴۱۹ صفحات و مسطر ۲۵ سطری ہے۔ مشمولات کی صورت یہ ہے:-

۱۔ قصائد صفحہ ۱ تا ۶۳ جن کی تعداد (۳۱) ہے۔

۲۔ قطعات (۴۴) صفحہ ۶۴ تا ۸۰ جن میں تاریخی و غیر تاریخی دونوں شامل ہیں۔

۳۔ غزلیات (۵۸۵) از صفحہ ۸۷ تا ۳۲۳۔

۴۔ ترجیع بند، ترکیب بند۔ مرثیۂ قدسی، ص ۳۲۴ تا ۳۳۶۔

۵۔ مثنویات (۲۳)، تاریخی و غیر تاریخی۔ صفحہ ۳۳۷ تا ۴۰۷۔

۶۔ رباعیات (۸۰)، صفحہ ۴۰۷ تا ۴۱۹۔

مقدمۂ دیوان ہذا سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آقائے محترم پرتو بیضائی نے اس دیوان کے سلسلہ میں ۳ نسخوں سے استفادہ کیا ہے اور یہ تینوں نسخے جن میں بنیادی نسخہ بھی شامل ہے، تاریخ کتابت سے خالی ہیں۔ مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یا تو نسخوں میں اختلافِ قرات نہیں تھا یا تھا بھی تو فاضل مصحح نے اندراج مناسب خیال نہیں فرمایا اور اکثر مقامات پر "کذا فی الاصل" ہی لکھنے پر اکتفا کیا۔ حالانکہ تقابل کے وقت اکثر جگہ نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ہمارے فاضل اساتذہ نے تو اختلافِ قرات کی وضاحت کو ہمیشہ اہمیت دی ہے۔ ویسے بھی جتنے دواوین ایران سے شایع ہو کر ہندوستان آئے ہیں ان میں سے اکثروں میں اختلافِ قرات کا اندراج ہوتا ہے۔

ہندوستانی کتب خانوں کے نسخوں اور یوروپی کتب خانوں کے تمام نسخوں میں کلیات کلیم کی ابتداء حمد کے اس شعر سے ہوئی ہے ؎

شوق ہر کس را کہ در راہ طلب سر میدہد
گرد را آرد اول از پا آخرش سر میدہد

لیکن نسخۂ ہذا کی ابتدا منقبت حضرت علیؓ سے ہوتی ہے۔ حمد اور دو ایک قصاید کی اس میں کمی ہے اور منقبت میں بھی وہ شعر شایع نہیں ہوئے جن سے اہلِ سنت الجماعت کے عقاید کو ٹھیس پہنچتی تھی اور ان کا استہزا مقصود تھا۔ میں نے ان اشعار کو غیر مطبوعہ کلام کے حصّہ میں شامل کر دیا ہے تاکہ قصیدہ مکمل ہو جائے۔

ویسے دوسرے حصّوں میں نہ زیادہ افراط ہے نہ تفریط۔ البتہ رباعیاں ہمارے بُنیادی نسخہ سے زاید ہیں۔ تفصیل نامکمل رہ جائے گی اگر میں اس کی چند خامیوں کی طرف اشارہ نہ کروں۔ تمام کی تمام بیان کرنے کیلئے کافی وقت چاہیے یہاں صرف مشتے نمونۂ از خروارے بتائے جاتے ہیں۔ اس دیوان میں غلطیاں دو طرح کی ملتی ہیں۔

(۱) متن سے متعلق واقعہ سے ناواقفیت کی بنا پر حاشیوں میں جو تشریحات درج ہیں وہ تاریخ اور حالات کی روشنی میں غلط ثابت ہوتی ہیں۔

(۲) طباعت کی۔

ص ۵۷ کے حاشیہ پر یہ عبارت درج ہے:

"در ہندوستان جای بنام فتح پُور است کہ ظاہراً منظور شاعر ہماں نقطہ است"۔

معاصر تاریخوں سے یہ معلومات فراہم ہوتے ہیں کہ ۱۰۳۸ء میں نذر محمد خان والی کابل نے سرحدی علاقوں پر فوج کشی کی تھی اسکی سرکوبی کے لیئے لشکر خان کی سرکردگی میں ایک لشکرِ جرار روانہ کیا گیا تھا اور اس تقریب میں کلیم نے یہ قطعہ لکھا تھا "کشور فتح" سے روانگی کی تاریخ کا استخراج ہوتا ہے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فتح پُور سے بالکل نہیں ہے۔

صفحہ ۳۷ پر لکھا ہے،

"چنین بنظر میرسد کہ کلماتی ازیں قطعہ و مادہ تاریخ آں تحریف شدہ زیرا اولا بلقیس مناسبتی با جمشید ندارد و بالفرض صحیح ہم باشد تاریخی کہ ازآں حاصل می شود سال ۱۰۴۲ میباشد۔ درصورتیکہ شاہ شجاع مطابق مادہ تاریخ دیگری کہ درایں دیوان ضبط شدہ درسال ۱۰۲۵ متولد شدہ و مسلماً درسن ۷ سالگی ازدواج نکردہ است و بنابریں ماایں قطعہ را بدون مداخلہ درج کردیم"۔

ولادت شاہ شجاع کا تاریخی مقطعہ یہ ہے ؎

بہر تاریخ ولادت بدعا گفت ملک	"دو مین نیر بادا فلک شاہی را" ۱۰۲۵

شاہنامہ کلیم سے اس کی مزید توثیق ہوتی ہے بنابریں متعلقہ اشعار درج کیئے جاتے ہیں ؎

چنیں گفت خاقانِ دریا شکوہ	کہ زیبد بر و نام دارالشکوہ
چو بگذشت بر سالِ ہجرت ہزار	بر اں بیست افزود بر بیست چار ۱۰۲۴
بیک سال بعد از نخستین پسر	شد اقبال مندی دیگر جلوہ گر

ازان پادشاہِ فلک ارتفاع مقرر شدش نام سلطان شجاع

شاہنامہ کلیم "تاریخ اور قطعہ سے تاریخ ولادتِ شاہ شجاع ۱۰۲۵ھ نکلتی ہے۔ آقائے پرتو بیضائی نے "دومین" کو چونکہ "دویمین" لکھا ہے جس کی وجہ سے دس سال بڑھ جاتے ہیں لہٰذا موصوف کا تاریخ عروس والا اعتراض مناسب نہیں

صفحہ ۳۶۹ پر ایک مثنوی ہے جس کا عنوان "کتابہ عمارت شاہنواز خان از امرائے شاہجہان" لکھا ہے۔ اسی مثنوی میں ابراہیم عادل شاہ کا حوالہ اور ساتھ ہی شاہنواز خان کی وزارت کا حوالہ صاف و صریح ہے پھر بھی اسے امرائے شاہجہان لکھا گیا ہے۔ محولہ اشعار جن میں نام مندرج ہے یہ ہیں ؎

شہ عادل خدیو ملک اقبال ؎ در ایوان بینی ابراہیم وگلزار

وزیر پیش بیں دستور دانا

صفحہ ۲۵۵ پر درج ہے۔

"گویا مقصود نظام الملک از ملوک الطوائف دکن و مؤسس حیدرآباد متوفی ۷، ارذیقعدہ سنہ ۱۰۲۰ھ معروف بہ (بہری) میباشد"

کلیم نے نظام الملک بہری کی سرکوبی و قحط دکن کے سلسلہ میں ۱۰۴۰ھ میں ایک مثنوی سپرد قلم کی تھی۔ یہ نظام الملک، بہری خاندان کا امیر تھا۔ آقائے موصوف نے سلطان قلی قطب شاہ بانی حیدرآباد متوفی ۱۰۲۰ھ کو نظام الملک بہری لکھا ہے جو از روئے تاریخ غلط ہے۔

طباعت کی غلطیاں ہر کتاب میں ہو ہی جاتی ہیں لہٰذا اس دیوان میں بھی ہیں جن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں۔

۵ "ساکن بیت[۱] الٰہی اما گر از دست آید"

اصل لفظ "بیت اللہی" ہے ٹائپ کی غلطی سے بیت الٰہی چھپا ہے جس سے مصرع غیر موزوں ہوگیا ہے۔

گوش برآواز خاموشان بود لطفِ خفی گر نخواہی حاجتی را زود تر گردد دوا[۲]

"دوا" کا لفظ بے محل ہے "روا" ہونا چاہیئے۔

ہلاکِ پنجۂ شرگاں ترا[۳] چرا نشویم

ترا غلط ہے "تو" صحیح ہے۔

بہ تیغ نازِ تو دعویٔ[۴] خون من کہ کند

"دعوائے خونِ من" ہونا چاہیئے۔

---

[۱] ص ۱: [۲] ص ۲۰ [۳] ص ۹: [۴] ص ۹۲

ع بہ ہفت عضو بود سجدہ لیک برادرِ او[1] ۔
"برادرِ اُو" مناسب ہے ۔

ع کہ صیت عدلش چوں حسنِ صُورت[2] روح فزاست
"حُسنِ صوت روح فزا" معنی کے لحاظ سے ٹھیک ہوتا ہے ۔

ع از دوستِ[3] زینتِ عالم کہ روی دنیارا
"ازوست" صحیح ہے ۔ "ازدوست" غلط ہوگا ۔

ع مطیعِ حکمت بادا اقلم[4] و ایجاد
"حکمِ تو" سے وزن ٹھیک ہوتا ہے ۔

ع خاکِ تو سرمۂ اولوالابصار[5]
"اولوالابصار" ترکیب میں مضاف الیہ واقع ہوا ہے اس لیئے "اُولی الابصار" لکھا جانا چاہیئے ۔

دردرا درخورِ طاقت بدہند شعلہ در جانِ شرر[6] افتادست

طباعت کی غلطی سے "شرار" کی جگہ "شرر" چھپ گیا ہے ۔ بہار، شمار، کار وغیرہ کا قافیہ "شرر" کیسے ہو سکتا ہے ۔ شرار ہی ہوگا ۔

ع (من)، ز آب سیلِ تیغِ تو قسمت نیافتم[7]
اِس مصرعہ کے پہلے "من" سہو کتابت کی وجہ سے طباعت سے متروک ہو گیا ہے ۔ ایک سبب خفیف پہلے مصرعہ کے آگے اضافہ کیا جائے تو مطلب و مفہوم سمجھ میں آتا ہے ۔

غزل نمبر ۳۶۳ کے مطلع کا پہلا مصرعہ غلط چھپ گیا ہے ع گل در چمن بجز خار در پیرہن ندارد
جس وزن میں یہ غزل کہی گئی ہے یہ مصرعہ اس وزن سے خارج ہے ۔ قیاس وزن شعر یہ چاہتا ہے کہ مصرعۂ اوّل یوں ہے

جز خار در چمن گل ، در پیرہن ندارد
مفعول فاعلاتن مفعول فاعلاتن

ع ہُشیار را چنیں ناکام دارد چراغِ خانہ رختم بسوزد[8]
سہو کتابت و طباعت سے اس شعر کا قافیہ ختم ہو گیا ہے ۔ مصرعۂ ثانی یوں ہوتا تو مناسب تھا ع
چراغِ خانہ رختِ ما بسوزد

---

[1] ص: ۱۰ [2] ص: ۱۱ [3] ص: ۱۴ [4] ص: ۱۹ [5] ص: ۳۷ [6] ص: ۱۰۰ [7] غزل: ۳۶۲ [8] غزل: ۳۲۹

ہ دیدہ ہا چو خدا شکلِ صدف داد کلیم

مصرعۂ اول میں ایک سبب خفیف کم ہونے سے مصرعہ ساقط الوزن ہوگیا یعنی "دیدہ ہا" کے بعد "را" طباعت سے متروک ہوگیا ہے ہ

دیدہ ہا را چو خدا شکلِ صدف داد کلیم

ک کو گ جیسے مددگاری کو مددکاری، رشک کو رشنگ، کشادہ کو گشادہ لکھا گیا ہے پتہ نہیں یہ اہل زبان کا تصرف ہے یا ٹائپ کی غلطی یہ سارے دیوان میں پائی گئی ہے۔

حاصل کلام ہندوستان میں جتنے بھی دواوین شایع ہوئے ہیں ان سب میں صرف غزلیات چھپی ہیں لیکن آواے پرتو بیضائی نے تو تمام کلیات طبع کیا ہے ہم نے اسی کو سامنے رکھ کر اور اپنے غیر مطبوعہ کُلیات سے مقابلہ کر کے اُن اشعار کو حصہ ا میں ہدیۂ قارئین کیا ہے جو اس مطبوعہ "دیوانِ کلیم کاشانی" میں نہیں ہیں اور حصہ ب میں منتخب کلام پیش کیا جاتا ہے تاکہ ارباب علم کے ذوق کی حتی الامکان تسکین ہو سکے۔

حصہ (۱)

قصیدہ در نعت سید المرسلین

شوق هر کس را که در راهِ طلب سر میدهد — گر در آرد اول از پا آخرش[1] پر میدهد

بچۂ شهباز قدسی گردد و روزت روزگار — پای بند آشیاں کرد آخرت سر میدهد

ما بآتش[2] هیچو شمع ایں جا قناعت کرده ایم — خشک اگر هم شد نهالِ کامِ ما بر میدهد

نبضِ خود را چوں نهد[3] بیمار در دستِ طبیب — خو به محنت کرده زانساں رگ به نشتر میدهد

کمتر از کاهست کوه آں جا که تن در میدهم — هرچه آید بر سرم تسلیم مغفر میدهد

چرخ اگر غالب شود دست از حریفی کے کشم — بس کشادی کین دغل هنگامِ ششدر میدهد

چاکِ دل محرابِ طاعت بس مرا کز فیضِ او — آنچه از صد در نمی یابم[4] زیک در میدهد

ارجمنداں را دریں رہ چشم بر خواریِ ماست — رشتۂ ایں جا نظامِ گنج گوهر میدهد

انتخابِ کامِ دونان تا بجدی شد که دهر — بر فلک از بهر شاں تغییرِ اختر میدهد

بی نصیب از مادرِ گیتی ز مردی گشته ایم — زاں که مادر بیشتر ساماں بدختر میدهد

وقتِ مرداں می رسد چندی صبوری پیشه کن — دختراں را روزگار آخر بشوهر میدهد

ز آتشِ ایں وادی آگه نیستم[5] لیکن گهی — می خورم آبی که تسکینِ سمندر میدهد

سوزِ ما را نیست پایانی خوشا احوالِ شمع — گه تبش در شام می گیرد سحر سر میدهد

در خطرها تن بمردن[6] به که امیدِ کنار — قوتی دیگر به بازوی شناور میدهد

---

۱ ب : آخرش

۲ ا : بالش ؛ ب، ج : بآتش

۳ ب : دهد

۴ ا : مانم ؛ ب، ج : یابم

۵ ا : نیم ؛ ب : نیستم

۶ ج : نه

گر فلک بعد از شکر زهرت دهد از دی مرنج ‌ چون به تلخی می برد شیری که مادر میدهد

چون نگردم هر نفس پروانه سان بر گرد او ‌ من که از بند قبایم شوق شهپر میدهد

در کف دهر از خس و خار وجود ما مپرس ‌ هر چه را آتش نمی سوزد بصرصر میدهد

چون عصای کور در پست و بلندم روزگار ‌ می کشد آخر نمی دانم کجا سر میدهد

بگذر از سودای افسر تا بمانی سربلند ‌ شمع را این کاهش تن بار افسر میدهد

خاک ره شو وز غبارت چشم اختر کور کن ‌ خاکساری ها سزای این[1] ستمگر میدهد

بار غم بر جان بمقدار توانائی نهند ‌ داد آسایش در این جا جسم[2] لاغر میدهد

آرزوی برتری کم کن که گردون چون شهاب ‌ هر که را بالا برد در نیمه ره سر میدهد

دیده یک پرده است ور پوشی ز نامحرم ترا ‌ پیش یاجوج بلا سد سکندر میدهد

دامن تر را با آتش خشک نتوان ساختن ‌ تن بخشکی گر دهد از دیده تر میدهد

عقل را با عشق سودا کن که با شاهنشهی ‌ افسر داغ جنونت نیز بر سر میدهد

تا پسند غم فتد دل داغ بر داغش فزا ‌ کاین عروس زشت را زیور بشوهر میدهد

کس به هیچت بر نمی دارد چو لطف حق ترا ‌ از تو گیرد در بهایت هر چه بهتر میدهد

تکیه ات چون کور دایم بر عصا بیش از خداست ‌ وانگهت پیش بلا سد سکندر میدهد

در بیابانی که خضرش سینه مالد بر سراب ‌ فیض رحمت جرعه ام چون دور ساغر میدهد

ناکسی[3] از خاک ره والاتری را همچو من ‌ سرفرازی ز آستان بوس پیمبر میدهد

آستانی کز شرف ایزد ز خاک پاک او ‌ انبیا را در میان امت افسر میدهد

هست معراج ملایک آستان مصطفی ‌ هر کرا حق برگزید از وحی رهبر[4] میدهد

حاملان گر یک نفس از عرش بردارند دست ‌ خویش را از شوق خاک درگهش سر میدهد

هم لب از خاک درش هم دیده کام خود گرفت ‌ فیض انعامش بخشک و تر برابر میدهد

از مدینه تا نجف[5] خار بیابان از شرف ‌ مایه توفیق بهر رهروان پر[6] میدهد

---

[1] ب، هر

[2] ا، ب: هر که؛ ج: جسم

[3] ا: ناکس؛ ب: ناکسی

[4] ا، سر؛ ب، ج: رهبر

[5] ب: "شرف" در متن و "نجف" بر حاشیه

[6] ب: پر؛ ا، ج: بر

نقش پای ناقه زاشکِ رهروان پر گوهر است / یا ز فیضِ ره صدف در خشک گوهر میدهد

نوح گر امت بطوفان داد این دریای فیض / جرمِ امت را بطوفان روزِ محشر میدهد

کجروان را پیرویِ ملتِ او رهنماست / جادهای شاهراهِ شرعِ مطهر میدهد

رتبهٔ درویشی از فقرش ز بس افزوده است / موی را بر سر شکوهِ چترِ سنجر میدهد

مد بحرِ رحمتش تا کشتِ شیطان میرود / دانهٔ بی حاصلان را لطفِ او بر میدهد

عاصیان اکنون بسودا سر بسر راضی نیند / معصیت را بس که غفران در برابر میدهد

داد دندان را بسنگ، امتِ احسان را ببین / کانِ رحمت می ستاند سنگ و گوهر میدهد

سر چو بهر سجدهٔ خاکِ درش آید بکار / ایزدشش[1] زان سروری بر جمله پیکر میدهد

با ولایش کارِ طاعت میکند عصیانِ من / گشته‌ام با خاک یکسان گشته و بر میدهد

وسعتِ خلقِ عظیمش هفت دریا را ز شرم / در میانِ یک صدف جا همچو گوهر میدهد

روحِ قدسی در طوافِ مرقدش پروانه باد / در هوای روضهٔ او شمع تا سر میدهد

قصیدهٔ[2] در تهنیت نوروز (در مدح شاهجهان)

بدستِ قدرتِ صاحب قران ثانی داد / زمانه نیزهٔ خورشید و خنجرِ بهرام[3]

ز بس شباهت ظالم بدست در عهدش / خجل ز پیکرِ خود گشته[4] شخص شمشیر اندام

قصیدهٔ در مدح اعلیحضرت شاهِ جهان

درین دو خانه چه سامان فرو توان چیدن / متاعِ چشمِ تر[6] ما فزون ازین دو سراست

حسب بکمال بود، نی شرافتِ نسبی / به شیشه کس نزند طعنه کاصلش از خاره است

بکار و بارِ جهان غیر یک نظر نکند / حباب وار کسی را که دیدهٔ بیناست

نشانِ دوست گرفتن خلاف بینائیست / کسی سراغ نگیرد که آفتاب کجاست

---

۱ ب، ج: سروری یزدانش براعضای دیگر میدهد

۲ کلیات کلیم نسخهٔ ا

۳ در ب: این بیت درج است، ا، ج: ندارد

۴ در ج: این لفظ نیست

۵ کلیات کلیم نسخهٔ ا

۶ ا: به، ب و ج: تر

۷ ب: حباب دار، ا، ج: حباب دار

سحاب رعد خروشیست فیلِ او که برزم | که پای تا سر طوفانِ لشکر اعداست

در منقبت حضرت علی رض

دل به بندد در خرید و خود به مسجد معتکف | تا بگردن در گل وافشانده دست از ماسوا

خودسراپا از زر و گوهر بپوشی پس نیستت | همچو خاتم چشم بر دستِ کسان داری چرا

سوختی از جور گردون این گریز از مرگ چیست | شمع را از تب که میرهاند بجز بادِ صبا

کارِ امروز از کسل دایم بفردا افگنی | تا بآن روزی که فردائی ندارد از قفا

کافرستان در دروں داری سری در جیب کش | تا فرنگستان چرا باید شد از بهرِ غزا

شکر نعمتهای یزدان را بعصیان می کنی | بندهٔ خاص حقی ای حق شناس خوش ادا

بادرون تیره و باخاطری پر وسوسه | طاعتِ وسواس بیهوده است و تنظیفِ ردا

در عبادت قانعست آنجا تلافی میکند | گر در آبِ غسل اسرافی کند زهد[1] ریا

چون بگیرد خانهٔ همسایه را زاهد بزور | کرده مسجد را بزورِ رشید انبارِ ریا

رونمی بینیم و می گوئیم در روی همه | کس براهِ حق ندارد رو بجز قبله نما

بی ریاضت مسندِ پاکاں نمی آید بدست | راه در چشمی ندارد تا ن[2]شاید توتیا

زاهد از دنیا نظر بست و بخود بینی کشود[3] | کند اگر بتخانه کرده است از آں بهتر بنا

خویش را دانسته صاحب تمیز[4] و اهلِ حال | زیں قدر دانش که شد حال و تمیز از هم جدا

فقه رانی بهرِ تصحیح عبادت خوانده | کو عبادت تا کسی گوید صوابش ما خطا

از فرایض حج و صوم از هم نمی کردی تمیز | گر بنودی در نهادت حبِ فتوی و قضا

سوی عامی آں چناں از عجب بیند مولوی | کز سرِ نخوت نه بیند پادشاه اندر گدا

پاک تر باید زبان و کامش[5] از موج و حباب | از سگانِ قنبرِ شش کس گر شود مدحت سرا

هیبتِ موسی و علمِ آدم و تقوائی نوح | گر مصور می شدی بودی بشکلِ مرتضا

---

۱ ا: «و» زایداست؛ ج - ندارد | ۲ ا: نگردی؛ ج: نساید

۳ ا: فرود؛ ج: کشود | ۴ ج: «و» نیست

۵ ب: کام؛ ا: کامی

آسمان گر بود معراج نبیٔ معراج او — بود دوش آن که بر خاک رهش ارض و سما

خانه زادی هر ضمیر انورش را علم نیست — بینشش را هیچ جرمی نیست حایل چون هوا

پیشتر نام علیؓ مذکور باشد یا عظیم[1] — در کلام حق به بین تعظیم شاه اولیا

رتبهٔ این اسم اعظم بین[2] که در هفت آسمان — علویان را عین نامش گشته محراب دعا

آسمان گر نه فروتر بودی از وی گفتمی — آن مسمّی را شد است این اسم نازل از سما

می رسد امواج را دایم بدریا سلسله — کیست پاکان طریقت را بجز او مقتدا

از صفای باطنش هر جا که بگذارد قدم — نقش پایش میشود آئینهٔ گیتی نما

علم او داند شمار موج بحر و ریگ بر — نزد دانایان به برهان ثابتست این مدعا

در حقیقت اوست قرآن مبین لاریب فیه — پس برو روشن شود هر رطب و یابس بی خفا

اهل بیت سرور عالم بود کشتیٔ نوح — هست شاه اولیا هم کشتی و هم ناخدا

خانه ام چون شمع روشن شد که دارد بر زبان — مطلعی در وصف آن خورشید اوج انّما

جز علیؓ هر کس که دارد در ره دین رهنما — راهرو کوریست وآن رهبر تمادی چون عصا

دیگری را جز علیؓ گفتن امیرالمؤمنین — آنچنان باشد که کس گوساله را گوید خدا

شاهباز همتش چشم از دو عالم دوخته — خاک راهش اطلس افلاک و فرشش بوریا

آنکه در راه خدا بر سابقین سبقت گرفت — پیش چون دانی ازو وامانده لنگی چند را

هادیٔ راه حقش دانی رهی ظلم صریح — انکه نشناسد بعمر خویش راه از رهنما

از سلونی تا اقیلونی بسی فرقست فرق — باز کن چشم بصیرت ره کجا یاران کجا

زو سه شطرنج به داند رسوم سروری — آنکه را بر مومنان داشته فرمان روا

پیش سُنّیان بهم چشمی کجا باشد حباب — گر سگی روباه بازی کرد با شیر خدا

پیش بیباکی که قرآن سوختن جائز بود — سهل باشد آتش افگندن بدین مصطفی[3]

بدعتی گر سر زد از اصحاب جائی طعنه نیست — مجتهد را در طریق خویش می افتد خطا

چون خلاف امر حق کردن توان از اجتهاد — در خطای خویش شیطان مجتهد نبود چرا

---

١ ا: بر ؛ ج: شد — ٢ ا: دان ؛ ج: بین

٣ این بیت زاید از نسخهٔ ج حاصل شد

تا کسی را باشه مردان برابر نه شترے ‌‌ ‌ کرده قطع این سخن مقراض لای لافتا
از عبادت هاى جن و انس به یک ضربتش ‌ ‌ رتبهٔ دیگر فضائل بین که باشد تا کجا
یا امیر المؤمنین درمانده ام در کار خویش ‌ ‌ باز کن این عقده را اے سرور مشکل کشا
هادی راه خدا و غالب مطلق توی ‌ ‌ رحمتی فرما برین گمراه مغلوب هوا
از کرم امروز توفیق عبادت ده بمن ‌ ‌ تا شفاعت بر تو آسان تر شود روز جزا
تا قسیم جنت و ناری ز حب و بغض خویش ‌ ‌ باد احباب ترا در صدر جنت متکا

در تعریف هند و تهنیت عید قربان

زرنگ پان چو منقار طوطیان سرخست ‌ ‌ همیشه این لب سبزان که راحت جانست
به بین چه می کشد از دست او بجای خود است ‌ ‌ بحال دریا گر چشم ابر گریانست

در تهنیت عید وزن مبارک

آواز رود مطرب تا زنده رود رفته ‌ ‌ وز نغمهٔ عراقش کردست میهمانے

در تهنیت نوروز مبارک و فتح دکن

دمادم از گل خمیازه انس[1] می شگفد ‌ ‌ بود ز مستی سرشار غنچه[2] نی زخمار
ز فرق تا به[3] قدم شاهدان بستان را ‌ ‌ شگوفه مال[4] وزر افشانده همچو خدمتگار
ز ابر صنعت ابری بیا تماشا کن ‌ ‌ چمن گرفته ز یک آب صد هزار نگار
ز دلنشینی صحرا شود مسافر را ‌ ‌ سفر بکام نخستین تمام چون پرکار
بسر گرانی گلدسته نخواهد کرد ‌ ‌ ز بس لطافت افتد بفرق اگر دستار
نگیں بکندن محتاج می شود هرروز[5] ‌ ‌ چنین کر بالد بر خویش[5] از هوائی بهار

---

۱ ا: یس؛ ب: ایش؛ ج: انس ‌ ‌ ۲ ا: غز؛ ب، ج: نی
۳ ا: به ندارد ‌ ‌ ۴ ب، مال وزند؛ در ا: رومال
۵ ب: "هرروز" در متن و "برخویش" برحاشیه نوشته است.

هوا چناں دمِ جاں پروری زند که ازو
حیات یابد چوں کرمِ شب چراغ شرار

بگاهِ سیر رسد گر بخاک نقطهٔ آب
شود ز لطفِ هوا رملِ خانهٔ اشش گلزار[۱]

زخاکپای ثباتش طلا کند بر سر
سپهر بهرِ مداوایِ کهنه رنج دوار

تمام نفع رسانی شد است از عدلش
کسی که غیر زیاں کاریش نبود شعار

ز انقیادِ شریعت رسیده تا حدّے
که ہرزه گوئی ولایت ز اولیای کبار

اگر بدستش دعوای آبروی کنند
شود به محکمه حاضر پئے جوابِ مجاز

ترازو از اثرِ اختلاط موزوں شد
زبس کشید بزر شاعرانِ نکته گذار

چنیں که صیدِ دلِ خلق می کند از خلق
به بزم روی نهد چوں کند هوائی شکار

در تهنیت عیدِ وزنِ مبارک و فتح دکن

از شیشه استفاضهٔ انوار می کنند
عالم تمام مشربِ اشراقیاں گرفت

اکنوں بجومِ کام بود مانعِ وصال
گل پر شد آن چنانکه درِ گلستاں گرفت

ایں روئ تازه که جهاں را نموده رو[۳]
گوئی ز گردِ موکبِ شاهِ جهاں گرفت

تا شد ظفر بر آنکه بپالکی سوار
او دگیر را و سر همه در یک زماں گرفت

نصرت بر اهلِ انکی و تنکی گرفت تنگ
تا[۲] هیچو الجزای خطِ اماں گرفت

تا فتحِ قلعه ہائے حباست کارِ باد
تا تیغِ موج عرصهٔ آبِ رواں گرفت

در تهنیت عیدِ وزنِ مبارک و عیدِ جلوس

عشرت چناں رساست که در گلشنِ[۴] مراد
گلهائے عیش بر سرِ هم افزوں ز دامنست

نقشِ چنیں چو نقشِ نگیں از درش نرفت
آری نمی روند ز جائی که مامنست

هوسش فریب ظالمِ[۵] عاجز نما نخورد
داند که نالهٔ شاهدِ بیداد ها و نفت

دریا حباب برکف عینک فروش گشت
کم مایگیش بر همه امروز دشمنست

---

۱ ا: رمل؛ ب: زیل

۲ ا: لفظ "تا" ندارد

۳ ا: نموده رو؛ ج: نمودروی

۴ ا: گلشن؛ ج: خاطر

۵ ا: ظاهر؛ ب، ج: ظالم

قصیده که در ایام وجع مفاصل گفته

پنجه ام گویا ز ساعد نیست همچون سر علم　　در صف مردان در دم من علمدار بلا

قصیده که در ایام جرب گفته

کفم پُر است ز سیراب دانهای جرب　　دگر ز دست تهی شکوه چون توان کردن

در مدح شاهنواز خان

ملال خاطرت آمد بیاد و بس کردم　　که بهر قافیه آمد بخاطرم دلگیر

در تعریف زمستان کشمیر[1]

خورشید دگر نقاب[2] دار است　　منقل معشوق هر[3] کنار است
در عینک[4] یخ نهان شد امسال　　کشمیر که چشم روزگار است
تا آتش گرم نی سواریست　　دست همه کس رکاب دار است
از برف بخانه چون گریزی　　باران از دور در کنار است
محراب جهانیان بخاریست　　تسبیح خلایق از شرار است
آں راکه پلنگ[5] وار در دل　　از رفعت آسمان غبار است
پایش تا سینه همچو جولاه　　در بند تنور استوار است
آں پنبه که شعلهاے بر اوست　　امروز لباس شاخسار است
آں جامه که از دو روش ابره است　　از برف بدوش روزگار است
سرپنجه که قابضیست معزول　　وقت عملش دگر بهار است
از دست که در بغل نهان شد　　سینه صندوق قفل دار است
چوں آئینه بسته شد نفسها[6]　　دل از دم سرد سنگسار است

---

[1] این قصیده نسخهٔ الف ندارد و از نسخهٔ ب، ورق ۳۰ نقل شده است.

سرپنجه بُود گرم امروز — چون شانه بزلف اُمیدوار است

کف صاحبِ دستگاه لرزاست — چیزی که ندارد اختیار است

تا تن از لرزه[1] گشته رقّاص — دندان چو چغانه گرم کار است

یخ بر سر کوچه بندی آمد — نی راه پیاده، نی سوار است

تا فرشش بکوچه از یخ افتاد — لغزشش با پا چو کفشِ یار است

چون قرعه شکسته استخوان است — آن را که برون ز خانه کار است

چون اُستره باد در تراشش است — هر چند جهان سمن عذار است

هر چیز که دهر داشت بر دست — سرمه امسال خوشش خمار است

گوئی تو که پنبه اشش ز برف است — پوششش بر تن اگر هزار است

فانوس لباس یک تهی را — انداخته که وقت پنبه دار است

پنهان در ابر پوستین است — هر جا گری هلال وار است

چون سیم بخیل رفتنش نیست — هر برف که فرشش این دیار است

شد کوچه ز ماهتابش لبریز — هر چند که شب چو زلفِ یار است

بی قدریِ سیم برف را بین — در چشمِ بخیل نیز خوار است

آب از سرما زبس ترشش روست — بر خاطر خویش نیز بار است

مرغابی همچو نقش ابریست — بر کاغذِ یخ به یک قرار است

ماهی در یخ میانِ جدول — چون موج بر تخته چنار است

یخ کشتی را بخشک بسته — چون صندوقی که بر مزار است

رود بهت[2] از روش فتاده — هر جا که قدم تهی گذار است

پل چون درِ عاملانِ معزول — در دیدهٔ اعتبار خوار است

تا سر بدوات خامه برده — چون دسته بچگکش[3] استوار است

جامی که تراشش تیغ سرماست — شمشیر انگشت زینهار است

---

۱ ب: لرده؛ ج: لرز

۲ کشمیر میں ایک ندی کا نام دریائے بہت ہے غالباً اسی کا ذکر شاعر نے کیا ہے۔

۳ ب: بعلقش؛ ج: بچگکش

یخ سنگ فسان باد تیغست اما تیغی که زهر دار است
پروانه ز شوقِ آتشِ شمع مسکین تا شب در انتظار است
چون نیزه که از سنان بکاهد شمع از آتش به یک قرار است
فانوس ز بادِ سرد بر شمع لرزان چون پنجه در خمار است
هر خانه که روزنش گشاده است در دیدهٔ اعتبار تار است
هم خواجه اگرچه زشت نیکوست تا دی مهمان روزگار است
سرما گوئی که در میان نیست یار بغلی چو در کنار است
باید آرام از تبش گرم هر تن که ز لرز بی قرار است
کشمیر اگر ز گرمی مهر محروم ز ابر ناگوار است
خورشیدِ دوم بسی تلافی پرتو افگن برین دیار است
امسال امیدِ پشت گرمی از مقدمِ شاهِ کامگار است
آن شاهِ جهانِ بختیاری کاقبالش مملکت شکار است
گرد سپهش بگلشن ملکش بهتر ز سحابش نوبهار است
فرزند گهر فروخت دریا از ابر سخاش قرضدار است
از آئینهٔ آفتابش رویش انوارِ الهی آشکار است
شاهان را آستان جاهش آئینهٔ روی اعتبار است
سررشتهٔ غیب و خاطرِ او نزدیکش بهم چو پود و تار است
گردون پی رای اوست پویان چون گرد که در پی سوار است
نه چرخ به صیدگاهِ بختش یکش دورهٔ جرگه[1] شکار است
از هر خس و خار نگیرد[2] این جاست که شعله بردبار است
طبعش که بحدت و بلندی از آتشِ طور یادگار است
در معرضِ حلمِ او ثوابت مانند شرارهٔ بی وقار است
روی دلِ نوبهار خُلقش مرهم نه داغ لاله زار است
در عهدِ مبارکش ترقی چون نشو و نما به نوبهار است
از غبن تنزلست گوئی اشکی که بروی آبشار است

---

[1] ب: چرگه؛ ج: جرگه
[2] ب: نگیرد؛ ج: نگیری

شاهنشاها! زمانه شهریست — تیغ تو برای او حصار است
دلخواه چو ابر تر شمالی — هر جا که غبارِ کارزار است
هر قطره که خونِ خصم دارد — بر تیغِ شجاعتت نثار است
اعدا همه جان باو سپارند — تیغ تو اینِ روز گار است
سوی عدم از نهیبِ تو خصم — بی بال پرنده چوں شرار است
بنیادِ ستم زبس به عهدت — یکساں با خاکِ رهگذار است
هر جا که ستمگریست چوں دام — در دشتِ وجود خاکسار است
با دستِ کشادهٔ تو دریا — در قیدِ احاطهٔ کنار است
تا سیمِ سحابِ ناشمرده — در دامنِ ضبط روزگار است
در عهدهٔ حفظ ایزدی باد — ذاتت که عطاش بے شمار است

در تهنیت عید وزن مبارک

چرا نسازد آثارِ کفر محو از هند — خدا به تیغش سهم عصای موسیٰ داد

کتابه عمارت باغ فیض بخش کشمیر

تیغش آں حرزِ سیفی است که کرد — جنّیانِ فساد را تسخیر

در تهنیت نوروز و عید صحت یافتن ظلّ اللّٰہی شاہجہان

هوا[1] از بس کدورت بر نتابد — چراغ لاله دودِ خود نهاں کرد
جهاں را بازیِ هولی خوش آمد — درختانِ چمن را ارغواں کرد
نموده لاله در دامانِ سوسن — حکایت از نجوم و آسماں کرد
بنوعی زندگانی تلخ گردید — که هر کس خویشتن را قصد جاں کرد
چو آں صورت که دیوارش تیفتد — زمانه دست و پا را گم چناں کرد

له ا: ایں بیت ندارد؛ ب، ج: درج است

چراغِ خلوتِ آئینه خانه — زیک گل عالمی را گلستان کرد

آسیب رسیدن از آتش به شهزادی ملک احتجاب جهان آرا بیگم[1]

ای عیدِ صحت تو جهان را به از بهار — سرسبزی تو زینتِ بستان روزگار

کوتاه باد دستِ حوادث ز دامنت — ای آبِ زندگی تو کجا و کجا غبار

خورشید دولتی و جهان از تو روشن است — یارب ترا گرفته بنیا در روزگار

تو چشمِ روزگاری باد از هر طرف — دستِ دعای خلق چو[2] مژگان ترا حصار

آن گل کز آفتاب گلابش روان شدی — دوران نگر که کرد ز آتش تنش فگار[3]

بر آسمان سروری از آتشش شفق — دودی بلند شد که جهان را نمود تار

در بند شمع شعله بسی بی قرار بود — در دامنِ تو دست زد از روی اضطرار

تا کرده شعله کسب شرافت ز دامنت — زیبد اگر فرشته کند سبحه از شرار

از پیچ خانه شمع دگر رو نیافته — تا گشته شخص صاحب دوران ازو فگار

زین انفعال دیگر اگر سر بر آورد — زیبد گر از شرار شود شعله سنگسار

شمع آب شد ز خجلت و پروانه دست شست — از لافِ عشقِ یار بهر بزم شرمسار

آتش ز شرم این ز جهان گر سفر کند — در منزلِ نخست بقارون شود دوچار

بت را برون ز بتکده افگند برهمن — از جرم این که بود بسنگش نهان شرار

از دور نیست شعله اگر شد زبان کبود — بسیار خواست صحت ذاتت ز کردگار

گر روشنش شدی که خطای چنین کند — ابلیس را بنار نمی بود افتخار

این دودِ دل ز پرتوِ او در جهان گرفت — از شمع کس ندیده که گردد زمانه تار

فانوس اگر حمایتِ شمع آرزو کند — پراهنش نیابد از ایام پود و تار

بر طبع نازکت کم و بیشِ الم یکیست — چه زنگ و چه نفس همه بر آئینه است بار

---

[1] ب: این قصیده نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب از ورق ۴۶ ب نقل شده است

[2] ب: چو؛ ج: ز

[3] ب: روزگار؛ ج: نگار

در هیچ ملک گوهر قدرش بها ندید
گر شمع گل به فرق زند خاک بر سرش
از تاب آتش آبله شد از پدید
عمر ابد سعادت دنیا و آخرت
دریای رحمتی و گهرهات آبله است
کافور صبح مرهم زخمت اگر شود
ای نیت بخیر قرین همچو بوی گل
دامان کبریائی تو بالاتر است از آن
از دل علم زد آتش یزدان پرستیت
آئینهٔ وجود تو تا پاک شد ز گرد
بس گنجها که از زر و گوهر تهی نمود
صاحب قران ثانی سعدی ز زر کشید
از اضطراب شاه جهان شد یقین که بحر
شاهی که گر به بستد و همت خدا کند
قهرش دمی به آتش اگر سرگران کند
باعون[2] حفظش از شرر احسان توان نمود
قهرش به نزد رحمت او در حساب نیست
حلمش به شعلهٔ غضب از جا نمی رود
با چشم زود حلمش بر محرمان یکیست
تمکین او به شمع اگر یک نظر کند
دارد صدف ز دست گهرپاشی او هراس
ویران کنند گنبد فانوس بر سرش
جای که کامیابی بخت بلند اوست

آتش زبسکه افتاد از چشم اعتبار
خوش نیست خود نمائی آنان که شرمسار
یا بر فلک قران کواکب شد آشکار
آثار این قران سعادت قرین شمار
آن گوهری که آتش سوزان شد آبدار
گردد برو سفیدی دیگر امیدوار
دنیا[1] ز خیر جاری تو آب جویبار
کز آتش اثیر بآنجا رسد شرار
برتن اثر ز آتش دل گشت آشکار
در کار بود همت پاکان بردبار
بهر تصدق تو شهنشاه کامگار
آمد تو بست راه حوادث ز هر کنار
دایم برای گوهر خویش است بیقرار
سکته ز خاک، و رعشه ز آب، و تب از شرار
هر تن ز جزو ناری خود میکشد کنار
طومار جویبار و ورقهای آبشار
آری نهنگ را بر دریا چه اعتبار
کی لاله است آتش دامان کوهسار
افتادن و بلند شدن چون زر نثار
دیگر بسان سرو بماند به یک قرار
زان دو درون گوش نهفته است گوشوار
گر شمع همسری بضمیرش دهد قرار
صید مراد هر دو جهان چیست یک شکار

---

۱ ب: ز؛ ج: د ۲ ب: قانون حفظ؛ ج: باعون، حفظش

درماندگیِ طبعِ سخنور بمدحِ او   عجز شناوراست بدریایِ بی کنار
شاهان زنسلِ حضرتِ صاحبقران بسی   بودند لیک اوست شهنشاهِ کامگار
هرچند داده پرورش هردو یک نهال   در رُتبه فرق باشد از برگ تا ببار
درزیرِ پایِ خس شده باخاک همنشیں   در عهدِ عدلِ اوست زبس شعله بُردبار
از شوقِ عهدِ او برحم گریه می کنند   اطفال از شکنجۀ نُه ماهِ انتظار
بگذشته است از دو جهاں صیتِ قدرتش   چوں یک خدنگ کز دو شکاری کند گذار
با دوستانش خصمیِ افلاک بی اثر   چوں تیغ آزمودنِ امواج بر کنار
هرتارِ پیرهن شده ماری بقصدِ خصم   جز دشمنش که یافته معنی تار و مار
تا موز عضو سوخته سر بر نیاورد   مانندِ تخم از آتش و سبزه ز شوره زار
یارب همیشه تخم بیفشانده سبز باد   در مزرعِ امیدِ شهنشاهِ کامگار

در تعریفِ مسجدِ اجمیر و تاریخ آں

خانۀ فرشت دلی از جبهۀ پاکان بود   نه احترامت در تو فرشِ تازه افتد هر زمان
پادشاهِ پادشاهاں را سزای[1] لاجرم   بر درت پیوسته باشد پنج نوبت از اذان

در تہنیتِ عیدِ وزنِ مُبارک

عشرت بسانِ خندۀ سوفار دائمیست   ویں طُرفه تر که دایم و غیر مکرراست
از کارِ روزگار گره آنچناں کشود   کز شش جهت کشایش در راهِ ششدراست
در روزگار جز تو کسی پادشاه نیست   یکسر زمانه دارد و گردوں یک افسراست

تاریخِ فتحِ بلخ[2]

دوران ز بهارِ طرب آراست جهاں را   جا داد بهر سینه دلِ باده کشاں را
هرچهره ز مشاطگیِ عیش چناں شد   کز هم نشناسند رُخِ پیر و جواں را

---

[1] و : سزای ؛ ج : سرای
[2] ایں قصیده نسخۀ و ندارد و از نسخۀ ب از ورق : ۱۵۷و نقل شده است .

شمشیر تو چون لاله بکار رو به تن خصم | یاران خدنگ آب دهد لالهستان را
آن روز رهد دشمنت از تیره درونی | کافزود اجل در دلِ او شمع سنان را
اقبال عدوی تو نهالیست که با خویش | چون شعله ز ملکِ عدم آورده خزان را
بر نشست بروزِ سیه خصم که حرفش | در کام سیه تاب کند تیغ زبان را
جان باخت ز بیم تو عدو گرچه که بگریخت | هر چند رود زنده بدان ریگ روان را
چون در کفِ عفوِ تو نگر بخت چو بگریخت | تا یافتی آسایشِ اقلیم امان را
جاگیر گرفتی بدل بلخ و بدخشان | ملکی که به توران ندهد یک رهِ آن را
"ایزد دو جهان داد باد بلخ چه باشد" | تاریخ بود فتح شهنشاهِ جهان را
تا سلخ و تلخ این دو بود قافیهٔ بلخ | هرگاه که موزون کند اندیشه بیان را
در غرّهٔ مه عمر عدوی تو شود سلخ | غم تلخ برو ساخته شیرینی جان را

در تعریف بهار و تهنیت عید وزن شاهجهان

بدریا کشتی از سبزی جزیره است | ولی یک جا نمی گیرد مکان را
چنین نقشی که میزان را نشسته | نه اختر را بود نه آسمان را
درد از بارِ جودش دامنِ حرص | خطر باشد ز طوفان بادبان را

در تهنیتِ مقدمِ بادشاهی[1]

ای بخت مژده کز افق کبریا رسید | خورشید رحمتی که بهر ذره وا رسید
تا رو کسی بظلِ هما سر دگر فرو | سرمایهٔ سعادتِ بی منتها رسید
زین نوبهار کز دمِ عیسی نسیم توست[2] | هر دردِ کهنه را به نوید دوا رسید
از گردِ موکبی که به از ابرِ رحمتست | کشمیر را بهارِ دگر از قفا[3] رسید

---

۱ این قصیده نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب از ورق: ۳۵ ب نقل شده است.

۲ ب: توست؛ ع: داشت

۳ ب: تقضا؛ ع: قفا

لب تشنگانِ بادیهٔ انتظار را | بایست جان بلب رسد آبِ بقا رسید
در آب و تابِ غنچه گرد از حساب برد | برگ از تری بجبههٔ اهلِ حیا رسید
بی رنج گنج یافت طلب گارِ کیمیا | بی سعی دل بکعبهٔ حاجت روا رسید
مارا بطوفِ کعبهٔ مقصود ره بنود | خود کعبه پیشِ زائرِ بی دست و پا رسید
فرمانِ حجِ اکبرِ ما نیست غیرِ ما | ای جان بجو و ببال که وقتِ فدا رسید
بر طاقِ چرخ بُود اگر آرزوی دل | آخر باو بلندیِ دستِ دعا رسید
شکرِ خدا که دیدهٔ اُمیدِ خلق را | از گردِ راهِ شاهجهان توتیا رسید
صاحب قران ثانی کز خاک پای اُو | لب تشنهٔ اُمید به آبِ بقا رسید
می بینم این سعادت و باور نمی کنم | چشمِ من ست اینکه بآن خاک پا رسید
تا شد قدم ز کرنشِ شاهنشی کمان | تیرِ مُراد بر هدفِ مُدعا رسید
جز جان و دل نثار ندارم چنین بود | درویش چون ببارگهِ بادشا رسید
شاهنشهِ[۱] دقیقه شناسی که فطرتش | رازِ قدر شناخت و بسرِّ قضا رسید
وقتِ تلافیِ ستمِ روزگار شد | فریاد رس شهنشهِ فرمان روا رسید
می خواست دل ز دهر کشد انتقامِ خویش | از یاد رفت کینه چو نوبت بما رسید
نوعِ بشر ز رحمتِ عامش چو بهره یافت | فیضِ عطای رُوح بمردم گیا رسید
یک کف عبیر بادِ صبا از رهش رساند | عطری بهر برگ برگِ ریاحین جدا رسید
بر جبههٔ دین طاعتِ این آستان[۲] رسید | سرگرمِ سجده ایم که وقتِ ادا رسید
در راهِ بندگی ز خود افتاده ایم پیش | چشم ارچه می برد[۳] نتواند بما[۴] رسید
فرِّ[۵] سعادت از سرِ ما در سجودِ شاه | چندان بلند شد که ببالِ هما رسید
آفت ز آفتاب به شبنم نمی رسد | در کشوری که سایهٔ ظلِّ خدا رسید
از بوی آشنا دلِ هر غنچه تازه شد | هر گه ز قلبِ لشکرِ شاهی صبا رسید

---

۱ ب: شاهنشهی؛ ع: شاهنشه
۲ ب: آشنا نشست؛ ع: آستان رسید
۳ ب: می برد؛ ع: میپرد
۴ ب: بها؛ ع: بجا
۵ ب: این بیت ندارد و از ع حاصل شده است.

از گردِ لشکرش بخطا رفت بوی مشک — فیضِ قدوم بین ز کجا تا کجا رسید
در خانهٔ عنکبوتِ تنند شکل چنگ عیش — از منقدمش چو شهر به برگ ونوا رسید
گیرد چو ریگِ شیشهٔ ساعت دلش ز بیم[1] — هر دیده را که سرمهٔ آن خاکِ پا رسید
جذبِ قلوبِ عام بخاکِ درش فتاد — روزی که جذبِ خاص به آهن ربا رسید
با نامِ اُو سپند در آتش چو جا گرفت — دردم بقدرِ و شعله زنشو و نما رسید
چون صیتِ استقامتِ طبعش بلند شد — از مرکزِ زمین بخطِ استوا رسید
خاکِ رهش بدیده چو آبست در گهر — این بینشش از فروغ بصیرت بما رسید
از جامه خانهٔ کرمش همچو نوبهار — هر نخل قامتی بلباسِ عطا رسید
طولِ امل که بر قدِ اُو جامه بنود — پوشید خلعتی که ز سر تا به پا رسید
از کوهِ همتش بجوابِ[2] سوالِ خلق — جائی صدا بغارتِ گوهر صلا رسید
تا آشنا بصبحِ ضمیرش شد آفتاب — روشنگری بآئینهٔ بی جلا رسید
همچون لقای فیض بهاری که در چمن — مانندِ گل بحالِ خس وخار وا رسید
جاوید باد دولتِ شاهنشهِ جهان — کز وی به نیک و بد همه برگ و نوا رسید

تتبع قصیدهٔ بحرُالابرار امیرخسرو وستایشِ سخن

دسترسش باشد چو هر معشوق دشوارست صبر — گر نهادش دزد با شد[3] حق بدستِ زرگرست
سعیِ کس ضائع نمی ماند به بین در آئینه — کانچه اول می نماید صورتِ روشنگرست
نیست خوبی در جهان مقبولِ طبع هر که هست — آب کاصل زندگی آمد فنای شکرست
صبح فیضش بر همه روشن ترست از آفتاب — لیک نزدِ شمع مانند و با مستنکرست
زشت از هر رو نگارستانِ دنیا میرهست[4] — جوی رگ را گاه گاه آبحیات از نشترست
باغبان را سر که ابرو به هنگامِ بهار — از برای آب[5] و رنگِ باغ ابر دیگرست

---

[1] ب: بیم؛ ع: خشم — [2] ب: دیاندارد؛ ع: دارد
[3] ا: گردد؛ ب؛ ج: باشد — [4] ا، ب: میرهست؛ ج: تیزهست
[5] ج: ق، دارد؛ ا: ندارد — [6] ا: دلیرست وحریص؛ ب: حریصست ودلیر

خوابِ راحت دیدهٔ انجم نه بیند جز بروز | شب نمک از موجِ اشکِ من بچشم اخترست
نفسِ کافر بس که در عصیان دلیرست[1] و حریص | معصیتهایش تو پنداری شفیعِ محشر است

ترجیع بند ساقی نامه

هر لحظه ز ساقی طلبِ باده ضرور است | بی قدر شود هر چه با برام نگیریم
ایام نیز زیده عطایش بگرفتن | دیگر چه بگیریم چو آرام نگیریم
ساقی و می و مطربِ ما غیرِ سخن نیست | این مست همین خواست چو مستانه بیان کرد

ترکیب بند در تہنیتِ نوروز

باغبان می پرورد گل را بناز این خوب نیست | طفل را بسیار نازک خوی بر می آورد
ہر نفس گر حرفِ اقبالت نگردد سربلند | چون[2] دمِ نائی متقامش درجۂ[3] او بار بار
عید عہدت باد چون دورِ جوانی محترم | چون رخ و زلفِ بتان روز و شبت[4] بہتر بہم[5]

مرثیۂ محمد جان قدسی

رفت و با ہمسخنان[6] را بصلای نواخت | اشتیاقِ وطنش بین که چه بی پروا کرد
ز وطن مرغِ چمن گشت بنوعی دلِ سرد | کآتش خار و خس خانه بمنقار کشید
ناله آہسته اگر می کشم از صبر مدان[7] | صبر با خاطرِ ماتم زدگی یار شود

تاریخ فوت نواب صادق خان

ہر زمان زخمِ دگر[8] ز افلاک و انجم می خوریم | سر بسر داغیم از گردون مگر داغیم ما

---

[1] ا ۔ دلیرست وحریص ؛ ب : حریصست ودلیر
[2] ا : خون ؛ ب، ج : چون
[3] ا : درجۂ ؛ ب، ج : درجه
[4] ا : شب ؛ ع : شبت
[5] ا : زہم ؛ ب : بہم
[6] ب : ہم چمناں ؛ ج : ہم سخناں
[7] ب : بدان ؛ ع : مدان
[8] ا : تر ؛ ب : دگر

رفت صادق خان ز دهر آن نورِ چشمِ مردمی — در غمش چوں مردمک خونابه آشامیم ما
عاشقِ صادق بیک دم گشت واصل همچو صبح — شمع را بردند و اکنون تیره چوں شامیم ما
قاصدانِ روز و شب ما را شتابان می برند — سوی آں عالم مگر از دهر پیغامیم ما
چوں رسد وقتِ سپردن بے تعلل می دهد — از عدم بر ذمهٔ ایام چوں وامیم ما
در چنیں حالت زما[1] تاریخ می خواهد فلک — گرچه داند بے دماغ و بی سرانجامیم ما
گفتمش ما را بما بگذار تاریخ ایں بسیست — "بی وجودِ صبحِ صادق تیره ایامیم ما" ۱۰۴۴ھ

تاریخ رفتنِ آصف خان به تسخیر دکن

هاتفِ غیب از پیٔ تاریخ گفت — "باد سود ایں سفرِ فتحِ دکن" ۱۰۴۰ھ

تاریخ ورودِ[2] شاهزاده بلند اقبال مرادبخش به کشمیر

هزار شکر که ایزد بروے اقلیمی — زیک عطیه درِ صد هزار کام کشاد
شد ابرِ رحمت بر فرقِ ملک سایه فگن — ز گردِ موکبِ اقبال شاهزاده مراد
رواست سجدهٔ شکر ار شود جبینِ[3] فرسا — ز نعمتی که بود از زبانِ شکر زیاد
ز گردِ راهش هر دیدهٔ که سرمه ندید — ز چشمِ مردم چوں خانهٔ خراب افتاد
نه برگ ریز خزاں بود گاه آمدنش — ز شکر مقدمِ او برگ رو بسجده نهاد
نمود روی دلی آنچناں به عالمیان — که رفت گرمی خورشید ذره را از یاد[4]
شگفته روی او را بهار گر میداشت — نمی گذاشت که یک غنچه وا شود از باد
بیادِ خلقش مانندِ نم بر رخِ گل — بروی اخگر خواهد سپند ریشه نهاد
اگر ز کوهِ وقارش به بحر سایه فتد — عجب که موج در آید ز جا ز جنبشِ باد
عطاش مستحق و غیر مستحق نشناخت — به نزدِ ابر چه ویران چه منزلِ آباد
کشی برشته اگر گوهرِ کمالاتش — زیاده آید از سلکِ رشتهٔ اعداد
بهرچه پی تسیرد رای روشنان سپهر — زبانِ شعلهٔ ادراکِ او کند ارشاد

---

۱ ا: من؛ ج: ما ۲ ایں قطعه نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ د به از ورق: ۸۴ ب نقل شده است.
۳ ب: جبین؛ ج: زمین ۴ د به: یاد؛ ج: باد

زسایه پی به بدو نیک حال شخص برد — غنا و فقر و غم و شادی و صلاح و فساد

زهی کریم که فیضِ مُرادبخشیِ اُو — بهر که بُود دلی جمع داد و خاطرِ شاد

ز روشنایی چشمی[1] که طلعتِ تو ندید — بغیرِ نام ندارد چه روشنی سواد

تو چون زکعبۂ اقبال چار بین رکنی — چهار حد را آوازۂ تو زینت داد

چو پیر را بنود چاره از عصا دارد — فلک زبخت جوانت توقع امداد

مگر برفعتِ اقبالِ تُو نظر افگند — سپهر کافرِ زریں شب از سرش افتاد

اگرچه هست هزارش زبان زخطِ شعاع — بوصفِ رایِ تو خور داد یک زبانی داد

رسیده است بعید زمقدمش کشمیر — زفیضِ مقدم تو از حیات یافت مُراد

چو جوی خشک تنی بود بی روان کشمیر — زفیضِ مقدم تو از حیات یافت مُراد

جهان تنی است که کشمیر چشمِ اُو آمد — ولیک نور بآن چشم گردِ راهت باد

زعقل جستم تاریخِ مقدمش گفتا — "دمید از اُفقِ مطلب آفتابِ مُراد" ۱۰۵۷هـ

تاریخ وُرود شاهزاده مُراد[2]

ساکنانِ گُلشنِ کشمیر را از لُطفِ حق — طرفه فیضی از سمائی آسمان نازل شده

یارب این مردم چه تخمِ نیکوی افتاده اند — کز برای هریکی صد کامِ دل حاصل شده

سایۂ شهزادۂ والاگُهر سُلطان مُراد — همچو فیضِ ابرِ رحمت بر همه شامل شده

هرکجا گردِ رهِ شهزاده شُد سایه فگن — هر سراب از فیضِ آن دریای ساحل شده

باغبارِ موکبِ اُو فیضِ ابرِ نوبهار — راست همچوُن سحر نزدِ معجزه باطل شده

تا بهارِ مقدمِ اُو جلوه گر شد در خزاں — رنگِ بیماری زاوراقِ خزان زائل شده

گرد راه روشنی بخشا آں خورشید رفت — درمیانِ دیده روزِ سیه حائل شده

کعبۂ اقبال را چوں رکن چارم شد ازاں — چار حد را صیتِ عالم گیریش شامل شده

بر سحاب ار سایه افگند هُمای دولتش — قطرۂ باراں بصلبِ ابر دریا دل شده

نزد رایش صد زبان شد مهر را خطِ شعاع — وانکه از هریک به نقصِ خویشتن قایل شده

---

[1] ب: چشم؛ ج: چشمی

[2] این قطعه نسخهٔ الف ندارد و از نسخهٔ ب، ورق: ۸۶ ب نقل شده است.

فکر در راهِ مدیحش ایک از رفتار ماند | همچو نقشِ پا بیک گامش دو جا منزل شده
گرچه رازِ عالمِ بالا برو پوشیده نیست | از کنارِ زیر دستان حلمِ اُو غافل شده
دست در دامانِ اقبالش زده گردونِ پیر | گر ز نیرنگِ قضا کاری برو مشکل شده
دستگیریِ هر که از بختِ جوانِ اُو ندید، | چرخ عاجز تر ز پیرِ بی عصا درگل شده
"دیده باید سرمه از گرد همایون موکبش" | بهر تاریخ قدومش ز آسمان نازل شده

تاریخ آمدن اعلحضرت شاهجهان باکبر آباد[1]

صد شکر که باز اکبر آباد | آمادهٔ صد هزار سود است
تا شاه جهانش تختگه کرد | آرایشِ کشورِ وجود است
از مقدم شه چو شد سرافراز | از خلد بسویِ اُو وُرُود[2] است
از شادیِ مقدمِ شهنشاه | برلب، چو نفس رسد سُرُود است
سررشتهٔ عشرت و رگِ دل | نزدیک بهم چو تار و پود است
۱۰۴۲ھ "باز آمد حق بمرکزِ خود" | تاریخ سعادتِ دُرود است

تعریف مرقع پادشاهی و تاریخ اتمام آن

کوه وقارش ار فگند سایه بر بحار | مانند سطر موج بیک جا کند مقام
شاهنشهی که پیر مرقع لباسِ چرخ | ذکرش دعای دولتِ اُو شد علی الدوام
۱۰۴۷ھ تاریخ شد "مرقع بی مثل و بی بدل" | چون این سوادِ گلشنِ فردوس شد تمام

در ایام تب لرزه گفته

ز آستین بیرون کنم گر پنجه افراخته | سیلی گرمی برودی مشاخ مرجان میکشم
نبض منشاریست ای دل اضطراب از بهر چیست | اره بر پای نهالِ درد آسان میکشم

---

[1] این قطعه نسخهٔ ا ندارد واز نسخهٔ ب؛ ورق: ۸۹ ب نقل شده است

[2] ا: تقا؛ ب، ج: تعف

بسترم از پهلوی من صفحهٔ مسطر زده است — داستانِ فربهی را خط نسیان میکشم

از تفِ[1] تب گرچه بر تم کرده پُر سودی نکرد — من هم آخر انتقام خود ز دوران میکشم

چهره ام چون اخگر از تاب تبست افروخته — یاد پندار دکه بی اُو باده پنهان میکشم

من که چُون ماهی مدامم زندگی از آب بود — آب میگویم کنون و آه از جان میکشم

خانه طلبیده[2]

قبلهٔ عالم شهنشاهِ جهان ظلِ اله — طبع آگاهت بر اسرارِ جهان ناظر بود

ثانی صاحبقرانی زان که از نقاشِ صنع — بهترین کار است آن نقشی که در آخر بود

عرضه دارم اگرچه گفتنش درکار نیست — زان که میدانی که هرکس راچه در خاطر بود

قبله گاها! مدح سنجِ آستانِ حضرتم — طبعم از فیضِ ثنایت بر سخن قادر بود

خانهٔ داکاشیانِ بلبلِ طبع منست — می خرد خسرو چنان خاطر برین[3] صابر بود

خسروِ وقتِ خودم از یمنِ مداحیِ شاه — خسرو چیله نباشد خسروِ شاعر بود

خانه طلبیده[4]

ای قبلهٔ زمانه و شاهِ جهان پناه — اقبال خاک پای ترا تاج سر کند

صاحبقرانِ ثانی کز حُسنِ عهدِ تو — سیمای پیری از رُخ پیران سفر کند

در شهر تا که لشکرِ شاهی در آمده — در جستجوی جا همه کس راه سر کند

گر کس بهای خانه دهد در کرایه اش — صاحب سرا مضایقه را بیشتر کند

در جستجویِ خانه ز بس دُور تر رویم[5] — لشکر به شهر اگرچه در آمد سفر کند

از کثرتِ سپاه که یارب زیاده باد — در هیچ کوچه باد[6] نیارد گذر کند

---

۱ ا: تفا؛ ب، ج: تف

۲ این قطعه نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ج از ورق: ۶۱ ب نقل شده است

۳ ب: برتن؛ ع: برین

۴ این قطعه نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ج از ورق: ۷۷ ب نقل شده است

۵ ب: در ترودیم؛ ع: دور تر رویم

۶ ب: یاد؛ ع: باد

هر خانه چون انار ز خانه نشین پر است — گوجا[1] که شخص پای ز دامن بدر کند

بعد از هزار سعی چو در شهر خانهٔ — آرم بدست هر که از آنجا گذر کند

نقش این چنین نشسته که چون مهره کشاد — ما را بضرب[2] و زور از انجا بدر کند

از فکر خانه هست امیدم که بنده را — آسوده لطف پادشه بحر و بر کند

تعریف مُرقّع پادشاهی

حُسن خطش بسکه کامل شد سپهر از کان صبح — بهر تذهیبش زر کامل عیار آورده است

سحرکاری قلم در گوشهٔ چشم بُتان — دلبری را همچو مژگان آشکار آورده است

بواسطهٔ جنگ فیل با شهزاده اورنگ زیب

شیر دل شهزادهٔ فطرت بلند اورنگ زیب — آب شمشیرش بآتش دعوی پیکار کرد

در هر اقلیمی که صیت جرأتش بجشود بار — کاروان شهرت رستم از انجا بار کرد

پای تا سر مغزِ فطرت جوهر مردانگیست — تیغ را آمیزش آن دست جوهردار کرد

در حضور ثانی صاحبقران شاهِ جهان — جرأتش با فیل مست آهنگ گیرودار کرد

نیزه اش چون از سر آن فیل جوی خون کشاد — سیل گفتی سوی دشت آهنگ از کهسار کرد

رخش آن رستم دل از آسیبِ فیل از پا فتاد — جان فدای شهسوار عرصهٔ پیکار کرد

چُون سپرد آن بادپا را حق شناسیها بخاک — مرقدِ او را مطاف آهوی تاتار کرد

برق تا بر خاکِ او گرید گرفت از ابر اشک — باد بر سر خاکِ حسرت دُور از و بسیار کرد

آسمان سنگ مزارش را[3] بشکل اسب ساخت — زان که از دل نقشِ او نتوان برون یکبار کرد

تاریخ ولادت شاهزاده والا گوهر سُلطان مُراد بخش[4]

ز سعی تربیت خورشید اقبال — برآورده ز کان پادشاهی

---

[1] ب: گویا؛ ج: کوجا

[2] ج: "و" ندارد

[3] و: "را" ندارد

[4] این قطعه نسخهٔ ۲ ندارد و از نسخهٔ ب از ورق: ۸۰ ب نقل شده است

سزای تاج گردون گوهری را — که نورش رفته از مه تا به ماهی
ز آبش آبروی هفت دریا — ز تاب اُو فروغِ صبحگاهی
نثارش تا ز دریا گوهر آرد — سحاب از برق قاصد کرده راهی
بایں یکتا گُهر بنگر که دارد — مجسم معنی از فیضِ الٰهی
بلوح جبهه اش کلکِ یدالله — نوشته آیت عالم پناهی
شدش سلطان مُراد از آسمان نام — که بخشد هر مُرادی را که خواهی
باقبالِ بلندِ بی زوالش — دهد از ماه تا ماهی گواهی
بجای خویش باشد لطف و قهرش — چو در دیده سفیدی و سیاهی
خرد از بهر تاریخش رقم زد — "ز صبحِ چهره لامع نورِ شاهی"

بواسطه نقش کردن بر حاشیه کرسی پادشاهی گفته

با فروغِ جبهه اش تخت شاهی میدهد — پرتوی کز صبح بر گردون همی گردد پدید
گوهر از بخت آخر به تخت شه نشست — زاده کاں را ببیں کارش بایں چوں کشید
رشک از بس برد بر تخت گرامی گوهرش — اشکِ حسرت کرد آخر چشم اختر را سفید

جهت نقش کردن بر تفنگ شاهی

تفنگ بی خطای شاه جهاں — نقطه از روی حرف بر دارد
راست رو موشگاف و صید افگن — در یک انگشت صد هنر دارد

تاریخ برگشتن لشکر از کابل گفته

ای شهنشاهِ هنرور پرور که عقل — از رهِ وصفِ تو حیراں بازگشت
ثانی صاحب قراں کز هیبتت — فتنه از سرحدِ امکاں بازگشت

---

۱ ب: بلندی؛ ع: بلند — ۲ ب: بحر؛ ج: بهر
۳ ا: بخت؛ ج: تخت — ۴ همگرد؛ ع: همگردد

عدلت آمد در مقامِ بازخواست
گردهای بد بدوران باز گشت

دشمنت در گوشهٔ از مملکت
گرچه جمع آمد پریشان باز گشت

گر باول تاخت آخر باخت او
رزم جو آمد گریزان باز گشت

آرزوی سیرِ دریا کرد خس
خورد چون سیلیِ طوفان باز گشت

بس که پیرِ اهن به بدنامی درید
از لباسِ فتحِ عریان باز گشت

آن که خود را میرِ مجلس می شمرد
عاقبت از منعِ دربان باز گشت

غنچهٔ از گلشنِ کابل نچید
با دلی پُر خارِ حرمان باز گشت

دست دلها شد فراخ از برگِ عیش
تنگیِ چشمهای ترکان باز گشت

از پی تاریخ عقلِ خرده دان[1]
چون به نیت های ایشان باز گشت

رایتِ اقبال شان انگشت دو گفت
"دیو از ملکِ سلیمان باز گشت" ۱۰۳۹ آ

در تعریفِ قصر گفته

ای به صفائی[2] تو آئینه برده رشک
وی تشنه لب بخاکِ درت آبِ ماهتاب

محتاجِ عکسِ تست صفائی جمالِ نهر
بی سعی صیقل آئینه را نیست آب و تاب

آسایشی که لازمِ آب و هوائی تست
از موجِ جوئبار کند سلب اضطراب

ایوان بآب و تاب چو جائی ندیده است
تا بهرِ چشم بینش واکرده از حباب

معنی دلکشائی پندارِ صورتت
مانند عکس ز آئینه[3] و نور ز آفتاب

کرد از هزار منزلِ دلکش زمانه ات
از بهرِ تختگاهِ شهنشاه انتخاب

صاحب قران ثانی شاهجهان که هست
خاکِ رهش بدیده چو در کامِ تشنه آب

از بهرِ پاسبانی قصرِ جلالِ او
شبها نرفته دیدهٔ انجم دمی بخواب

باشد فروغِ صبح ز نورِ ضمیرِ[4] او
آری ز آفتاب بود لمعهٔ سراب

---

1. ا: خورده دان؛ ج: خرده دان
2. ب: صفایت؛ تصحیح قیاسی: صفائی تو
3. ب: زانیه؛ تصحیح قیاسی: ز آئینه
4. ب: ابدی؛ ج: ازلی

اجرای حکمش از مدد چرخ فارغست — بنود روان بزور کمان ناوک شهاب

گنجشک در حمایت حفظ وی آورد — خاری که آشیان کند از ناخن عقاب

الهام باد شمع سرای ضمیر او — تا در سرای دهر چراغست ماهتاب

در تعریف سایبان گفته

زعرشش و فرش نشان تا بود شهنشاها — جبین پادشهان فرش آستان تو باد

عنایت ازلی را ازششش جهت بتو روست — سعادت ابدی[1] عاشق زمان تو باد

چو آیتی که نیابد نشان از و پیری — همیشه در قدم بخت کامران تو باد

همیشه ابر که فیاض عالم خاک است — گدای دست سخائی[2] گهرفشان تو باد

به بزم قدر تو طومار کهکشان در دست — سپهر از سر اخلاص مدح خوان تو باد

برای خویش ظفر خوش کند اگر وطنی — بزیر چرخ همین خانهٔ کمان تو باد

ز بدو صبح ازل تا به شامگاه آید — بقدر یک روز از عمر جاودان تو باد

مدام صورت الهام در جمیع امور — عیان[3] ز آئینه طبع غیب دان تو باد

ظفر ملازم[4] تیغت بسان جوهر شد — سر عدو شرر شعلهٔ سنان تو باد

همیشه بیشتر از آفتاب هر دم صبح — زغیب شاهد توفیق میهمان تو باد

تو شمع مهر فروزی به بزم گاه وجود — فلک همیشه چو فانوس پاسبان تو باد

تو چشم عالمیانی همیشه چون مژگان — سپاه حفظ الهی نگاهبان تو باد

خدا به هر که دهد دولتی وسیله توئی — بزرگی دو جهان وقف خاندان تو باد

همیشه سر سخن این کتاب نه ورقی — حدیث رفعت اقبال کامران تو باد

اگر[5] بدیدهٔ قیصر صبا کشاید بار — گزیده تحفهٔ او خاک آستان تو باد

ز سمع ارفع افلاک تا بگوش صدف — وظیفه خوار ز لفظ گهرفشان تو باد

---

[1] ب: ابدی؛ ج: ازلی — [2] ب: بجائی؛ ج: سخائی

[3] ب: عنان؛ ج: عیان — [4] ب: ملایم؛ ج: ملازم

[5] این بیت از نسخهٔ ج حاصل شده است

نشان زسایهٔ[۱] خورشید تا بعالم هست | همای دولت جاوید سایبان تو باد

تاریخ فوت حکیم مسیح الزمان[۲]

ندانم تا کی از فوت عزیزان | مرا خواهد ز دل تاب و توان رفت
نهادم پنبه های داغ در گوشش | شنیدن[۳] تا بجنبد این رفت و آن رفت
نبایست این قدر راه فنا امن | که بتوان بی رفیق و کاروان رفت
وبال آدمی باشد کمالش | که هر کس گشت کامل از جهان رفت
مسیحای زمان تا رفت اشکم | ز دل تا دامن آخر زمان رفت
اجل از کردهٔ خود شد پشیمان | ولی وقتی که تیرش از کمان رفت
بعرض حال ازین بس آه بیمار | که مغزش از تف تب زاستخوان رفت
سوی عیسی بگردون یادش شد | مسیح عهد چون زین خاکدان رفت
ز دل تاریخ فوتش خواستم گفت | "طبیب دردِ دلها از میان رفت" ۱۰۶۰ھ

مثنویات

در تعریف اکبرآباد و باغ جهان آرا

بهر سر منزل از آب و طراوت | همه پُر برگ و پُر چوب عمارت
بجوش اندر مهیا مرغ و ماهی | کشیده خوان نعمای الٰهی
کدو بر خویش چرخ از مهر و مه بست | مگر بگذشتن از جوش دهد دست
زکشتیهای گردون سیر پرکار | بناها بر سر آبست بسیار
ز بوی خویش چندان میشود مست | که افتد هر دمش پیمانه از دست

---

۱ ب: سایهٔ خورشید؛ ج: سایه و خورشید
۲ این قطعه نسخه الف ندارد و از نسخه ب، ورق ۹۱ الف نقل شده است
۳ ع، شنیدن؛ در نسخه میوزیم: شنیدم

جوبی سوسنش بر کرده آن رنگے — که بر داشت از دل تیغ خودش زنگ

مثنوی در قحط دکن گفته

ز فرقِ دولتش انوار تائید[1] — فروزاں همچو نور از تاجِ خورشید
بدستش خاتمِ فرماں روائے — چو اختر بر فلک باشد جدائے
سحاب از برق اگر صد سیخ می خورد — دم آبی بکشتِ کس نمی برد
دکن سرتا سر از حکمِ تقدیر — ز قحطی خلقش از جاں می شدی سیر
چناں شد عام رسمِ بے نوائے — که کس را نیست عاری از گدائے
چو شکل نان ز قرص ماه پیدا است — ز تا شیر نظر بر آسماں کاست
نظرے چوں قرصِ مه را کرد تاراج — بنانِ شب فلکے هم گشت محتاج
دهن ز انسان ز خوردن بے خبر بود — که گفتی او صدف دندان گهر بود
ز بے برگی دهن ها رفته از کار — ز جنبش باز مانده همچو سوفار
اگر از خانهٔ برخواستی دود — بسانِ کعبه در شهری نشان بود
بعزت خواب را در دیده جا بود — بایں نسبت که با مرگ آشنا بود
چو بر مرده گریستی شخصِ غم ناک — فتادی پیشتر از اشک بر خاک
بسانِ شیشهٔ ساعت دو دنیا — پُر و خالی شد از احیا و موتا

بواسطهٔ نقش کردن بر حاشیه جلد صدف کاری

گر از عرش آید کتابے فرو — تو اند نشستن به پهلوئے او
مگو جلد بُستانِ پُر یاسمین — چو رخسارهٔ دلبرانِ دل نشین
ازیں[2] جلد تا تکیه گُهر کرده است — صدف آبے گوهر بر آورده است

بواسطهٔ نقش کردن بر حاشیهٔ سراپردهٔ پادشاهی

ز صنعت گرِ او هنر کامیابے — بر دستیِ خیمه دوزِ حباب

---

[1] ا، پائید؛ ب، ج: تائید   [2] ا: ازیں؛ ج: دریں

زگلهائے تصویر دیبائے او معطر شود خاک درپائے او

کتابۀ دولت خانہ لاہور

عجب نبود اگر عرش اشتہاہے محلِ جلوۂ ظلِ الٰہیے
سر صاحب شکوہاں گرچہ دریاست بپائے[1] قصر شہ از درسنیہاست

در تعریف کشمیر بہشت نظیر

ببایدنیزہ بالا سبزہ را کند کہ خاکی را بیابے آب مانند
فتادہ عکس گلہایش بدریا کنند نظارگیِ عیشش دوبالا
زبس طولِ خیاباں نہر ناچار زرہ ترسم کہ برگردد چو طومار
تنِ تنہا دراں میداں بکوشد کہ خورشید از بہ بیند چشم پوشد

در تعریف فتح ملک ججہار سنگھ بندیلہ

اگر تیغِ جہادش آب دار است نمش از جویبارِ ذوالفقار است
برفتہ دامنِ داموفی[2] از دست نہ چو را گر کنو نشس چارہ گر ہست
رعیت سرکشی از دست دادہ زر از صد دہ ستاند یک پیادہ
فزونی جمع پردہ ہاش بستہ بشاں[3] از[4] شہر بالاتر[5] نشستہ
بپیش قامتش دہقانست دربند ببالایش دلے بستہ بہ ہر بند
ثمن ستا گر محیطِ پر تلاطم بحار سبعہ را گر دیدہ ہشتم

---

[1] ا: بپائے؛ ب: بہ پیش [2] ب: داموبی؛ ج: داموفی
[3] ا: بشان؛ ب: بسان [4] ا: از؛ ع: در
[5] ا: بالابر؛ ع: بالاتر

سرہ

کتابه عمارت شاهجهان آباد دهلی[1]

زهی قصر والای گردون اساس — زمین گشته[2] از سایه‌ات[3] روشناس
تجلی چنان داده[4] پیرایه‌ات[5] — که شد خاک آئینه از سایه‌ات[6]
بلندی ز تو عالم خاک را — ز تو زیور و زیب افلاک را
زمین[7] از تو شد با سپهر آشنا — دگر نه کجا بود آن، این کجا
زمین از تو شد در جهان معتبر — پدر کو[8] شود نامدار از پسر
توی از همه بیتها منتخب — چو مضمون برجسته گردون نسب
گرفته اساست به تحت الثری — ز قارون همه گنجها رونما
تو سروی و مرغ نگه فاخته — ز آب طراوت قد افراخته
گلت را چو[9] بگرفت بنا در آب — نماند[10] آب در چشمهٔ آفتاب
از آن آب خاکت جهان تاب شد — که از دیدنت دیده پر آب شد
غم از دیدنت[11] رفته از دل بدر — ز آب گلستانِ تو پیشتر
تماشائے این خجسته مقام — برد رشک بر چشم احول مدام
ز میخانهٔ لیک صاحب نظر — نرفته ز پائے خود این جا بدر
خدایت چنان دلبری داده است — که سایه ز تو دور افتاده است
بشد از تو دوری گزین نیم گام — نه[12] هنگام صبح و نه نزدیک شام
اساسِ تو روزی که قد بر فراشت — زمین شیوهٔ خاکساری گذاشت

---

[1] نسخهٔ ا این مثنوی ندارد و از نسخهٔ ب، ورق: ۱۳۶ ب نقل شده [2] ب: گشت؛ ج: گشته
[3] ب: سایه اش؛ ج: سایه ات [4] ب: داد؛ ج: داده
[5] ب: پیرایه است، پرایه ات [6] ب: سایه است؛ ج: سایه ات
[7] ب: این بیت ندارد و از نسخهٔ ج نقل شده [8] ب: کہ؛ ج: کو
[9] ... گرفته، ج: چو گرفت بنا [10] ب: بماند؛ ج: نماند
[11] ا، ب، ج: دیدنت [12] ب: ز؛ ج: نه

هماں دم کہ طرح تو بستا کشید
فرح رخت خود را بآنجا کشید

فرح[1] هر کجا هست جویای تست
رُخ او[2] محراب درهاے تست

نرفتست از آستانت نشاط
چو صورت کہ شد بافند[3] اندر بساط

بہ آرایش باغش آرد بہار
اگر خیزد از آستانت غبار

بہر خانہ و شہر عیش و سرور
چناں یافت جا چشم بد باد دُور

چناں دامنِ دل کشی سوے خویش
کہ باد از فضایت[4] نرفتست بیش

نگہ را فروغت دهد آن صفا
کہ چوں بازگردد سوی دیدہ ها

ازو دید خورشیدِ تاباں شود
خطوطِ شعاعیش مژگاں شود

فروغت دهد گر بآیینہ تاب
برد دست از پنجہ آفتاب

ترا دلکشائی بجاے رسید
کہ قفل از درت وا شود بے کلید

چناں[5] دلنشینی کہ نقشِ چنین
نرفت از درت همچو نقشِ نگین

بلند از تو شد نام دهلی بدهر
ز طرح تو از نازکی یافت بهر

بر آن کهنگی تازہ شد آں چناں
کہ گُل داد نخلش بفصل خزاں

صفا پروری آں چُناں کز برون
شمرون توان مردمِ اندرون

نهانِ تو پیداست از آب و تاب
صفا گشتہ غمّازِ تو چُوں حباب

ز رشکِ تو اے زینتِ روزگار
چناں شُد دلِ آیینہ بر غبار

کہ تا عکس انجا قدم می نهد
زبس گردِ[6] دیدہ بهم می نهد

ز[7] آبے کہ در طینتِ فیض تست
بہ گلهاے تصویر شبنم نشست

بود در هوا داریت ناصبور
دوامِ بقا و ثباتِ سُرور

بروی تو بیند فلک هر سحر
کہ گیرد دگر رہ جوانی ز سر

زهی دلنشین نظر بازِ تو
کشایش اسیرِ درِ بازِ تو

---

[1] ب: رُخِ او ...... الخ مصرعۂ اولی و فرح هر کجا ...... الخ مصرعۂ ثانی؛ ج: مطابق متن هذا

[2] ب: "او" ندارد؛ ج: او

[3] ب: "بافند اندر بساط" واز نسخۂ ج نقل شدہ

[4] ب: قضایت؛ ج: فضایت

[5] ب: چنین؛ ج: چناں

[6] ب: گرد در دیدہ هم؛ ج: گردِ دیدہ بهم

[7] ب: ز؛ ج: ز

تر و تازگی خانه زادِ تو اند — صفا و هوا دل نهادِ تو اند
شد این چار در چار ارکانِ تو — مجاور تر از نقشِ ایوانِ تو
خمِ طاقت[1] آن ابروی دلکش است — کز آن ماهِ نو نعل در آتش است
ز طاقت[2] بلندی همت قصیر — برش طاقِ کسری خمِ پشتِ پیر
بدستِ فلک طاق آمد کمان — کمانی که باشد زهش[3] کهکشان
پی دیده خویشتن روزگار — غبار از درت جسته یکسر مه وار
درت بر رخِ خلق تا باز شد — ز نقشِ جبین سینه باز شد
درت باد[4] از جبههٔ خاص و عام — چو گردون ز اختر منقش مدام
درین آستان بوسه گر یافت بار — فرامش کند حقِ لب های یار
درین آستانِ سلاطین پناه — دهد هر کرا بخت و اقبال راه
بجای قدم بر زمین سر نهد — سرش منتِ آن که بر افسر نهد
ز[5] طرحِ بنای متینت اگر — شود صفحهٔ کاغذی بهره ور
توان بست از آن بر رهِ سیل بند — چنین کز متانت شدی بهره مند
فزود از متانت چنان لنگرت — که کوه از صدا شد سبک تر برت
مجنبِ وقارت ز بی لنگری — غبار زی بود سدِ اسکندری
چو دیوارت آیینه وش دیده است — نفس را بخود صبح دز دیده است
سرای شهنشاهی و این ادب — ز روشندلان با تو نبود عجب
سرای شهنشاه عادل توئی — از آن پادشاهِ منازل توئی
خدا داده چون بختِ شاهی ترا — بود کرسیت تخت شاهی ترا
شد از نسبتِ شاهِ مالک رقاب — ز افلاک رفعت پناهت خطاب
شهنشاه آفاق شاهِ جهان — به تائید ثانی صاحب قران

---

[1] ب: خم طاق ابروی آن؛ ج: خم طاقت آن ابروی
[2] ب: طاق؛ ج: طاقت
[3] ب: زہش؛ ج: زہش
[4] ب: یاد؛ ج: باد
[5] ب: این و سیزده بیت مابعد ندارد و از نسخهٔ ج نقل شده ورق ۱۸۷

بدرگاہِ قصرِ جلالش سحاب ... ببالد[1] بہ سقا شود گر حساب

ز فرّ و شکوہِ سلیمانیش ... کند فخر خاقاں بہ دربانیش

فراخور بقدرش نہی گر بنا ... بروں رفت باید ز تحت السّما

فرازد چو قصرِ فراخور بشاں ... شود عالمِ خاک یک خشتِ آں

نشیند[2] چو شاہنشہِ بے ہمال ... بدولت در ایوانِ جاہ و جلال

ز پاسِ ادب خشت در آں بنا ... کند از مربع نشستن ابا

ستوں راست[3] گوئی ز حلمش نظر ... کہ چوں سقف برداشت باری[4] بسر

ز فیضِ نظر شد چناں کامگار ... کہ با سرفرازی بود بُرد بار

نہد حفظِ اُو گر بنائے بر آب ... شود ساختہ زود[5] تر از حباب

بملک کہ حفظ ویش داشت پاس ... بود خانہ ہمچوں کماں بے اساس

ز خاکِ درش سرمۂ دیدہ[6] دید ... کہ می بیند آں را کہ باید شنید

قسم خوردہ دولت بخاکِ رہش ... کہ سر بر نمی دارم از درگہش

چہ درگہ پناہِ بلند اختراں ... کہ خاکش بود افسرِ سروراں

بدرگاہِ جاہش کہ آورد رو ... کہ شبنم از[7] کنارش نشد کامِ او

چو یابد سر از آستانش مکاں ... شود جبہہ اش خطِ لوح اماں

کند سیل گر خانہ را خراب ... زند آتشِ برق را در سحاب

کہ از زنگہا شاہِ روشن نہاد ... ز رافت نظر افگند بہ سواد

سیاہی دہد زینت و اعتبار ... بہ ہر خانہ چوں خانۂ چشمِ یار

اشارت نماید اگر سرمہ را ... کہ بر عکس طبعش کند اقتضا

خلافِ طبیعت شود زو پدید ... کند خانۂ چشمِ اعداء سفید

---

۱ ج: پیالا شود گر بسقا؛ ع: مطابق متن ہذا

۲ ب: ایں و بیت ما بعد ندارد، داز نسخۂ ج نقل شدہ

۳ ب: است؛ ج: راست

۴ ب: بازی؛ ج: باری

۵ ب: رود بر؛ ج: زود تر

۶ ب: دید؛ ج: دیدہ

۷ ب: دزاں؛ ج: ازاں

به تعمیرِ دل کرده زانسان شتاب | که سیلاب ویرانه سازد خراب

شهنشاه از خاطرِ مستنیر | بنوعی است از حالِ دلها خبیر

که می بیند از شعلهٔ شمعِ هوشش، | که هر روز از زنِ چشم[1] و گوشش

بدل چند وارد شده میهمان | ازان[2] خانه کی گشته مهمان روان

نهد خانه برباد حفظش بنا | بدانسان که زین[3] تست برباد پا

نیابی زیک کعبه دل نشان | گر احسانش بنود لباسی بران

نیابی زیک خانهٔ دل سراغ[4] | که از نور مهرشش ندارد چراغ[5]

بعهدش[6] که سوراخِ موری شگافت | کز احسانِ او خرمن آنجا نیافت

ولی نعمتِ عالم احسانِ اوست | ز خورشید تا ذره برخوانِ اوست

سرائی جهان چیست مهمان کده | که جودش درو میزبان آمده

بود تا که روی نیازِ امم | سوی خانهٔ کعبهٔ محترم

چو کعبه شهنشاهِ صاحب قران | ز هر نا ملایم بود در امان

سوئی درگهش روئی امید باد | رسا فیض عامش چو خورشید باد

کتابهٔ دولت خانهٔ سهرند[9] و تاریخ آن

زهی عرش بنیاد، دولت اساس | چو خورشید در آسمان روشناس

گلِ وصفِ تو تا بگیرد در آب | رود فکر تا چشمه سارِ سحاب

---

[1] ب: دید؛ ج: دیده

[2] ب: وزان؛ ج: ازان

[3] ب: زینت بر بادما؛ ج: زنیست برباد پا

[4] ب: چراغ؛ ج: سراغ

[5] ب: چراغ ندارد واز نسخهٔ ج نقل شده

[6] ب: بعهدے؛ ج: بعهدش

[7] ب: که؛ ج: و

[8] ب: بناز؛ ج: نیاز

[9] این مثنوی نسخهٔ ا ندارد واز نسخهٔ ب، ورق ۱۳۹ ا ب نقل شده

اس مثنوی وما بعد کی مثنوی کا عنوان "کتابهٔ دولت خانہ کشمیر" درج تھا جو صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ مثنویاں، سہرند میں تعمیر ہونے وال[ے]
محل مقدس، خوابگاہ والا کی تعریف میں لکھی گئی ہیں، جن کا حوالہ بابِ اول میں دیا جا چکا ہے۔

زتوصیفت[1] اندیشه رفعت گزین | سرِ فکر کرسی زانو نشین،
ز دیوار تا رازِ پنهان نمود | مگر خاکت[2] آئینه سوده بود
تماشایت ای[3] بینش افروزِ چشم | بهارِ نگاه است[4] و نوروزِ چشم
ز تو گلشنِ رنگت و بو خرم است | برای نگاهت دو دیده کم است
برد[5] آب آئینه را روزگار | کراز آستانِ تو شوید غبار
نظر گر ز نظاره ات مانده دور | بغربت فتاده است در روی خور[6]
صفایت بر افلاک پرتو فشان | ز روی تو روشن سوادِ جهان
ترا تاب[7] خورشید با آب[8] صبح | بجت را فروغِ سفید آب صبح
زمین دلربایی ندارد چو تو | فلک آشنایی ندارد چو تو
در آئینه عکست اگر جا کند | ز دیدار خوبان تبرا کند
گرانست بار تماشا ترا | چه نازک برآورده بنا ترا
گرفتی جهان راچه بالا و پست | ترا دارد ایام از هرچه هست
زمین از تو بر جای خویش ایستاد | جهان را وفلی فلک را عماد
چو اربابِ عرفان بقیدِ مکان | بسر برده و سیر در آسمان
بقارون بیت گرچه همسایه شد | ز وصفت[9] سخن آسمان مایه[10] شد
لبِ بام تو تنگ در ز[11] جلال | بهم یافت[12] چون دو لب[13] اتصال
چه خوش کردی آغوشِ افلاک را | بیت داد دل عالمِ خاک را

---

[1] ب: توصیف؛ ج: توصیفت
[2] ب: خاک؛ ج: خاکت
[3] ب: "ای" ندارد؛ ج: دارد
[4] ب: "و" ندارد؛ ج: و
[5] ب: مصرعه ندا ندارد
[6] ب: صور؛ ج: حور
[7] ب: آب؛ ج: تاب
[8] ب: تاب؛ ج: آب
[9] ب: وصف؛ ج: وصفت
[10] ب: پایه؛ ج: مایه
[11] ب: چون؛ ج: ز
[12] ب: ماند؛ ج: یافت
[13] ب: دولب؛ ج: دولت

عجب نیست گر سرکش افتادہ — فلک رتبہ گر زمیں زادہ

بہ از یک دگر جملہ اجزاے تو — تناسب اسیر[۱] سراپاے تو

رواقت[۲] اگر خواہد از شیشہ زیب[۳] — زعشاقِ بستاں دلِ ناشکیب

فلک را ہمیں ساز و پیرایۂ — زمیں از تو دارد ہمیں سایۂ

زمیں فرشِ راہ تمنائے تو — فلک یک سروپہ ز سودائی تو

ز نظارہ ات چوں شود کامیاب — نگہ خانۂ دیدہ را باشد آب

توئی[۴] گلبن و خشت برگِ گلست — بر آب طراوت[۵] ز طاقِ گُلست

طراوت چناں داد پیرایہ ات — کہ ابر آب بردارد از سایہ ات

چُو از دیدنت پیر گردد جواں — بطاقت چرا ماندہ از خم نشاں

چُو بتا[۶] ز خوبیت نازد بخویش — کند پنجہ خویش از بوسہ ریش

صفایت کہ آئینہ را داد تاب — بہ گلہائے تصویر داد است آب

بہ کلک[۷] تو چوں نقشِ[۸] تصویر رفت — نہ رنگ از گلستانِ کشمیر رفت

بہ کان شفق رنگ دیگر نماند — طلا در صدف ہائے اختر نماند

ہُنرمندِ نقاشِ مانی قلم — نکردہ صُور بے معانی رقم

چُو بر صفحہ رو کشد دیدہ را — نماید[۹] نگہ ہائے دزدیدہ را

زبس بردہ درکار دقت بکار[۱۰] — گلی را کشید[۱۱] است در یک بہار

درآید چو از روزنت آفتاب — نہد بر گلت نقطۂ انتخاب

کشید است نقاشِ نازک ادا — کشادہ دل و[۱۲] تنگیِ دستہا

---

۱ ب: امیر؛ ج: اسیر

۲ ب: ایں مصرعہ ندارد واز نسخۂ ج نقل شدہ

۳ ب: ایں بیت ندارد واز نسخۂ ج نقل شدہ

۴ ب: توئی گلبن وبرگ وخشت؛ ج: توئی گلبن وخشت برگ

۵ ب: طاقت ..... ؛ ج: ز طاقِ گُلست

۶ ب: چونیاز؛ ج: چوبناز

۷ ب: کلک؛ ج: بنقش

۸ ب: نقش؛ ج: کلک

۹ ب: نماند؛ ج: نماید

۱۰ ب: نکار؛ ج: بکار

۱۱ ج: کشیدہ؛ ب: مطابق متن ہذا

۱۲ ب: "و" ندارد

کند نقش گلزار جزو آشکار ... کشد گر گلی می نماید بهار

فلک مانده[1] ویک صدف لاجورد ... همه رنگ ها را نثار تو کرد

برنگ ارچه طاؤس افسانه است ... صدف وار نقاش این خانه است

پُر[2] آوازهٔ خوبیت روم و چین ... سرائے شهنشاه باید چنین

شه کشور عدلِ شاهِ جهان ... جهاں بخش ثانی صاحب قران

شه آسماں قدر، خورشید چهر ... منور ازو خانهٔ چشم مهر

چو نظارهٔ عارضِ او کنند، ... با سکندر آئینه یک رو کنند

به بزمی که شاه است مجلس فروز ... فلک از ثوابت نهد عود سوز

می بزم رانیست رنگِ صفت ... صراحیست دلهای پُر معرفت

گُلِ شمع بزمش بهار سپهر ... ز دُودِ بخورش فلک سبز[3] چهر

چناں خیزد از عود عنبر دخان ... که اختر بود نافه[4] در آسمان

فتاد است در پائے قدرش[5] هلال ... رکاب از ازل آمده پایمال

سرایش فلک را سعادت فزا ... بُنه آشیاں کرد جا یک[6] هما

اگر مور یاد[7] آرد از محفلش ... شود بارگاهِ سلیماں دلش

بنام ضمیرش تهی[8] گر بنا ... شود خاک آں جمله آب و هوا

که از راحت عهدش[9] افسانه خواند ... که در خواب خوش چشم روزن نماند

نه گردد اگر در دعایش بلند ... شود دست در آستیں کوچه بند

خود از پاسِ او آب عهد شاه ... ز روزن ببزمی[10] نکرده نگاه

تمیزش نخواهد ازاں بحر آب ... که باشد صدف زیر دستِ حباب

---

۱ ب، ماند؛ ج: مانده

۲ ب، بر؛ ج: پُر

۳ ب: سیر؛ ج: سبز

۴ ب: ناقه؛ ج: نافه

۵ ب: قدر؛ ج: قدرش

۶ ب: چابک؛ ج: جایک

۷ ب: پادارد؛ ج: یاد آرد

۸ ب: تهی؛ ج: نهی

۹ ب: عدلش؛ ج: عهدش

۱۰ ب: ببزمی نکردد؛ ع: ببزمی نکرده

گل خلق او چون نماید ز دور | کشد پرده دامن بعیب بخور
نگارد قلم گر ز خلقش سخن | شود نقطهٔ نافهٔ غزال ختن[1]
علو گفتش علویان را مدد | سر چرخ را اختر او خرد
چو گر دید دولت سرایش[2] بنا | بتاریخ او رفت فکر قضا
رقم دید آخر بلوح ازل | "سرای شهنشاه والا محل" ۱۰۴۸

کتابهٔ دولتخانهٔ سهرند و تاریخ آن[3]

دیدهٔ نظاره وقف حیرت است | زین بنا کار آمگاه[4] دولت است
هست کشمیر از صفاجنت سرشت | باشد این دلکش بنا قصر بهشت
اے[5] گل خاکت بهار رنگ و بو | خشتت[6] از خوش طینتی آئینه رو
تا ز دیوار تو نگرفت آب و رنگ | صبح را آئینه بر ناید ز زنگ
تا شده دیوار تو افراشته | آئینه در[7] روی بنا داشته
پردهٔ کج گر بو خسارت کشید | کرد در آئینه روی خود سفید
باشد از تر دستی بنای تو | سایه چون ابر سیه در پای تو
روی دیوارت ز موج آبرو | نقش بر آب است و نقاشی براو
پیش نقاش تو ای نقش بهار | نامیه رنگ آورد از لاله زار
کار نقاشانت از بس دلبراست | بید را بار صنوبر در براست
دل ربا گلهای سقفت جا بجا | نقش طاؤس است بر بال هما
تا به نقشت خانهٔ تصویر رفت | آب و رنگ[8] گلشن کشمیر رفت
خانه از نقاشی تا گلشن نشد | معنی بستان سرا روشن نشد[9]
ای وجودت در جهان رنگ و بو | بر همه بالانشین آب رو

---

۱ ب: سخن ؛ ج: ختن
۲ ب: سرایت ؛ ج: سرایش
۳ این مثنوی نیز از نسخهٔ ب نقل شده است: ورق ۱۴۱ الف ب
۴ ب: راکام گاه ؛ ج: کارامگاه
۵ ب: این ؛ ج: اے
۶ ب: خشتا ؛ ج: خشتت
۷ ب: بر ؛ ج: در
۸ ب: رنگ و گلشن ؛ ج: رنگ گلشن
۹ ب: شد ؛ ج: نشد

ای بصورت شاهد باغ جناں | نهر در نور است چوں در تن تواں
عکس موج دهر بر دیوار و در | همچو ماهی کافتد از دریا بدر
اندریں دار السرور دل پذیر | عالم آبیست هر سو گوشه گیر
خانهایت در صفا همتای چشم | رو بروی همچو منظرهای چشم
پایه ات[1] در غور چوں فکر حکیم | سقفت از رفعت بود دست کریم
دلکشایی آلتی در شان تو | عشرت عالم بود مهمان تو
می رود رضوان ازیں دلکش بنا | تا به گلزار جناں رو بر قفا
بسکه دیوارت بود آئینه رو | روی دولت می تواں دیدن درو
تا ترا آب صفا آراست چهر | صبح را ناشسته[2] رو خواند سپهر
پیش نقاشش تو از بهر شرف | لالهٔ گلزار جنت شد صدف
ای بهاری رونمای هر گلت | روح مانی عندلیب هر گلت
بسکه گلهایت بهم انگند رنگ[3] | یک گلت آراسته از چند رنگ
رفعتت گوید بآواز بلند | کز گدا ایں سرفرازم بهره مند[4]
قامتت را هر که دید افراخته | گوید ایں را سرفرازی ساخته
ز ارتفاع شان خان نکته داں | پایهٔ قدرت به فرق فرقداں
محفل اقبال را مسند نشیں | بندهٔ شاه جهاں باید چنیں،
آبروی گلشن کون و مکاں | ثانی صاحب قراں شاه جهاں
رای او با شمع گر یاری کند | خانه را از دود گچ کاری کند
گر به تعمیر جهاں آرد شتاب | خانها بنا نخواهد چوں حباب
حفظ او بر موم اگر خواند فسوں | شمع را در خانها سازد ستوں
نیست در عالم بجز[5] او شاه کس | خانهٔ یک شمع را فانوس بس

---

[1] ب: پایه ات؛ ج: پایهٔ
[2] ب: ناساسه روخواهد؛ ج: ناشسته روخواند
[3] ب: جنگ؛ ج: رنگ
[4] ب: سربلند؛ ج: بهره مند
[5] ب: بجز او شاد؛ ج: بجز او شاه

کس نیاید در جهانِ آب و گل نوبهاری همچو خلقش معتدل
بهر اقبالش اگر سوزی سپند دود آں بر چرخ اندازد کمند
روی او شمع سرائے کائنات خانہ زاد خاطرش آبِ حیات
چوں تمامی یافت ایں رشکِ بہار گوہرِ تاریخ را کردم نثار
لیک تاریخی کہ لایق شہر تست "قصرِ اقبال و محلِ دولت است" ۱۰۴۸

غزلیات

ردیف الف

جز حرفِ عشق نیست سراسر بیانِ ما چوں شمع یک سخن گذرد بر زبانِ ما
گرمی دریں چمن ز بہار و خزاں ندید نگرفت آتشی بخسِ آشیانِ ما
آرام را ز قافلۂ اشک بردہ اند یک جا نشد مقام کند کاروانِ ما
مشکل کہ چشمِ دہر تواند کہ بنگرد رنگِ شکستہ نیز بروے خزانِ ما
از بارِ عشق اگرچہ دوتائیم یک دلیم از راستی دو خانہ ندارد کمانِ ما
از شوقِ ناوکت ہمہ تن آب می شویم[1] پیکاں چساں بماند در استخوانِ ما
چوں جنبشِ نسیم تغافل وزد[1] دلیم مانندِ موج می رود از کف عنانِ ما

* * *

در نیل کشند ار نبود دسترس خون عشاقِ تو بے رنگ نہ پوشند کفن را

* * *

نمازِ بے وضوی زاہدان اجرِ[2] دگر دارد وضو آبی بود کالائی ایں طاعت فروشاں را
بکویش چوں رسی اے اشک از ہم خانہ یادی کن بیاد آستانِ او دہی جاروبِ مژگاں را

---

[1] ا/ب : شود ؛ ج : وزد [2] ا : اجر ؛ ب : اجری

علایق لازم این نشا باشد[1] بلکه زینت هم — که بی زنجیر بود رونقی زندان شاهان را

* * *

ای برو دوشِ تو آفتی دل و دین را — آن نه کمر مور خرمنیست سرین را
کام دلم نیست جز گزیدنِ آن لب — گرچه به دندان کسی نه کنده نگین را
یک اشبکی هم چراغ خلوتِ ما شو — چند توان شمع بود خانهٔ زین را
ناصح ازان غمزه زخم تازه ندارد — قدر چه داند تبسم نمکین را
کیست که مائل بخال کنجِ لبت نیست — هر که بود راغبست گوشه نشین را
هر که فروتن مسلمست زآفت — نقش سفیداست و روسیاه نگین را
صندلِ هندو بتان ز خونِ کلیم ست — زین[2] شفق آراستند صبحِ جبین را

* * *

شمشیر آزمودن بر مرده از تو خوش نیست — ضایع به صید اغیار مپسند نازِ خود را
چون شیشهٔ شکسته در شانِ طاقتم نیست — آن قدرتی که پوشم یک لحظه رازِ خود را

* * *

با همه ناقابلی داریم رنگی از قبول — باشد از باران نشانی گوهرِ بی آب را

* * *

خورده راگل خرج[2] کرد و نوبتِ پراهنست — بسکه می سوزد سپند آن روی آتشناک را

* * *

ارباب معانی داده ایزد — در دین دُنیا وصالِ حورِ عین را

* * *

عیب عریانی ما راحق چو پوشد از کفن — بر نمی دارد ز کارِ ما بمحشر پرده را

* * *

هیچ دردی نیست کو را چاره همراه نیست — بر سرِ آتش نشانیدست خارِ پا مرا

* * *

---

[1] ا: آمد؛ ب: باشد [2] ا: خرج؛ ج: چیست

وحشی طبیعتی را آخر بسر نبردیم　　باعزلت آشنا شد طبعِ رمیدۂ ما

٭ ٭ ٭

نیست دریں کارگہ غیر نخ آہِ من　　رشتہ کہ قیمت دہد گوہرِ مقصود را

٭ ٭ ٭

زپیری و کہن سالے نشد کم قوتِ بادہ　　ہماں یک جرعہ اُش از دل بُرد غمہائے عالم را

٭ ٭ ٭

بُردہ[1] را پنہاں کُند دُزد، و دلیراں می برند　　بر سرِ بازارِ معنی شہرتِ دزدیدہ را

٭ ٭ ٭

بدستِ دہریم آں تیغ آزمودہ کہ ہست　　زنگِ طالعِ بد پیچ و تابِ جوہرِ ما

٭ ٭ ٭

شدم گر در جوانی پیر شادم کز سرِ حسرت　　نخواہم یاد کردن رونقِ عیشِ جوانی را

٭ ٭ ٭

اشتیاقِ آں گل رو سازدش چوں بیقرار　　آورد تا آں سر کو خار خار آئینہ را

ردیف ب

بستہ ست بر میانِ کمر بندگی ز موج　　بس بر درِ خدیوِ جہاں ایستادہ آب

ردیف ت

ہمہ ہندو صنماں وردِ زباں شاں رامست　　کہ رمیدن روشِ آہوی ایں صحرا نیست

٭ ٭ ٭

زبسکہ چینِ جبیں در دیارِ ما عامست　　کشادہ روئی آئینہ جائے حیرانست

٭ ٭ ٭

جائے کہ حسنائے عیش بستہ اند　　جز خانۂ دلکشائی زیں نیست

٭ ٭ ٭

[1] ا: بردہ؛ ج: پردہ

عشق[1] آں روزی که از داغِ وفائی گلرخاں　　　سینه ام را کرد روشن آسماں اختر نداشت
عشق می گیرد کمال از پرتو خورشیدِ حسن　　　شمع تا روشن نشد پروانه بال و پر نداشت

٭ ٭ ٭

هر کس که دست بیشش بدشمن نداد طرح　　　گو پس نشیں که نقشِ مرادش بساز نیست

٭ ٭ ٭

کهنه شد ماتمِ دل آه سیه پوش هماں　　　شد زباں سوده ولے حسرتِ شیون باقیست

٭ ٭ ٭

از رمِ[2] وحشی غزالاں حسن دام از صد دهن　　　خنده ها بر کوششِ بیهودهٔ صیاد داشت

٭ ٭ ٭

بسکه از چشم ترم دیوارِ کویش نم کشید　　　گُل بشادابی چو خارِ آں سرِ دیوار نیست

٭ ٭ ٭

چو مایه[3] داری گنه از چشم بد مرساد　　　دلش تهی نشد ارچه هزار بار رم سوخت

٭ ٭ ٭

حسن لافِ استغنای زند ولے مشنو　　　بهرِ دامنِ گلچیں نوکِ خار قلابست

٭ ٭ ٭

فروتنی کنند و همرهی بدشمنِ تند　　　وگرنه حرزی بر بازوی شناور نیست

٭ ٭ ٭

دل ترکِ آشنائی ما زود کرد و رفت　　　زاں شد پسندِ یار که عیبِ وفا نداشت

٭ ٭ ٭

عزیزِ مصرِ جفایم گذشت آں خواری　　　کنوں همه قسم ناوکت به جانِ منست

٭ ٭ ٭

تنها نه ز دل زود بروں رفته جفایت　　　بر پیکرم از ایں همه زخمِ تو نشاں نیست

۱؎ ایں بیت و بیت مابعد نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب نقل شده است

۲؎ ایں بیت نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب نقل شده است　　۳؎ ایں بیتِ زائد از نسخهٔ ج نقل گرفته

چوں روزه خوری جانب میخانه رواں شو ‏ بهتر ز سفر چاره برائے رمضان نیست

٭ ٭ ٭

یار اگر امروز با ما دوست، فردا دشمنست ‏ گاه ابر کشتهٔ ما، گاه برقِ خرمنست

تا تو در دل جا گرفتی از فروغ عارضت ‏ دیده‌هائے داغ روشن‌تر ز چشمِ روزنست

در کمین بنشین اگر خواهی شکار افتد بدام ‏ خویش را به نما که آن روی نکو صید افگنست

اُنس میگیرم بمردم پر بیابانی نیم ‏ هم وثاقِ شعله اَم آرمگاهم گُلخنست

گرچه بے روزن بُود غم خانهٔ ما چوں حباب ‏ لیک دایم از صفائی سینهٔ ما روشنست

بسکه قدرِ گلرخاں در دورِ حسنِ اُو شکست ‏ گُل ز بس خواری تو پنداری غریب گلشنست

چارهٔ سوزِ درون از من نمی آید کلیم ‏ فکرِ خود کن کآب این آتش نهان[1] در دامنست

٭ ٭ ٭

در غریبی هیچ کس بے طالعِ فیروز نیست ‏ حیرتی دارم که چوں قدرِ چراغ روز نیست

از فسونِ عشق شهبازی بچنگ آورده اَم ‏ در بر دبامی که آنجا بهله دست آموز نیست

چوں سپند از روی گرم هر کس از جا کی روم ‏ دل نمی سوزد در آں آتش که مجمر سوز نیست

بسکه از ذوقِ شهادت زندگانی تلخ شد ‏ غیر شمع کشتهٔ ما را انجمن افروز نیست

آستینِ خامه کوته دست و معنی بس بلند ‏ حیف یک خیاط در واسطه موافق دوز نیست

از شفق هر شام می در جامِ گردوں میکنند ‏ تا شود روشن که وقتِ باده خوردن روز نیست

نقشِ ما نه نشسته بود آنجا که نقش پا نشست ‏ نسبتِ این جبهه با آن[2] خاک در امروز نیست

پا ز عشرت خانهٔ مشرب مُنه بیرون کلیم ‏ بزمِ می هر شام هست و روزهٔ سی روزه نیست

٭ ٭ ٭

دریا دلیم و موجهٔ دریائے همت است ‏ نقشی که هست بر تنِ ما را حصیر نیست

٭ ٭ ٭

پائے طلب براهِ تو از کار مانده است ‏ اشکم ز بس دویده ز رفتار مانده است

٭ ٭ ٭

---

[1] ا: نهان در دامنست؛ ج: درون از من ست

[2] ا: ما آن؛ ج: بآن

هر رهرو از حقیقتِ این ره نه آگهست — نتوان سُراغ کعبه ز ریگِ روان گرفت

* * *

منم که گردِ ملال آبروی کارِ منست — فسردگیِ خزان حاصلِ بهارِ منست

دگر به بیکسیِ من[1] بگو[2] که گریه کنند — چه کارِ شمع همین خنده بر مزارِ منست

بجیب تخم چو دُر ابرِ سفید باران نیست — چه دجلهاست که در چشمِ اشکبارِ منست

به هرچه رو دهد آئینه وار می سازم — زمانه منفعل از طبعِ سازگارِ منست

بسانِ سرمه و چشمند[1] عشق و بختِ سیه — از و چه شکوه کنم زیبِ روزگارِ منست

هنوز کلبهٔ من از متاعِ بی برگی — چنان پُرست که صد چند خانه دارِ منست

بسانِ نایِ فغان را در آستین دارم — کلیم نوحه سرائی همیشه کارِ منست

* * *

خاکش بآب سیل سرشت از پیِ شگون[3] — روزی که دهر غمکده ام را بنا گذاشت

* * *

قد میکشد ولیک فرومی رُود به خاک — آری نهالِ بختِ مرا این نما بس است

رهزن بسیست تا بتوانی جریده رو — سامانِ راهِ عشق همین خار پا بس است

* * *

سیار دراں[5] کوی بامداد نسیم — پرواز[4] به بالِ دگری در پرکاره است

* * *

تا چه خواهد به سرم آورد کینِ باغبان — از گلم آتش بخارِ آشیان افتاده است

* * *

پست فطرت هوسِ گوشهٔ عزلت نکند — تا گدا بر سرِ ره نیست دلش خرم نیست

* * *

پیامِ عالمِ بالا که حوصلش تشنهٔ اوست — ترانه ایست که با آبشارِ کشمیر[6] است

---

۱ ا: من؛ ب: ما — ۲ ا: مگو؛ ب، ج: بگو

۳ ا: سکون؛ ب: شگون — ۴ ا: پر.....؛ ب، پرواز

۵ ا: دلوانکوی بامداد؛ ب: دراں نکوی بامداد

به رشته‌های دو زلفش کمانِ حلقه ببست — دلا ببین که ببازوی ما کمالی هست

* * *

تمام کیست بعالم ببین که با آن فیض — سحر بشمعِ مبارک اثر نیامده است

* * *

تخته آخر پی تابوتِ کراست — که ز دریا[1] به کنار افتاده است

* * *

بهر کجا که رود دیده می روم چشمم — ز اشک یکسر زنجیرِ او بپای منست

* * *

من که همچون ساغر لبریزم آب از سر گذشت — از که می ترسم که باید بی لب پیما سوخت

* * *

در راهِ فنا قافله دانِ اهلِ جهان را — دین ماندنِ دنیا همه یک روز مقامت

* * *

دامن از دامنِ صحراست درو کی گنجد — در سر کوی تو پایی که بسنگ آمده است
نیست چون جامهٔ اربابِ جنون چاک هزار[2] — تنم از پیرهن پوست به تنگ آمده است

* * *

از سر نو قسمتی باز نخواهند کرد — خار بپا می رسد گل بسر افتاده است

* * *

دل از شکسته بالی[3] و ز سرکشیِ گلبن — چون نقش پای آخر بر خاک آشیان بست

* * *

مضراب[4] مطرب از رگِ طنبور خون[5] کشاد — در خاطرش کرشمهٔ ساقی خلیده است
بی دست[6] مزد خار ز پایی نمی کشد — همراهی زمانه بایں جا کشیده است

---

۱ ا: سلامت؛ ج، ب: ز دریا
۲ ا: هزار؛ ب: بزار؛ ج: براز
۳ ا: پائے در؛ ج، بالی وز
۴ این بیت زاید از نسخهٔ ب نقل گرفته
۵ ب، خون؛ ج: چون
۶ ا: بی دست مزد؛ ج، بی مزد دست.

هرکس که تیغِ جدتِ طبعش برنده تر	اول زبانِ دعویٔ خود را بریده است

* * *

امید کام یافتن از روزگار ها	عطر گلاب[2] از گل اختر کشیدنست

* * *

هر گلی کز رشتهٔ گلدسته گردد پای بند	پیچ و تابِ عندلیب رشته بر پا دوشنست

* * *

چشم پوشیدن ز نیک و بد چراغ دیده است	روشنیٔ[1] دل را ز نورِ دیدهٔ پوشیده است
باکه گردون سازگاری کرد تا با ما کند	بر مرادِ دیده هرگز آسیا گردیده است
سرو را دانی چرا آزاد میگویند خلق	زانکه دامانِ تعلق زین چمن برچیده است
گر قفس تنگست از بی رحمیِ صیاد نیست	صید از ذوقِ گرفتاری بخود بالیده است
گر بصحرا می رود ور سر بدریا میکشد	سیلِ راهِ بر و بحر از اشکِ من پرسیده است
جامهٔ لایق بآن دستارِ عُریانی بود	بر سرِ هرکس که دستارِ جنون پیچیده است
چشمِ خود را بایدش دادن بمردم عاریت	هر که خود را لایقِ بالانشینی دیده است
با چنین همت که جان بخشی بعالم می کند	حیرتی دارم که آن لب خنده چون دزدیده است
دیدهٔ دارم که ویران گشته از یک قطره اشک	خانهٔ چشمِ تو گوئی از گل نم دیده است
دیدهٔ بی دل چسان از زخم می ترسد کلیم	چشمِ داغِ من ز مرهم هم آن چنان ترسیده است

* * *

ما نه تنها[3] میگذاریم از غمِ بختِ سیاه	هر کجا روشندلی دیدیم شمع این شبست

* * *

حاصلِ شب زنده داریهای تو دل مردگی ست	خوابِ بخت ای دیده بهتر باشد از بیداریست

* * *

جزوِ جزوِ من جدا آشفتهٔ هر جزوِ اوست	گو چو من دیوانهٔ مجنون تمام اجزا یکی ست

* * *

---

۱ ا: مطابق متن نها؛ ج: روشنی دل ز نور دیده

۲ تصحیح قیاسی - عطر؛ ا: نکر

۳ ا: نه تنها؛ ب: نه همین ما

جز خاک کوی دوست کہ نتواں ازو گذشت   از چاکِ سینہ بستنِ خونم دو انداشت

* * *

در عشق دست و پائے ازیں بیش میزدم   آں دست ماند بر سرو آں پائے در گلست

* * *

وقتِ رفتن دل ازاں برداشتن دشوار نیست   گوشۂ ویرانہ از ملک سلیماں بہتر است

بختِ سیاہ بر سرِ معراج کوتہی است   از موی زنگیاں طربم نارسا تر است

آں جا کہ کارِ تیغِ زبانِ خموشی است   ہر کس لب از سوال بہ بندد گدا تر است

* * *

عنقا و دو فاجفت بنود ند ندانم   از بہر چہ ایں ہر دو بیک جائے مکاں[1] یافت

ہر تارکِ دنیا نہ شناسای جہان است   عنقا بحقیقت خبر از کارِ جہاں یافت

* * *

آئینہ دار روی دلش جانب ریاست   آں را کہ پشتِ[2] کار بہ از روی کار نیست

* * *

براہِ شوق کہ پر[3] ہم گمست سالک را   شکستہ پائی تو دایم دلا بجواب چراست

* * *

یک ہوادار از خطش برجا نماند آخر چرا   یک گلستان خار را یک خار دامنگیر نیست

یا زبانِ شمع باشد یا زبانِ من کلیم   آں زبانی کاشنای شکوۂ تقدیر نیست

* * *

چشمِ پوشیدۂ ما بر رخِ دل دوختہ است   کہ حباب از نظرش بستہ بہ دریا باز است

یک سرو گردنی[4] از خاکِ مذلت بالد   بہتر آنکس کہ تر ابنائے زماں ممتاز است

* * *

آبرو دارم زمینِ عشق ہر جا می روم   بہ رُخِ پروانہ کس در ہیچ مجلس در نبست

---

۱ ا : تواں ؛ ج ، ب : مکان

۲ ا : پشت ؛ ج : پست

۳ ا : پر ؛ ج : سر

۴ ا : گردنی ؛ ج : گردن

گر نہ اثر ربط سرین باکمرِ اوست — این کوه غمم بر دل ازان موی میان چیست
هر ذره اگر گرم طلب نیست درین راه — در بادیہ سرگشتگیِ ریگِ روان چیست

* * *

می رساند خوشه اش خود را بابرازشوقِ برق — مزرعِ امیدِ ما از بسکه عاشق آفت است
در رهِ عشقت که دارد پیش وپس راصد خطر — پیش رفتن پُرخطر و پس نهادن جرأتست[1]
پیش ساغر شیشه گردن کج کند[2] دانی چرا — یعنی از گیرنده بر بخشنده جای منت است
بوی خون باید شنید انگه قدم در ره نهاد — نیست سودی باسفر در راه اگر امنیتست[3]

* * *

پایۂ دونان بود نزد لئیمان بلند — خار سزاوار جز بسرِ دیوار نیست

* * *

حیات هم بسر آید چو رزق خورده شود — چه نعمتست که در کامِ پیر رندان نیست

* * *

تمتعی نبرند اغنیاء ز نعمتِ خویش — که باغبان نشناسد که سیرِ گلشن چیست

* * *

عمرے دلم که همسفری کرد با سرشک — آگه نشد که منزلِ این کاروان کجاست

* * *

ربط خس با شعله پنهان تراز نهیم باش کو — یار اگر بدخوست قربِ مدعی جانکاه نیست
زخمِ صید مدعا کاری نمی باشد کلیم — لختِ دل گاهی که پیکانِ خدنگِ آه نیست

* * *

ز اقتضائے طالعِ واژون وبختِ پستِ ما — آفتی در راهِ ما گرهست غیراز چاه نیست

* * *

در دیده ودلم بنود اشک را قرار — طفلی که شوخ طبع بود خانه دشمن است

---

[1] ا : جرأت است ؛ ب : جرتست   [2] ا : کند ؛ ب : نهد
[3] ا : امرامست ؛ ب،ج : اگر امنیتست

گر دل مکدر است نظر از جهان ببند — در خانه هر غبار که باشد ز روزن است

تا ساختم به نیک و بد خشک سالِ دهر — خاکی که می کند بسرم بخت روشن است

÷ ÷ ÷

دلا سرِ سفرت زین خرابه منزل نیست [1] — تو گرچه غافلی از مرگ، مرگ غافل نیست

بکوی عشق ثباتِ قدم چه می داند — ز اشکِ خویش حریفی که پای در گل نیست

مدام ز آتشِ هجران کسی نسوخته چو من — ز شب ز باده تب و تاب شمع محفل نیست

رهی بکعبهٔ مقصد رسد ز زهد و صلاح — ولیک جرعهٔ آبی درین دو منزل نیست

سرشکِ عاشق بیچاره همچو تخم وفاست — که در زمین بهشتش امید حاصل نیست

بروزِ حشر ندارد ز سرخروی رنگ — شهیدِ عشق اگر سرشرمسارِ قاتل نیست

اگرچه ما نه گرفتیم جای مجنون را — جنونِ ناقصِ ما کم ز عقلِ کامل نیست

سعادتیست اگر از سرِ زبان می بود — حدیثِ مهر و وفایت که از تهِ دل نیست

ره کشایش کار آنچنان فلک بربست — که راهِ قافلهٔ موج سوی ساحل نیست

ندیده ام بجز از اشک بی قرار کلیم — مسافری که بآرام هیچ حایل نیست

÷ ÷ ÷

آرام در رمست دمی آرمیده نیست [2] — آن کس که طبعش از همه عالم رمیده نیست

بر روی ما ز آفتِ سیلی روزگار — امید بازگشتنِ رنگِ پریده نیست

خوش آن که دل بسلسله مویان نداده است — وز مشکِ زلف بوی بزخمش رسیده نیست

دنیا شکسته کشتیِ بحرِ حوادث است — در کشتیِ شکسته کسی آرمیده نیست

دست ار کشاده نیست همانا که نیست دست — فرقی میانِ بسته پر و پر بریده نیست

هرکس ندیده طرهٔ در پا کشیده را — چاکش ز جیبِ صبر بدامن کشیده نیست

عمرم تمام صرفِ رهِ جستجوی شد — تا یافتم که مهر و وفا آفریده نیست

یا خانهٔ حبابِ بود یا دلِ کلیم — جایی که عنکبوتِ حوادث تنیده نیست

---

[1] این غزل زاید از نسخهٔ ب از ورق: ۱۹۰ب نقل گرفته است

[2] " " " " " : ۱۹۲ب " "

حشمت خراج باده ز مینا نها گرفت   زلف تو باج مشک ز چین و ختا گرفت

آئینه را ز پرتو خورشید رو نداد   تا بی که چهرهٔ تو ز آب حیا[1] گرفت

دل را فریب کام نیفگنده در بلا   در دام عشق پیشتر از دانه جا گرفت

در خاک گر نشست چو ماکی بخون طپید   نقش قدم کجا برهت جای ما گرفت

چشمی که شد ز حسرت لعل لبت سفید   چون چشم داغ من ز نمک توتیا گرفت

از الفت قدیم که دارد بایں هدف   تیر تو استخوان مرا از هما گرفت

مستی ز چشم تو نبود خوشنما دگر   رویت ز خط چو ماتم اهل وفا گرفت

دا حسرتم که حال فقیران چه می شود   حرص غنی چو کاسه ز دست گدا گرفت

منت ز دستگیر کشیدن کشنده است   ضعف آن چنان خوش است که نتوان عصا گرفت

هردم کلیم کاتشش سودا در و فتاد   مانند شمع در شب[2] این زلف جا گرفت

❁ ❁ ❁

بی آه سرشک من روان نیست   [3] آری سبب گرد کاروان نیست

تن گشته ز درد بسکه لبریز   گنجایش تب در استخوان نیست

دارد در تاب زلف او را   رشک کمری که در میان نیست

از غارت عشق خانه پرداز   گر نام بود مرا نشان نیست

چون دیدهٔ دام باد بر خاک   چشمی که ز عشق خون فشان نیست

تا شیشه ز درد نیست خالی   راحت در زیر آسمان نیست

ما گریه ز شمع یاد داریم   با سیل سرشک با فغان نیست

مرگی کم نماند از تو چیزی   کمتر ز حیات جاودان نیست

راز تو کلیم چون به پوشد   جز نام تو اش چو بر زبان نیست

❁ ❁ ❁

هوای کشمیر و لرز زاهد خشک اثر نگذاشت   [4] ز باده دست کشیدیم ابر تر نگذاشت

---

[1] ب: صفا؛ ع: حیا   [2] ب: کف؛ ج: شب

[3] این دو غزل بالا از نسخهٔ ب، از ورق: ۱۹۲ ب، ۱۹۴ ب نقل شده است

[4] این غزل نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب، از ورق: ۱۹۵ ب نقل شده است

اگرچه کاسهٔ مستان شکست بر سرِ من
دلم به لاله هوای قدح ز سر نگذاشت

که دیده است ضعیفی بایں توانائی
توان به هیچ تنی تابِ آن کمر نگذاشت

که دید روی ترا ای بهارِ گلشنِ حسن
که صد هوس را بر روی یکدگر نگذاشت

کسی که گشت فراغت شعار گوشهٔ فقر
نبرد خوابش تا خشت زیرِ سر نگذاشت

هنروران همه رفتند باغبانِ قضا
به باغِ گیتی یک نخلِ بارور نگذاشت

کسی گذاشت پس از مرگ نامِ نیک بدهر
که قیمتِ کفن و مزدِ نوحه‌گر نگذاشت

بقای دولتِ دنیا ز شمع روشن شد
که تاجِ زر بسرش دهر تا سحر نگذاشت

کلیم زینسان بی خانمان همیشه نبود
اثر ز غمکده اش اشکِ بی اثر نگذاشت

٭ ٭ ٭

کدام شب که ز هجر آتشم بجان نگرفت ـه
بسانِ شمع مرا اشک در میان نگرفت

رمیده ام ز گرفتن چنان به همتِ فقر
که خاکم از قدمِ هیچ کس نشان نگرفت

علاقهٔ بدن و جان دو سنگ راهِ وفاست
خوش آن رمیده که الفت باین و آن نگرفت

به هست و بود رگ و ریشهٔ من آتشِ شوق
چنان گرفت که آتش به نیستان نگرفت

کسی که تلخیِ منت چشیده همتِ او
مرادِ جان و جوانی ز آسمان نگرفت

ز خوانِ نعمتِ دنیا چه بهره دارد
دلم که غیر سر انگشت در دهان نگرفت

تو قدرِ دیدهٔ گریان چه دانی ای ناصح
چو هرگز آتشِ عشقت بجان و مان نگرفت

سری که خدمتِ فتراکِ او نجُست کلیم
برات بوسه بران خاکِ آستان نگرفت

٭ ٭ ٭

زمان بی غمی کودکی چنان پرگشت
که پیر را بشراب انس طفل با شیر است

٭ ٭ ٭

ردیف د

پر تابِ مده به زلف و بگذار
کین فتنه شبی ز پا نشیند

٭ ٭ ٭

ـه این غزل زاید نسخهٔ ا نداده، از نسخهٔ ب؛ ورق: ۱۹۷ الف نقل شده

زیں بخشش آب و تاب کہ روی تو بردہ است — جز گرد روی کار با خجگہ نمی رسد

٭٭٭

نتواں ناصح عریانی ما را پوشد — راز پنہاں نشود[1] چوں بہ ملا می افتد

٭٭٭

بنگر بجز و نارسائے من گر نہ دیدہ — آں آتشی کہ طرح کشش بوریا شود

٭٭٭

مجلس تہی ز غیر شد و ما ہماں خموش — رہزن نماند و راہِ سخن وا نمی شود

٭٭٭

ز خلق کندہ دماغی چگونہ بر تابم — بایں دماغ کہ از بوئے گل زکام کند

٭٭٭

راہ[2] عشقست ایں کہ خارش را بود از دیدہ ننگ — دل بایں شاد است کاسیبی ز خار پاند ید

٭٭٭

بایں روش اگر از دیدہا نہاں گردد — بغیر نام کمر در میاں نمی ماند

٭٭٭

ارزاں فروخت اشک متاعِ شکیبِ ما — کالا ز دستِ طفل تواں رایگاں خرید

٭٭٭

تیغت کہ ہست تشنہ بخونم عجب مدار — از شوقِ مورجوہرش از پر بر آورد

٭٭٭

در بر عاشق[3] دیوانہ بہ فتوای جنون — گر ہمہ جامۂ کعبہ است دریدن دارد

٭٭٭

برات روزی چشم نوشتہ اند بہ دریا — ازاں زمان کہ خطِ موج را بر آب نوشتند
گر اہل معرفتی نور جوی سطر بیابی — کہ نسبتی بود آنہا کہ در کتاب نوشتند

٭٭٭

[1] ا: "نشود" ندارد ؛ ج : نشود — [2] ا : میابی ؛ ج : میانی

[3] ایں بیت زاید از نسخۂ ب نقل شدہ است۔

آنکه گُل را بجمالِ تو برابر گیرد　　روکشی بر رخ آئینهٔ زنگار کشد

٭ ٭ ٭

خطاب یافتهٔ دیوانهٔ دو زنجیره　　ستم کشی که هوادارِ زلف و کاکل شد

٭ ٭ ٭

سنگ از کفِ طفلاں بجز دیدن چو تواں خورد　　دیوانه چرا ملکِ بیابان نفروشد

٭ ٭ ٭

حرص گدائے دربدری گنج می نهد　　گر قسمتِ ازل ز طلب بیشتر شود

٭ ٭ ٭

نے تابِ کمر دارد و نے کوہ سرینی　　شمعست و همیں قامتی اندام ندارد

٭ ٭ ٭

طفل اشکی که ندیدست بجز خانهٔ چشم　　حیرتم سوخت که چوں راهِ بیاباں داند

٭ ٭ ٭

بهارِ عشرتم را خرمی بنگر که بخت اکنوں　　پی آرایش با غم گُل از بازار می آرد

٭ ٭ ٭

چوں عصا هر کس که باشد بهره مند از راستی　　زیرِ دستِ خلق شد محکوم نابینا فتاد

٭ ٭ ٭

شوق هر کس را که ساماں سرشکم داده است　　خاک در چشم اگر هم چشم دریا می شود

٭ ٭ ٭

در گلشنِ محبت نخلِ اُمیدِ عاشق　　چوں سبزهٔ خطِ اُو پیوند با خزان کرد

٭ ٭ ٭

بخاکساراں دلبطیست سرفرازاں را　　سوادِ ننگ ز همراهی غبار[1] نکرد

٭ ٭ ٭

هزاراں خر زمانه بُرد بر بام[2]　　ولی یک یوسف از چه بر نیاورد

---

[1] ا، سوار؛ ج: غبار　　[2] ا: برام؛ ج: بربام

ز آبِ دیده و خاکِ مذلت فلک مارا چها بر سر نیاورد

* * *

خاک دارد فلک از کاسهٔ اُمید دریغ طمعِ خام از و آبِ بقا می خواهد
گریه خاکسترِ دل راهمه دُزدیده به چشم بی رُخت آئینهٔ دیده جلا می خواهد

* * *

بچوبِ تاک بزن دست، باده گر بنود چو کار ضعف بپا مردی عصا اُفتد

* * *

همت حدِ خضر می باید که همراهی کند اشکِ ما سرگشتگاں تابی به داماں می برد

* * *

تنگست راه پیش[1] سُبک شو که مردِ عشق سر را بجا[2] گذاشت که نام نکو برد

* * *

هر بد از پرتوِ نیکاں نبرد بهره که زهر می کشد گر همه از دستِ مسیحا باشد

* * *

همیں پند[3] از زبانِ حال گوید شیشهٔ ساعت که فرصت داں غنیمت دست بالا زیر می گردد

* * *

درونِ خلوت فانوس نیست جای دو شمع چو دل بعشق بود زنده جاں نمی باید
کریم بر سرِ کانِ نمک چرا لرزد حساب بوسه دگر در میاں نمی باید

* * *

به نادان کارِ دانا مهربانیست دلِ بینا به نابینا بسوزد

* * *

تابکی سینه برد نور به هر زخم از پیش سپرِ تازه گهی هم ز جگر می باید

* * *

---

[1] ا: پیش؛ ب، عشق [2] ا: بجا گذاشت؛ ج نجاک داشت
[3] ا، پند؛ ج، پسند

بسترم چوں نقشِ پا[1] بالیں نداشت[2] — کلبه ام را نقشِ بام و در نبود
تن اگر بگداخت از غم خوش دلم — اشکِ ما را رشتهٔ گوهر نبود
خانهٔ دلہا اگرچہ کعبہ است — ایمن از[3] آں چشمِ غارتگر نبود

٭ ٭ ٭

دیدهٔ ما چشمِ آہو، چشم جادو دیده است — ہیچ چشمی را باین سامان پرکاری ندید
دیده نابیناست تا در بند خواب دایم است — کور گوییم بخت را چوں روی بیداری ندید

٭ ٭ ٭

لباسِ عافیتی بہرِ دل نمی دوزم — که ابره در گرو آستر نمی باشد

٭ ٭ ٭

ما را که تلخ کام نخست آفریده اند — غیر از لب پیاله مکیدن نمی رسد
اینست اگر زمانه و ابنائے او کلیم — ہیچ آرمیدنی برمیدن نمی رسد

٭ ٭ ٭

دامنم از می اگر آلایشی دارد چه شد — کس گریباں را نمی باید بدستِ او دہد
پارهٔ مومم بدستِ انقلابِ روزگار — زو نخواہم ساخت ہر صورت که خواہد رو دہد

٭ ٭ ٭

بشکر مایدهٔ فقر تر زباں باشم — بغیرِ خاک مرا گرچه در دہان بنود

٭ ٭ ٭

از عدم دیر آمدیم ایں قسمتِ ما می رسد — کم نصیب است آں که در آخر بریغما می رسد
بختِ ما گر نارسا افتاد زلفِ او رساست — طره اش آخر بدستِ کوته ما می رسد
در پناهِ باده از آسیبِ دوراں باک نیست — صد شکست از شیشه مستاں نجاں را می رسد
واعظ از افسون نخواہد[4] توبه داد از می مرا[5] — پا نخواہم خورد تا دستم به میشا می رسد

---

[1] ا: "پا" ندارد؛ ج: پا
[2] ا: بداشت؛ ج: نداشت
[3] ا: ازن؛ ج: ازآن
[4] ا: بخواہد؛ ع: نخواہد
[5] ا: ترا؛ ج: مرا

عشق اگر مهلت دهد هم تا بکی خواهد کشید | شمع اگر بسیار اماں یابد[1] بفردا می رسد

مردمی می زیبد الحق چشم بیمار ترا | خود بایں حال و بحالِ خستگان وا می رسد

چشمت از مستی چه داند حالِ دلها را که چیست | کنج کاویهای مژگانت بایں ها می رسد

خرمی در طالعم چوں نیست بیهوده است سعی | خس نخواهد سبز گردید ار بدریا می رسد

بر ز نخلِ آرزو هرگز نمی چیند کلیم | در چه فصل این میوهٔ خامِ تمنا می رسد

٭ ٭ ٭

شانه رو کش کرده زلفش را هلاکِ قدِ اوست | ز آرزوی قامتِ او این الفها می کشد

٭ ٭ ٭

مریض را چو عیادت کشد دوا چکند | کسی به پرسش یک شهر آشنا چکند

چو شانه نوبت چاکم بسینه افتاده است | بدست شوق همین جیب یک قبا چکند

گرفتم اینکه سرِ همتم ز چرخ گذشت | کسی به کوتهی بختِ نارسا چکند

بدیده کاسه همسایه دال اگر ندهد | دو شیشه خونِ جگر با خمارِ ما چکند

مپرس حالِ دل آندم که در حدیث آئی | کریم چوں گهر افشاں شود گدا چکند

به هر نواله گرم استخواں دهی اے بخت | تو خود بگو که دریں قحط پس هما چکند

کلیم شکوه ز توفیقِ چند شرمت باد | تو چوں بره نه نهی پائے رهنما چکند

٭ ٭ ٭

هر چه از عمر سفر کوتاه شد یا رب که بخت | مایهٔ افزونی شبهائے وصلِ ما کند

٭ ٭ ٭

نفاقِ پیشه گراں بر دلِ کسی کم شد | [1] نگفت حرفِ حق و دلنشینِ عالم شد

کسی که موم صفت چرب و نرم شد ز نفاق | به مجلسِ غم و شادی چو شمع محرم شد

بدانشش آنکه سراید بکس طرف نشود | دگر طرف شده ناکرده بخت نازم شد

که همچو آئینه در دهر خود نمائی کرد | که او نه منتظرِ کلفتِ دمادم شد

ز خلق غیر تری سر او نمی دانم | چه آب بود که داخل بخاکِ آدم شد

---

[1] ا: یابد؛ ب: می ماند

غرورِ حسن چه پروائے قتلِ ما دارد — که آفتاب نه گرم از برای شبنم شد
نمی‌تواں چو نفس یافت در سراپایم — ز تیغِ جورِ تو زخمی که به ز مرهم شد
جہاں چو تنگ شود کسبِ نیک نامی کن — که هر که از سرِ فلسی گذشت حاتم شد
زباں که تیشهٔ دشمن تراشی است کلیم — چو ترکِ آں نتوانست گرد ابکم شد

ردیف ش

هلاکِ غیرتِ آں سالکم که سوخت ز رشک[1] — براہِ دید اگر جادہ را ز خویش بہ پیش

⁂

بادۂ روز آتش، وه رنگ دشمن است — گر حکیمی منکرِ می در شبِ مهتاب باش

⁂

جہاں را آزمودم تلخ و شیریں بیم و امیدش — نیر زد عشرتِ عیدش بہ رنجِ دیدہ وا دیدش
حیاتِ جاوداں را غیرِ کلفت حاصلی نبود — همیں مرگِ عزیزاں دیدہ خضر از عمرِ جاویدش
دریں میخانه یا رب ساغرِ ما را چه پیش آید — میِ خونابِ حسرت می شود در جامِ جمشیدش
اگر گلگوں نباشد اشک می آید ز دل بیروں — بسانِ طفلِ غمگینی که نبود جامهٔ عیدش
بهار آمد که گردد باغباں را نخوتی حاصل — که گردد چترِ سلطانیست بر سر سایهٔ بیدش
کسی را شوق در راهِ تو بنشاند که بنشینی — اگر بر دیدہ ماش براہ باشد چشمِ امیدش
ندارم دیدهٔ لایق بایں دیدار می خواهم — که گیرم عاریت از چرخ چشمِ ماہ و خورشیدش
نمی‌چسپید زنیاں بر مریداں و هواداراں — کلیم از دل اگر می بود شیخِ شهرِ تجریدش

ردیف م

از برائے چو منی الفتِ تیرِ تو گذاشت — می کشد ایں همه دلجوی پیکانِ توام

⁂

از انقلابِ دوراں هر درد بر سر آمد — ناچار در خمِ چرخ من صاف در نشینم

---

[1] ایں غزل زاید نسخهٔ الف ندارد و از نسخهٔ ب، ورق: ۱۸۱ ؟ نقل شده است

چوں جام دریں میکدہ از دستِ حریفاں — خوں می خورم و زہرۂ فریاد ندارم

﷽ ﷽ ﷽

ساحلِ دریای بے دادم کہ پایم پس نرفت — ایں قدر کز موج زخمِ بے محابا دیدہ ام

﷽ ﷽ ﷽

جنسِ کساد خود بہ سیل بردہ ام — دارد روای زقفا نارد ائیم

﷽ ﷽ ﷽

از ظفر خاں بود آں[1] جمعیت و طرحِ غزل — با کہ دیگر زلفِ معنی را پریشاں می کنم

﷽ ﷽ ﷽

از برائے کلفتِ من سیرِ یک گلشن کم ست — از گلستاں چوں برایم رو بہ زنداں می نہم

﷽ ﷽ ﷽

رختِ صندوق بہ تابوت نخواہد گنجید — ہر چہ با خود نتواں برد ز خود دور کنیم

﷽ ﷽ ﷽

بسکہ راہ ناامیدی را مکرر رفتہ ام — چشم اگر برہم نہم ایں راہ را سر می کنم

﷽ ﷽ ﷽

دایم فتادہ ایم ز ہر جا کہ عاجز بیست — تا عذرِ لنگ نیست از و پا نمی خوریم

﷽ ﷽ ﷽

چرخ اندکے بخشش گوہر کز مرادِ من بدہ — نقش کم نشستہ بہتر ہیچ در ہم نیستم

﷽ ﷽ ﷽

مذاقِ تلخ چو شیرینیٔ قناعت یافت — چو طفلِ گل خورم و خاک را شکر گیرم
شوم ز ہی چو فلک سیر کوکبِ خود را — بر چرخ پس دہم و اخترِ دگر گیرم

﷽ ﷽ ﷽

با طفل کودنیم و سبق نامہ ہائے دوست — صد بار خواندہ و دگر از سر گرفتہ ایم
چوں دام برگرفتنِ ما[2] بہر داد نیست — گیرندہ ایم و اسمِ طمع بر گرفتہ ایم

﷽ ﷽ ﷽

[1] ل: بود از آن ؛ ج : بود آن   [2] ل: "ما" ندارد ؛ ج : ما

در آتشم چو شعله و آوازِ دود نیست — گر آتشم بدل زنی از جان نهان کنم

* * *

بعید کام درین دشت طالعی دارم — که غیر رخنه نیفتاده است در دامم

* * *

چون نباشد سبز نه گلگون رخِ سبزانِ هند — کم ز ابر دیده خون درپایِ شان باریده ام

* * *

خوش آن غیرت که بی خود جانبِ دلدار میرفتم — دمی کز خویش می رفتم بکوی یار می رفتم

خوش آن خلوت سرا گر اتحادِ حسن و عشق آنجا — تو از می مست می گشتی و من از کار می رفتم

وداعِ پا براهِ او پر و بالست سالک را — ز خود در پیش می بودم چو بی رفتار می رفتم

کنون گر گلستان در دامنم باشد نمی بینم — گزشت آن کز پی یک گل بصد گلزار می رفتم

بعزلت عادتی دارام که گر از گوشهٔ خلوت — بگلزارم کسی بردی بپای دار می رفتم

نشانش را ز خود چون یافتم در جستجوی او — بگردِ خویشتن گردیده چون پرکار می رفتم

دگر تقریب رفتن چون به[1] بزمِ او نمی دیدم[2] — برای پرسشِ آن نرگسِ بیمار می رفتم

گهی شورِ جنون از عقل با خود اینقدر دیدم — که بهرِ خود نمای بر سرِ بازار می رفتم

کلیم از یاد کس رفتن اگر در دستِ من بودی — چو برق از خاطرِ این چرخِ کج رفتار می رفتم

* * *

مظهرِ سرگشتگیم همچو جام — آئینهٔ صورتِ حیرانیم

* * *

عشق یک صورت ندارد تا توان او را شناخت — قطره ام چون گریه زور آورد دریا می شوم

* * *

تا بر رخِ او نظر نگندیم [3] — از دل همه را بدر فگندیم

شمشیر ستیزه تیز تر شد — هر چند که ما سپر فگندیم

---

[1] ب : بکوی

[2] ب : نمی دیدم ؛ ا : نمی دندم

[3] این غزل زاید نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب از ورق : ۲۸۵ ب نقل شده است.

تا رسم و رهِ جنوں گرفتیم — هر جا رسمیست بر فگندیم
صبر و طاقت کمر نه بستند — تا چشم بر آں کمر فگندیم
مژگانِ تو عار داشت از ما — دل بر سرِ نیشتر فگندیم
کو فرصتِ آه و ناله ما را — ایں کار به نوحه گر فگندیم
پروازِ بلند کم نه کردیم — هر چند که بال و پر فگندیم
بر فرقِ کلیم کارگل کرد — خاک از غمش بسر فگندیم

* * *

[1] ز پرهیزِ قناعت دردِ فقرم را دوا کردم — چو قوت یافتم تسخیرِ ملکِ آں زوا کردم
بسیرِ کویِ او تا باز شد پائے سرشکِ من — چه طفلاں را بایں امید از مکتب رها کردم
دریں ماتم سرا چوں من دگر کلفت بپرسی کو — دمِ خوش بر نیارد در دلِ هر کس که جا کردم
دمید از کرسیِ زانو سرم در خشتِ بالیں هم — هوائے سر بلندی را از سر روزے که وا کردم
قناعت کرده تا طبعم به هیچ از فتویِ همت — ز غیرت استخواں را تلخ در کامِ هما کردم
بخونِ دل بسی می بایدم دیگر شنا کردن — بایں زودی عبث خود را چنیں بے دست و پا کردم
مرا در دوزخِ هجرِ تو می سوزد که گر ز آنجا — بآتش التجا بردم از و کسبِ هوا کردم
میانجیِ ضعیفم در میاں پامال گردیدم — گریباں را دمی کز دستِ بیتابی رها کردم
نیم ممنونِ بختِ بد کلیم از وادیِ کامی — ازیں ناسازگاریِ طالعِ بد را دعا کردم

ردیف ن

تیره روزانیم ما را اخترِ طالع یکیست — از شکستِ زلف زنیاں شد درجنگِ من

* * *

جدائی از غمِ زلفت دلِ بے صبر و طاقت را — بسی مشکل بود چوں مفلس از هندوستاں رفتن

* * *

گرچه محرومم ولی آں حوصله را هم دارم — که ببخشم بود از ملکِ سلیماں از من

* * *

---

[1] ایں غزل زاید نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ دب، ورق ۲۸۶ ب نقل شده است.

بسعیِ خویشتن ہرگز نگردی نیک بخت ایدل   تمامِ عمر اگر بالِ ہما خواہی بسر بستن

* * *

بیشی از خواہی بہ ہر پس ماندہ ہمراہی گزیں   سربلندی بایدت دیوارِ کوتاہی گزیں
در رہِ عصیاں بھم[1] ای دل ہمتی باید بلند   بہتر از شیطاں رفیقِ راہِ گمراہی گزیں
روز از خجلت بگاہ انجا کہ شب مہماں شدی   گر غیوری شیوۂ شمعِ سحرگاہی گزیں
عزتِ[2] ایں خانہ را لایق نباشد ہر چراغ   از برائے کعبۂ دل شمعِ آگاہی گزیں
پا چو از درہا کشیدی گنج در دامن بیاب   دیدہ از دنیا چو بستی ہر چہ می خواہی گزیں
تا نمانی از گرانی نا امید از جذبۂ[3] عشق   از درونِ جا نگاہی از بروں رُخ گاہی گزیں ؟
گر دروں لبریز نشتر باشدت از نیشِ خلق   لب بہ بند از شکوۂ کس مشربِ ماہی گزیں
پادشاہاں بانزاکت بارِ عالم می برند[4]   بار بر عالم گذار و فقر بر شاہی گزیں
رہبرِ عامی کلیم از وی عصا بہتر بود[5]   در طریقت مرشدت گر اوست گمراہی گزیں

* * *

دستگیراں را ز بس چرخِ زبوں کس دشمنت   ہر کجا خاریست در پائے عصا خواہد شدن
در ہوائے شمع رویت ای چراغِ دیدہا   بر تنِ فانوس پراہن قبا خواہد شدن

* * *

فلک جامِ مرادم کی دہد گر آید از دستش   برد پیمانۂ داغ از حسد از دستِ من بیروں

ردیف و

در ہر چمن اگر گلِ رنگیں نشاں کنند   باراں کمی کند نقطۂ انتخابِ او

ردیف ہ

از کعبتین رنجش در نزد[6] بی گر و چیست   چوں مطلبی نداری بد کرد کو ستارہ

* * *

---

[1] ا : ہمی دل ؛ ب ، ج : ہم اے دل
[2] ب ، ج : حرمت
[3] ا : خوایش ؛ ج : عشق ؛ ب : شوق
[4] ا : می کشند ؛ ج : می برند
[5] ج : بود
[6] ا : نز ؛ ج : نزد

از دست هرچه رفته گم کرده بارے از دل　　　وایافتست هرکس گم کرده[1] را نجسته

ردیف ی

گر بود کامروائی ز تو بس بگر فتی　　　داخلِ قرض شمار انچه ز دُنیا یابی

* * *

دلِ مارا بہ جگر ناوکِ دل دوز تو دوخت　　　بر جگر ہم پس ازیں حق طپیدن داری

* * *

بوصفِ مور سلیمان جنابِ من کہ بگویم　　　چگونہ بہر سلیمان کنم تلاش ثنائی

* * *

تابِ کمر نیز[2] دست تاب و توانِ صبرت　　　زیں غم خبر نداری دردِ کمر نداری

* * *

کمانِ قامتِ تو گوشہ ہا بخاک رساند　　　طریق راست چو تیرِ خطا نمی گیری

* * *

تو کی بحرص خواہی چار تکبیر فنا گفتن　　　کہ ہر جا چار راہی بنگری خواہی گدا کردی.

رباعیات

نہ از گریہ است ضعفِ چشم نہ ز درد　　　ایں پردہ بروی کارِ ہجراں آورد
ہر خانہ کہ صاحبش سفر کرد ازآں　　　ناچار درد غبار بہ نشیند و گرد

* * *

اسبت کہ حنا زیب فزائی تنِ اوست　　　کوہیست کہ لالہ زار در دامنِ اوست
نی نے غلطم کہ آسمان دگر است　　　وز رنگِ حنا شفق تہ پر امنِ اوست

* * *

---

[1] ا: "را" ندارد ؛ ج : را　　　[2] ج : بیردہ است

اے خواجہ تو[1] کہ سری تن قافلہ را | یارب بہ زنند گردن قافلہ را
بوی کس خفتہ تو بیدار کشند[2] | گمیشرو[3] طمع راھزن قافلہ را

❖ ❖ ❖

اے آئینہ صبح زرشکت درتاب | سرمایہ زآب مرمرت بردہ سحاب
ثابت زبقائے دولت پادشہیست | نقاشی مرمرت کہ نقش بست برآب

❖ ❖ ❖

اے قصر کہ دلنشینی ارزانی اوست | ہر جا چشمست وقف حیرانی اوست
کی ہمسر اوست طاق کسریٰ ہرگاہ | کسریٰ درقدربندہ ہای اوست

❖ ❖ ❖

دل دربرتست گربرمن بودی[4] | درخانہ سینہ بے تو شیون بودی
دور از تو چہ روز سہی می دیدم | گردیدہ اشکبار روشن بودی

❖ ❖ ❖

از بارگہت چہ زینتی دوران یافت | زوعرش وفرش ہرچہ می جست آن یافت
از میخ زرش چہ گنجہا یافت زمیں | وزجستہ او فلک سرو سامان یافت

❖ ❖ ❖

ای تازہ بنا کہ عرش ہمسایہ اوست | رفعت حرفی زرتبہ پایہ اوست
باغیست کہ ہرستون سبزش سرویست | کاسایش خاص وعام درسایہ اوست

❖ ❖ ❖

گیرند زتو دادہ جان تن را | دادن نتواں گفت چنیں دادن را
زاں گونہ کہ کاہ ودانہ از دہقانست | ہر چند بہ یاد میدہد خرمن را

❖ ❖ ❖

---

[1] ا: "تو" ندارد ؛ ج: تو   [2] ب: مکن

[3] ج: گمیر

[4] ایں رباعی زاید نسخہ ا ندارد واز نسخہ ب، ورق: ۲۴۳ ب نقل شدہ است.

این خانه نگاه راعنان گیتیشر بود [۱] حوضش مراتب بهر تنویه بود
تاریخ بنا بی آن ز معمار خرد جستم گفتا "زینت کشمیر" بود

* * *

این خانه که فیض را مکان آمده است [۲] همسایهٔ برج آسمان آمده است
فواره چسان جسته ز بالاخانه آبی ز جوی کهکشان آمده است

* * *

راحت زینسان[۳] طرب سرائی می‌خواست عشرت در بزم دهر جائی می‌خواست
فواره اش آستین ز در بر کرده آئینهٔ حوض رو نمائی می‌خواست

* * *

دی زلزله چرخ را بر و می انداخت [۴] در سینه بنائے آرزو می انداخت
هر ذره چو از جهان بجائے انگند ای کاشش مرا بکوی او می انداخت

* * *

همت سه طلاق دختر رز را داد بر فرق کلاه ترک را کج بنهاد
در پیش فطرز جلوهٔ ساقی نیست از هرچه گذشتی به پس پشت افتاد

* * *

---

۱ این رباعی زاید نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب، ورق : ۳۴۴ ا نقل شده است
۲ " " " " " " " " " "
۳ ب : عنان ؛ ج : رنیسان
۴ این رباعی نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ج نقل شده است

حصه (ب)

قصیده در تهنیت نوروز

در مدح ابوالمظفر شاه جهان بادشاه هندوستان

چنان ز مقدمِ نوروز شد طراوت عام — که سبز گشت هم از آبِ تیغ چوبِ نیام

اگر ز عالمِ بالا نوید رحمت نیست — بخاک این همه باران چه می برد پیغام

زمانه از رقمِ سبزه بر صحیفهٔ خاک — سند نوشته که از ابر می ستاند وام

چمن ز یک نمِ باران رساند سبزه بابر — بسرعتی که کسی پس دهد جوابِ سلام

ز رقصِ برق بود ابر گرمِ دُر پاشی[1] — نه رقصِ اُو شود آخر نه این نثار تمام

زبسکه چوبِ قفس را هوا ملایم کرد — بپیچد از طپشِ مرغ همچو حلقهٔ دام

ز چرب و نرمیِ این جوهرِ هوا چه عجب — که مغز روغن گردد بجُثّهٔ بادام

زبسکه شیشه رطوبت پذیر شد ز هوا — اگر ز باده خورد صدمه[2] افتد از اندام

سُرودِ محفلِ مستان مگر دمی شنود — نهاده ابر به هر خانه سینه بر لبِ بام

شگوفه پیرهنِ تر بشاخ اگرچه فگند — ندید پرتوِ خورشید را درین ایام

زبسکه برق شب و روز درکجک زدنست — نگاه داشته پیلِ سحاب را ز خرام

ز حُسنِ تربیتِ برشگال نیست عجب — که خار پشت شود همچو گُل حریر اندام

بلفظِ خار بگردد اگر زبانِ قلم — دماغِ خامه کند نکهتِ گُل استشمام

---

۱ ب : درکرم پاشی

۲ الف ، تکیه ؛ ب ، صدمه

صفای خاک به نوعی که آتش از دلِ سنگ — فروغ داده چو از شیشه بادهٔ گلفام

بساطِ سبزه در و دشت را تمام گرفت — زمین تمام زبان شد بشکرِ نعمت عام

بآیین که در زمین ریشهٔ[1] زپا شسته برد — شگفت غنچهٔ گل میخها و ریخت تمام

شود ز لطف هوا بر تنش قبای حریر — درین بهار گنه گار اگر کشند نجام

جهان زپرتو دلهای بی‌غبار افروخت — چنانچه شمع کساد است در قلمرو شام

کسی که چین جبین خط سرنوشتش بود — ز انبساط زمان هرزه خند شد چون جام

چمن خوش است و گر گلشن دگر خواهی — که باشدش به ازین فیض دلگشای عام

بیا بدرگهِ شاهنشهی که از درِ او — شگفته غنچهٔ گل میخ بر رخ ایام

جهان بدولت شاه جهان قرار گرفت — بدان مثابه که بیمار نیست بی‌آرام

بصارتش نگذرد از حجاب تن رخِ جان — فراستش بدر دل برد پی الهام

بدست قدرت صاحب قران ثانی داد — زمانه نیزهٔ خورشید و خنجر بهرام[2]

بکمال فطرت ذاتی رسیده تا حدی — که حال شخص تواند شناختن از نام

زدلنشینی پیوسته صیت شاهی او — خورد بگوشش بدان سان که بوی گل بمشام

ز سر برهنگی آفتاب روشن شد — که بسته بهر طواف حریم او احرام

بروز عید جلوسش به تخت پادشهی — اگرچه خطبه و منبر رسیده اند بکام

به بخت تخت ولی رشک می برد منبر — چرا که قسمت منبر نمی رسد جز نام

بعهدِ شاه زبس فتنه گوشه گیر شد است — برون نمی رود از خانه چون زبان از کام

نمی گذارد محراب پشت بر دیوار — زبسکه تقویتش ضعف برده از اسلام

رواج شرع بحدی که در قلمرو هند — زمین تشنه نخورد آب را بماه صیام

اگر گیاه کند دعوی طراوت خویش — بآفتاب ز دار القضا رود اعلام

بغیر اذن بگلزار اگر صبا بوزد — بروی بوی به بندد در دماغ زکام

---

۱ در ب: رشته، در ل، ج: ریشه

۲ در ب: این بیت درج است، ا، ج: ندارد

زبس شباهت ظالم بدست در عهدش / خجل ز پیکر خود گشته[1] شخص شیر اندام
توجهی که بدرگاه کبریا دارد / نهد بدرگه او جبهه خواص و عوام
بود نشانهٔ تسخیر هفت اقلیمش / نهد بسجدهٔ حق بر زمین چو هفت اندام
ستوده شیوهٔ دینداری و جهانداری / نموده جمع بهم چون دو باده در[2] یک جام
بود درازی زینت قبای عمرش را / چنانچه هست خوش[3] آینده اختصار کلام
مدام تا که دمد آفتاب بعد از صبح / همیشه تا که نیاید چراغ پیش از شام
مباد پیش و پس دولت ترا تعین / بسان آخر اعداد[4] و اول ایام

در تهنیت نوروز و عید مبارک رمضان

و اورنگ پر جلال پادشاهی

خجسته مقدم نوروز و غرهٔ شوال / فشانده اند گل عیش بر سر مه[5] و سال
به بزم عیش دو جامست در کف ساقی / ضرورتست بلی این دو عید را دو هلال
ز روزه خشکی زاهد فزوده می باید / برای دفع یبوست دو جام مالامال
مگر تلافی سی روزه تشنگی بکنم / گشاده ام بر ساقی دو دست را بسوال
می دو آتشهٔ خوش دلی زبس پیداست[6] / بآن رسیده که داخل کنیم آب ملال
شگفت غنچهٔ مرخم کشود و روزه گذشت / دگر چه بهتر ازین خواهی از محول حال
ز روزه طفل هوا و هوس بمکتب بود / رسید عید و ز مکتب رها شدند اطفال
وفور عیش پدید[7] است از در آمد کار / ازین بهار نمایان بود نکوی سال[8]
ازین هدایت خوش حسن عاقبت[9] پیداست / چنانچه عاقل آسوده شد ز فکر مآل
شب وصال برآمد ز عید کوتاهی / زبس رسای عشرت گرفته است کمال

---

1. در ج : این لفظ نیست
2. در ا، و ، در ب، ج : در
3. در ا، ج : خوش آینده، در ب : ز آینده
4. در ا : اعدا، در ب، ج : اعداد
5. ا : چو گلهای عیش بر سر سال ؛ ب : چه گلهای عیش بر مه ؛ ج : گل عیش بر سر مه
6. ج : تنداست
7. در ا : هدیاست ؛ در ب، ج : پدیداست
8. ب : سال
9. در ا : عاقبت ؛ در ب، ج : عافیت

مسافری که سوی کشور وجود آید[1]
رود بر پشت پدر عشرتش با استقبال

ز نو میانهٔ اصلاح در زمانهٔ ما
شکسته بنود غیر قسر عمر رمال

هلال وار نباشد دو روزِ ما یکسان
زبسکه رو بترقی نهاده است احوال

زمانه راهِ تنزل ز هر طرف بسته است
چنانکه آب ز دریا برند در[2] غربال

بهار آبی بر روی کار خاک آورد
که جوهری نشناسد بلور را ز سفال

جهان بهانه طلب گشته بهر سبزی
باین که نم ز دهن یافت سبز گشت خلال

عروج نشو و نما بین که همچو سبزهٔ خط
برخ زآبِ عرق[3] سبز گشت دانهٔ خال[3]

نموی سبزه تر همچو آبِ فواره است
که تا ز صحنِ چمن سر زده[4] است گشته نهال

صفای خاک بنوعی که ماهی اندر آب
ز اشتیاق زمین در زمان برآرد بال

شگوفه سیم فشان بی نسیم تحریکی
کرم نگهیست که بخشند پیشتر ز سوال

بدست رنگرزِ نوبهار در یک خم
قبای غنچهٔ گل سبز و پیراهن شد آل

برای سبقتِ بیرون شدن شگوفه و برگ
به تنگنایِ رگِ شاخ می کنند جدال

هوای ابر چنان نرم کرده آهن را
که از گرانی پا می شود رکاب دوال

زامتزاج[5] هوا آتش آنچنان سیراب
که از سیاهی ذاتی بشست روی زگال

رطوبتیست زمین را که دانه در ته خاک
ز خویش آب بر آورده است چون همال

درین بهار گنهی گر فرشته بنویسد
نم هوایش بشوید ز نامهٔ اعمال

زمانه زان سان قانون اعتدال نواخت
کز آب و آتش آسوده شد دف قوال

هزار آیه بر آید[6] نشاطِ تغیر عیش
اگر ز دفتر ننوشته[7] کس کشاید فال

هلال دل خوشی اهل اکبر آدم
که از سه عید گرفتند کام دل امسال

بچشم مردم دارالخلافه عید نویست
غبارِ موکب شاهِ جهان جهانِ جلال

---

[1] در ا: آید؛ در ب، ج: آمد

[2] در ا: در؛ در ب، ج: از

[3-3] در ا، ج: مطابق متن؛ در ب: زآب دهن گشت سبز

[4] در ب: سرزدست گشته نهال

[5] در ب: انتاج؛ در ا، ج: امتزاج

[6] در ب: برآمد؛ در ا، ج: برآید

[7] در ب: پیوسته؛ در ا، ج: ننوشته

رسید کوکبه صاحبقران ثانی را — زگرد لشکر کش ای آسمان بخویش ببال
بهارِ آبِ رُخ خود فروخت تا که خرید — غبار راهش از توتیا فروش شمال
غبار[1] نعل سمندش بدیدهٔ که نشست — نشست منزلت توتیا به صفِ نعال
ز فیض مقدم شه جون[2] آب حیوان شُد — چه خوش بساحلش آمد سفینهٔ آمال
ز رشکِ جودش ابر از وجود دلگیر است — بغایتی که زند خویش را به تیغ جبال
کفش گشاده چنان کاب دستش ار بجورو — بگفتگو بگشاید زبان بستهٔ لال
به بزم جود مقدم نشین شاهان است — که بر عطاش تقدم نکرده است سوال
کسی که دست به فُلکی نداشت از کرمش — بزیر پای در آورده مال چو پا مال
گه سخاوت چُون سیل سَر بسر تعجیل — گه سیاست چُون تیغ کوه پُر اهمال
ز بیم نهیش بی اذن در نیارد[3] شد — اگر بخانهٔ آئینه رو نهد تمثال
ز پنجه شیر بعهدش نشان خون شکار — چنان بشست که زایل شد آل از چنگال
بود مناقب ذاتش ز مدح مستغنی — کبوتران حرم راچه زینت از خلخال
جهان بعهدش ز انصاف انچنان پُر شد — که درمیانه سوا نیافت جا دلّال
قضا نهان خود از رای او نمی پوشد — چو خستهٔ که به پیش طبیب گوید حال
چنانچه شاه جهانست سایهٔ یزداں — بود ز عرش برین نیز تخت اُو تمثال
بوصف تخت مرصع گهرفشان شده ام — خدا نصیب کند عمر نوح و طول مقال
هزار سیلان یاقوت و صد بدخشاں لعل — برد نمائی گرفتست تا نموده جمال
فتاده پرتو یاقوت و لعل بر الماس — چنانکه عکس چراغان فتد در آب زلال
زمردِ کُهنش تازه تر ز سبزهٔ نو — که اجتماعِ نقیضین را شمرده محال
طلای تخت[4] شدی آب... آتش یاقوت — اگر نه قطره فشان میشدی ز لعل[5] لال
به پیش نقش و نگارش بهار باغ ارم — خجل ز جلوه چو طاؤسِ ریخته دنبال

---

۱ در ب: بخار؛ در ا، ج: غبار
۲ در ا: خون؛ در ب: چون؛ در ج: جون
۳ در ب: دونخواهد؛ در ا، ج: درنیارد
۴ در ا: بخت، در ب، ج: تخت
۵ در ا، ب: زلال؛ در ج: زلعل

توان ز آتشِ یاقوت اُو چراغ افروخت — که نه زباد[1] رسد آفتش نه ز آب زوال

ندیده وصف توان کردنش که برق گهر — ز دور سوزد مرغ نگاه را پر و بال

اگر فروغ گهرهای اُو به یاد آرند — ز تیرگی بدر آید طبیعتِ[2] جهال

ز فکر نقش و نگارش بکارگاه سخن — هزار رنگ بر آورد پرنیانِ خیال

به پایۂ تختِ خود آں کوکب گہر چو رسد[3] — اگر بر افسر قیصر رسد[4] فتد بو بال

ز آب و رنگ جواہر شدست گلبندی — نگاہبانش اگر کردہ تخت پوش از شال

بشکل کوہ ولی پر حباب چوں دریا — حباب مختلف الوان، مختلف[5] اشکال

بہ قیمتش نرسد فہم جوھری ہرگز — چگونہ کوہ بسنجد ترازو مثقال

بہاندارد دیگر ہرانچہ خواہی ہست — ز شان و شوکت و فرّ و شکوہ و حسن و جمال

ہمیشہ تا کہ بر آورنگِ زرنگارِ سپہر — نشستہ خسرو سیارگان باستقلال

بہ تختِ[5] پادشہی ہمچو قطب ثابت باش — نہ بیند اخترِ جاہت تغیّرِ احوال

در تہنیت عید وزن مبارک و فتح دکن

در مدح شاہ جہاں و تعریف از عید وزن

گردوں نشاط کودکے از سر چناں گرفت — کانگشتر کواکبش از کف[6] تواں گرفت

آں کس کہ پیر زاد ز مادر ملال وار — خود را ز انبساط طبیعت جواں گرفت

بوی گُل جوانے ایام تا شنید — در باغ عمر[7] بلبل عیش آشیاں گرفت

در کوی میفروش ز ارزانی نشاط — ہر تنگدست کامد[8] رطلِ گراں گرفت

از شیشہ استفاضہ انوار می کنند — عالم تمام مشرب اشراقیاں گرفت

---

[1] در ب: "آب" درمتن و "باد" برحاشیہ

[2] در ا: طبائع؛ در ب، ج: طبیعت

[3] در ب: بہ پای تخت خود آں کوکب گہر چو رسید؛ در ا، ج: بہ پای ایں تخت آں کوکب گہر چو رسید

[4] در ا: رود؛ در ب، ج: رسد

[5] در ب: "خجستہ" درمتن و "تخت" برحاشیہ نوشتہ است

[6] در ب: سر؛ در ا، ج: کف

[7] در ا: عمر؛ در ج: دہر

[8] در ا: آمد؛ در ب، ج: کامد

اکنوں ہجوم کام بود مانعِ وصال ‌ ‌ ‌ گل پُر شد آنچناں کہ در گلستاں گرفت

بلبل زبسکہ برگ نشاطش فراخ شد ‌ ‌ ‌ گلزار در محوطۂ[1] آشیاں گرفت

بخت و ستارہ سرکشی از سر نہادہ اند ‌ ‌ ‌ شاید گلاب از گلِ انجم تواں گرفت

یک بختِ خفتہ در ہمہ عالم کسی نیافت ‌ ‌ ‌ از بس صلای عیشِ زمین و زماں گرفت

دورانِ ما چو چنبر دف دامِ عشرتست ‌ ‌ ‌ سامانِ عیش بین کہ گراں تا گراں گرفت

بنگر کہ در بہار چہ گلہاش بشگفد ‌ ‌ ‌ اکنوں کہ دہر کار بہار از خزاں گرفت

زینساں کہ روزگار جوانمرد و خوش اداست ‌ ‌ ‌ تاوانِ عمر رفتہ تواں از جہاں گرفت

ایں روی تازہ کہ جہاں را نمودہ[2] رو ‌ ‌ ‌ گوئی زگرد موکب شاہ جہاں گرفت

صاحب قران ثانی کز حسنِ عہدِ او ‌ ‌ ‌ گلزار دہر رونقِ باغِ جناں گرفت

سامان عید وزن مبارکش ہمی کند ‌ ‌ ‌ دوراں کہ جملہ حاصل دریا و کاں گرفت

آمد ہما بسایۂ شاہین او نشست ‌ ‌ ‌ میزاں ز وزنِ تا شرفِ جاوداں گرفت

دوران زخوان حشمت شاہی بخشن وزن ‌ ‌ ‌ اوراقِ نُہ فلک را یک بیرہ پاں گرفت

از مرکز خلافت ازیں یک سفر کہ کرد ‌ ‌ ‌ شاہنشہ زمانہ زمین و زماں گرفت

از یک کشادہ بال زشہباز دولتش ‌ ‌ ‌ چندیں شکار فتح شہ کامراں گرفت

تعداد قلعہا و فتوحات چوں کنم ‌ ‌ ‌ ہر روز کشوری شہ گیتی ستاں گرفت

پیر و جواں چو[3] تیر و کماں از سپاہِ شاہ ‌ ‌ ‌ ہر جا قدم نہاد ز فتحی نشاں گرفت

حکاک تیغ کند برو نام فتح را ‌ ‌ ‌ ہر قلعہ را کہ ہمچو نگیں در میاں گرفت

گردوں چو خاتمست در انگشت کنگرش ‌ ‌ ‌ آں قلعہا کہ شاہ سلیماں مکاں گرفت

چل قلعہ فتح شد کہ یکی دیوگیر بود ‌ ‌ ‌ کاں را نمی تواں بکمند و کماں گرفت

زاں گونہ مرتفع کہ اگر قلعہ دارِ آں ‌ ‌ ‌ راضی شود تواں کمک از آسماں گرفت

گوئی ز اتصال حصارش بآسماں ‌ ‌ ‌ دستیست کنگرش کہ زگردوں کماں گرفت

کوتاہ بود شعر بلندم ز وصفِ آں ‌ ‌ ‌ مسطر بزیر پای سخن نردباں گرفت

---

[1] درج: محوطۂ باغ آشیاں؛ دردل، ب: محوطۂ آشیاں ‌ ‌ ‌ [2] دردل: نمودہ رو؛ درج: نمود روی

[3] درج، ز؛ دردل، ب: چہ

مرغ سخن ز دفتر اگر پر بر آورد / بر بام وصف آن نتواند مکان گرفت

کوهش ز چار سوی تراشیده آمدست / تا آسمان تواندش اندر میان گرفت

هر کس تراشش خارهٔ آن را نظاره کرد / مانند تیشه انگشت اندر دهان گرفت

گر کوه کندن این بود و زخم تیشه اش / رو نیست بیستون که ز ناخن توان گرفت

تحقیق عمق خندق آن[1] گر کسی کنند / باید ز امتداد زمان ریسمان گرفت

از رفعت خلیجش و دزب گر سخن[2] کنم / خواهد نفس بقالب شخص بیان گرفت

تا شد ظفرش برابکی و پابکی سوار / او دگیر داو سر راهمه در یک زمان گرفت

نصرت بر اهل انکی و تنکی گرفت تنگ / تا[3] همچو الجزای خط امان گرفت

در بحر شعر کشتی نامش روان نشد / آن قلعها که حضرت صاحبقران گرفت

از انچه تا کناره دریای شور رفت / پرکار فتح بین که گران تا گران گرفت

دریا بلب چو کاسه پر از شراب فتح / از سم اسب لشکر گیتی ستان گرفت

دار الخلافه قلعه آن شد طلسم گنج / زین[4] قلعها که قدرتت از سرکشان[4] گرفت

این ملکها به تیغ گرفتی و از تو خصم / انگشت حسرتست که اندر دهان گرفت

از غصهٔ گرفتن این ملکها عدو / گر آب خورد در گلویش استخوان گرفت

تا فتح قلعهای حبابست کار باد / تا تیغ موج عرصهٔ آب روان گرفت

هر ملک را که از پی فتحش شوی سوار / گیری همین که دست مبارک عنان گرفت

جاوید مان که کوکب بخت بلند تو / خواهد خراج[5] عمر ابد ز آسمان گرفت

در تهنیت عید وزن مبارک و عید جلوس

در مدح شاه جهان و تعریف از برخورد دو عید

باز از دو عید مجلس ایام گلشنست / چشم طرب چو دیدهٔ پیمانه روشنست

---

۱ در ا: او ؛ در ب، ج: آن

۲ در ا: بیان ؛ در ب، ج: سخن

۳ ا لفظ "تا" ندارد

۴-۴ در ج: زین گنجها که قدرت آن سرکشان ؛ در ا، ب: زین قلعها که قدرت از سرکشان

۵ در ب: چراغ ؛ در ا، ب: خراج

بر گلبهای خاطرِ عشرت نصیب ماست
تابیده آفتابِ طرب از دو روزنست

عشرت چنان رساست که در گلشنِ[1] مراد
گلهای عیش بر سرِ هم افزون ز دامنست

عیدِ جلوس و وزنِ مبارک یکی شداست
دل را بر اوجِ عیش دو بالا نشیمن است

دلها کشاده بستگی نیست ور بود
پیشِ خدا و سایهٔ او دست بستنست

صاحبقران ثانی شاهنشهٔ جهان[2]
کاقبال را ز خاکِ درش چشم روشنست

هند و جهان ز روی عدد هر دو چون یکیست
شه را خطابِ شاه جهان[3] زان مبرهن است

از ابرِ خلقِ اوست که در بوستانِ دهر
گلخن بفرقِ گُل زده مانند گلشن است

نقشِ چنین چو نقشِ نگیں از درش نرفت
آری نمی روند ز جای که مامنست

هوشش فریبِ ظالم[4] عاجز نما نخورد
داند که نالهٔ شاهد بیداد ها ونست

باخصمِ ناکسش مدد[5] بخت چاره ساز
بیهوده چون ز راه گذر گرد رفتنست

از شیشهٔ شکسته تراوش نکرد می
تا فتنه را بگوشهٔ عزلت نشیمن است

قانونِ ضبط ملکش به هر سر زمین که بست
زنجیرهای جاده در پای رهزنست

انجا که سعی کرده در اصلاحِ مفسدان
آتش بسان باد هوا دارِ خرمنست

سر رشتهٔ مخالفتش را کسی که یافت
بی پود و تار زندگیش همچو سوزنست

گر سر بدانه طایرِ قدرش در آورد
گردون و انجمش همه یک مشتِ ارزنست

جایی که اوجِ گیرد شهباز فطرتش
پرواز طایرِ فلکی چشمِ جستنست

پیشِ نفاذِ حکمش بادِ سبک عنان
بر جای خشک مانده تر از آب آهنست

در بزمِ کون کرده تقدم بر آب خضر
تا با چراغِ دولتِ او ربطِ روغنست

کف الخضیب دانی بر اوجِ چرخ چیست
دستی که کبریای ترا بار دامن است

شاهنشها! تمام فتوحاتِ تازه ات
مانندِ آبِ تیغ تو بر خلق روشنست

بت خانه نهشتِ جهاد دست بملکِ هند
سرمایهٔ بت اکنون دستِ برهمن است

---

۱ در ا: گلشن؛ در ج: خاطر
۲ در ا: جهان؛ در ب: زمان
۳ در ب: زان مبرهن؛ در ا: جهانی مبرهن
۴ در ا: ظاهر؛ در ب، ج: ظالم
۵ در ا، ج: مدد؛ در ب: بنود

در بحر رزمگاه که سرها حباب اوست — بادیست تیغ تو که سر و تن بهم زنست

یکساله راه ملک بماهی گرفته — طی اللسان ز وصف چنین جلدی الکنست

آن قلعها به تیغ گرفتی که آفتاب — چون شمع نیم سوخته نزدش فروتنست

هر گنج گوهری که گرفتی ز سرکشان — افزون ز ضبط حوصلهٔ بحر مخزنست

دریا بروز جود تو لرزد بخویشتن — پوشیده نیست لرزشش نوبت معین است

شاها! ز دست همت عالم نواز تو — با نالهٔ بحر و با جگر خسته معدنست

دریا حباب بر کف عینک فروش گشت — کم ماهیگیش بر همهٔ امروز دشمنست

چون مدحتم باوج ثنایت نمی رسد — گر ختم بر دعا کنم این صرفه منست

تا بهره تر از و از قسمت ازل — گه سنگ و گه زر و گهر و گاه آهن است

خصمت همیشه سنگ حوادث نصیب اوست — سرگشته را مناسبتی با فلاخن است

در تهنیت عید و مدح میر جمله

در مدح روح الامین

قدسیان کردند مشق نام آن فرخنده فال — شکل نون بر لوح گردون نیگر انیک از هلال

پادشاه کشور دانشوره روح الامین — آنکه از ضبطش مزاج دهر دارد اعتدال

بر فلک هر برگ او گردد زبان طعنهٔ — گر بیاد رفعتش در باغ بنشانی نهال

چون بنون اسم او دارد مه نو نسبتے — زین شرف درنه فلک اختر نیفتد در وبال

از فلک پیش از شب عید ار نخواهد ماه نو — سینهٔ بازش نماند آسمان از بس هلال

آسمان قدرا! مه نو جمله تن لب گشته است — غالباً بوسیدن دست تو دارد در خیال

زین خجالت کز درت یک ماه روگردان شده[۱] — جبههٔ دارد کنون در زیر گرد انفعال

چون به بوسم دست زرپاش ترا در روز عید — می شود زرین لبم زین فیض مانند هلال

دست درپاش ترا امروز هر کس بوسه داد — در دهانش رشتهٔ دندان شود عقد لآل

[۱] در ا، ب: شده؛ در ج: شده است -

خصمت از هر روز عیدی می کند نبود عجب ‌ ‌ ‌ تا سر آید عمر او تعجیل دارد ماه و سال

نام نیکویت جهاں بگرفت گویا نقطه ایست ‌ ‌ ‌ در میان حلقهٔ نونش جهاں بایں جلال

ما ستاننده نباشد زاں که نقص همتست ‌ ‌ ‌ خنجرت جان از عدو نگرفت هنگام قتال[1]

خامه اندر دست تو چوں نامه از هم وا شود ‌ ‌ ‌ بستگی را خوش ندارد آں کف دریا نوال

تا کند کسب سعادت از در و دیوار تو ‌ ‌ ‌ بر سر جامت هما پیوسته بکشاداست[2] بال

از حروف حلقه دارش حلقه در گوش افگند ‌ ‌ ‌ گر بخواهم بیتی[3] از دیوان تو بر اهل حال

جلد دیوان تو کز بهر جلدش در ختن ‌ ‌ ‌ پوست را از تن بدنداں میکند بیروں غزال

لفظ بر معنی دلالت می کند و زبس ظهور ‌ ‌ ‌ در همه اشعار تو معنی بود بر لفظ دال

نقطه بر فوق حروفش همچو اختر بر سپهر ‌ ‌ ‌ تحت الفاظش نقط چوں در تهٔ دریا لآل

خلعت الفاظ بر قد معانی دوخته ‌ ‌ ‌ راست همچوں جامه[4] کلک تو بر بالائی نال

گر ز کلک سحر سازش[5] نقطه گیرد الف ‌ ‌ ‌ پشت او از بار معنی خم شود مانند دال

بسکه مربوط اند معنیها بهم چوں سلسله ‌ ‌ ‌ جزوها یا بند بے شیرازه با هم اتصال

معنی از کلکت جدا نبود که از بس التیام ‌ ‌ ‌ ریشها در خامه ات معنی فرو برده زنال

چونکه دارد نسبتی با دفتر اشعار تو ‌ ‌ ‌ دفتر گل را نیارد زد[6] بهم باد شمال

از پی تذهیب او خورشید راحل کرده اند ‌ ‌ ‌ تا ز سرلوحش بسازند آفتاب بے زوال

آسماں افتاده در پیش مذهب چوں صدف ‌ ‌ ‌ وز شفق شنجرف در وی سوده بهر رنگ آل

در ضمیرم هست معنیها ولی بس می کنم ‌ ‌ ‌ کز پریشاں گفتنم نگرفت صاحب را ملال

هاں کلیم از حال خود حرفی نگوئی زینهار ‌ ‌ ‌ تا دعا باشد کسی هرگز نگوید شرح حال

تا جدا اند یمیں را از شمال ادراک شخص ‌ ‌ ‌ تا تمیز و عقل باشد دوست غیر از بدسگال

دوستت دلشاد بادا همچو اصحاب الیمین ‌ ‌ ‌ بدسگالت خسته جان مانند اصحاب الشمال

---

[1] در ا: جدال؛ در ب، ج: قتال
[2] در ب، ج: بگشوده است؛ در ا: بکشاداست
[3] در ا، ج: هستی؛ در ب، ج: بیتی
[4] در ا، ج: جامه؛ در ب: خامه
[5] در ا: سازد؛ در ب، ج: سازش
[6] در ا: زد؛ در ب: رو

تعریف مسجد اجمیر و تاریخ آن

تاریخ اتمام مسجد شاه جهان

ای سوادت در دل عالم سویدا را نشان — چون دل ارباب عرفان نور بر عالم فشان
من نگویم کعبه لیک این قدر گویم که هست — جبهه اوتاد عاشق سجدهٔ این آستان
صفحهٔ رخسار دیوار[1] ترا تا دیده است — تنگ آمد[2] ز اختلاط آئینه آئینه دان
پرتو انوار[3] تو چون عالم افروزی کند — صبح را گر دو نفس انگشت حیرت در دهان
گمرهان را تا فروغت آتش منزل شده — گم نگردد در بیابان نیز راه کاروان
از صفا و نورپاشی دیدهٔ عالم توئے — پیش و پس صفهای طاعت از تو چون مژگان عیان[4]
خانهٔ فرشت ولی از جبهه پاکان بود — زاحترامت در تو فرش تازه افتد هر زمان
از سجود جبههٔ نورانے اهل صلاح — شد[5] فضایت همچو صحن آسمان اختر نشان
گر نه صاحب خانه بروی قدرت خود را بکار — چوان توان گنجاند چندین فیض را در یک مکان
رایگان فیض سماوی را کجا داری قبول — طاعت مقبول بالا می فرستی پیش از ان
پادشاه پادشاهان را سزای[6] لاجرم — بر درت پیوسته باشد پنج نوبت از اذان
شکل محرابت کمان بازوی ایمان بود — وز دعای مستجاب آماده تیر این کمان
مسجد آرا نیست می زیبد امامش جبرئیل — خلوت روحانیان را شمع باید بے دخان
داده ایمن حرمت اجمیر[7] را فیض حرم — سرنوشت ساکنانش نیز جز خط امان
زین محل فیض هر حاجت که می خواهی بخواه — می توان صد دستهٔ گل بست از یک گلستان
دست استاد قضا تا از ژخامت ساخته — رو سفیدی ابد آماده شد[8] از بهر کان

---

[1] ا: رخسار دیوار ؛ ج: دیوار رخسار
[2] ا: آمدز ؛ ج: اندر
[3] ا: انوار ؛ ب: رخسار ؛ ج: دیوار
[4] ا: عیان ؛ ب، ج: نهان
[5] ا: ای ؛ ب، ج: شد
[6] ا: سزای ؛ ج: سزائی
[7] ا: داده یمین حرمت جبریل ؛ ب: دادا ایمن حرمت اجمیر
[8] ا: شد ؛ ب، ج: گشت

بحر پاکان[1] تا در اجرای این بنا گردد شریک ... در لباس مرمری شد آب دریا ها نهان

می توان کردن وضو از آب سنگ مرمرت ... کعبه دیدستی که از سنگش بود زمزم روان

ای ستونت شمع کافوری بزم[2] اولیا ... منبر و آلات در رفع عملها نردبان

ای فروغ مرمرت در نیت فرض عشا ... میگذارم فرض صبح آید همیشه بر زبان

آسمان فیض را صبح سعادت پرتوی ... آفتابت روی نورانی طاعت پیشگان

بر نمازت صورت اتمام فایض ناشده ... می برند اجرایش را یک یک بافلاک ارمغان

با زمین هرگز عباداتت نمی شد آشنا ... گر نمی آمد نمازت را تشهد درمیان

نیست در روی حاصل اوقات اهل طاعتت ... جز دعای ثانی صاحب قران شاه جهان

تقویت از بسکه عهدش مید هد اسلام را ... نام ضعف اعتقاد آخر برافتد از جهان

تو به را هم[3] لشکر عصیان نمی آرد[4] شکست ... قوت دین را به بین در پیروی آخر زمان

این زمان از سجده یزدانست پیشانی کبود ... هر سری کز صندل بت داشت از سرخی نشان

در بنای خیر این سعی که دارد همتش ... حاصل کان جمله خواهد گشت آخر حرف کان

گر نه تعمیر[5] جهان کردی به حکم معدلت ... از برای کشت دهقان جا نماندی در جهان

کی ز بحر مدحت او سوی ساحل میرود ... گر ورقهای سفینه جمله گردد بادبان

در پناه قدرتش بازوی بی زوران قویست ... تا بآن غایت که گوهر سفته گشت از ریسمان

کبک اکنون میکند از سینه شهباز پر ... تا از آن سامان کند نقش و نگار آشیان

تیغ او آن روز در بازار[6] شهرت جلوه داشت ... کز نهیبش مغز شد خلوت نشین استخوان

تیر او در روی دشمن گفت پیغام اجل ... شمع را هر چیز در دل هست آید بر زبان

گرچه هفت اقلیم را در قبض حکم آورده است ... لیک دست همتش چیزی نگیرد جز عنان

بسکه با اعدای او زخم[7] حوادث خو گرفت ... دشمنش را بعد مردن شانه گردد استخوان

---

۱ ا: باکان ؛ ب: پاکان

۲ ا: بزم ؛ ب: بو بزم

۳ ا: "هم" ندارد ؛ ج: دارد

۴ ا: یارد ؛ ج: آرد

۵ ب: "تعمیری" 'ی' زاید است

۶ ا: بازار ؛ ب، ج: میدان

۷ ا: دست ؛ ب، ج: او زخم

خصم جاهش را که بی برگی بود سامان او | چند باشد هم متاع خانه و هم پاسبان
دشمنش را بهرهٔ از دستگاه خویش نیست | شاخ یکجامه نمی پوشد ز زرهای خزان
خلق او را هیچ مکروهی نباشد ناگوار | بر دل آیینه عکس زشت کی باشد[۱] گران
بحر حلم او نگردد ابروی موجش ترش | گر شود طوفان مکروهات او را میهمان
کی شود آگاه از کنه کمالاتش سپهر | ساحل از دریا نه بیند غیر سطحی درمیان
آورد سیمرغ[۲] را صیاد[۲] معنی در قفس | گر بگنجاند[۳] حدیث شان او را درمیان
در زمانش بسکه دوران سازگاری میکند | مجرم اندر خانهٔ زنجیر باشد میهمان
سرفرازی با خود آورد است شمع بخت او | سربلندی در دل کان بوده همره با سنان
گر حدیث قدرتش از دل بسوی لب رود[۴] | رخنه اندر سد دندان افتد از تیغ زبان
وصف رای بی خطایش بر زبان گر بگذرد | ره نیابد در حریم گفتگو سهو اللسان
رونق کار سپهر او داد ورنه پیش ازین | ماهیش بی آب بود و دیو او بی ریسمان
آرزوی خاک پایش میکند دوران ولی | نرخ می پرسد همی مفلس ز کالای گران
تا همیشه قبلهٔ اسلام سمت کعبه است | قبله گاه آرزو بادا جنابش جاودان
مسجدش کان کعبهٔ ثانیست تاریخش بود | "کعبهٔ حاجات دنیا مسجد شاه جهان" ۴۷

---

۱ ا: آید؛ ب، ج: باشد
۲-۲ ا: سیمرغ راصیاد؛ ب: صیاد را سیمرغ
۳ ا: نگنجاند؛ ج: بگنجاند
۴ ا: آورد؛ ب: رود

قطعات

بواسطه قرضداری خود گفته

از بزرگی طلب ادای قروض خود را کرده است

ای خداوندی که باشد نسبت انعام تو | راست با حرص و طمع چون نسبت دست و دهان
دست جودت از جهان رسم قناعت برفگند | میکند اکنون هما پهلو تهی از استخوان
نقطه تنگ بر سر دریا نهد ابر از حباب | بحر دستت را اگر روزی به بیند دُرفشان
چون یکی مردود جودتست از بهر همین | حامله تا رود در ایام تو غیر از تو امان
همتت می خواست یک را از عدو بیرون کند | گشت آخر وحدت واجب شفاعت خواه آن
کام بخشا! از هجوم قرض خواهان میکشم | آن پریشانی که زر از دست صاحب همتان
قرض خواهان همچو آب ارچه برویم میکشند | گر شوم آب از حیا و در زمین گردم نهان
من که چون عیسی مجرد گشته ام از مفلسی | میگریزم از کف ایشان کنون بر آسمان
در زمین صدره فرو رفتم ز بس شرمندگی | شور بختی من ندیدم از زر قارون نشان
پشت سر می بایدم خارید از شرمندگی | وز تهی دستی بدستم نیست اکنون ناخنان
بس که هر دم بر سر راه من آیند این گروه | در گمان افتم که من معشوقم ایشان عاشقان
قافیه گر شایگان افتاد عیب من مکن | شایگان بندم همی بر باد گنج شایگان
بس که مسکینم ز بار قرض ایشان بعد مرگ | استخوانم بر هما باریست چون کوه گران
دست از من بر نمیدارند بهر هر درم | تا نمیگیرند از من همچو قارون صد ضمان[1]
روزگار از قرض ایشان داشتی مانند من | می نمودندی[2] ز رفتن منع اجزای زمان

---

[1] ا، ج: ضمان؛ ب: زبان [2] ا: مینمودی؛ ج: مینمودندی

کاشکی میداشتی تا روزگار دولتت — می بماندی در جهان چون نام نیکت جاودان
مردمان گویند مفلس در امان حق بود — سایهٔ حق چو توئی زان از تو می خواهم امان

در قلعهٔ شاهدرگ گفته

هنگامی که در بیجاپور مورد سوء ظن قرار گرفته و به حبس افتاده است

فلک قدرا! نمی پُرسی که گردوں — چرا آزرد مارا بے محابا
چرا زد راہِ بیمار غمی را — که می آمد بدرگاهِ مسیحا
حدیث طرفهٔ دارم که باشد — برای بے دماغاں به زصهبا
بعزمِ سیرِ بیجاپور گشتیم — رہی با اختری خوش دشت پیما
دو بال طائر شوقیم هر دو — نمی بودیم یک ساعت شکیبا
ولی آخر ز چشمِ زخمِ گردوں — عجایب سنگ راهی گشت پیدا
بچنگ راهداران اوفتادیم[1] — چگوییم تا چها کردند با ما[2]
همه اندر تجسس موشگافان — همه در کنج کاوی ذهنِ دانا
بسرحدِ[3] عدم گر جای گیرند — نخواهد رفت بیرون کس ز دنیا
یکی گوید که دزدانند باشند — به زندان چند که زنجیر فرسا
دیگر گوید که جاسوسِ فلانند — که از تفتیش ما گشتند رُسوا
یکی میگوید اینان را بکاوید — که شاید نامهٔ گردد هویدا
زبس تفتیش از هم میکشودند — اگر در بار ما بودی معما
بجرم این که می ماند بنامه — کشیدند استخوانها را ز اعضاً
سوادِ نامه را می ماند شستیم — سیاهی را باشک از چشمِ بینا
در آن غوغا ز ترس خود دریدند — ملایک نامهٔ اعمالِ مارا
بغیر از سرنوشت بد که گم باد — نوشته همره ما نیست اصلاً

---

[1] ا : اوفتادیم ؛ ب : افتاده اما
[2] ا : باما ؛ ب : مارا
[3] ا : بسرحد ؛ ب : بسرکتم

کنون در چنگ ایشان مبتلاییم / نمی دانیم چاره جز مدارا

چون مژگان پیش چشم ایستاده / سیاهان روز و شب بهر تماشا

ز بهر پاس[1] هندوهای با تیغ / چو مو استاده دایم بر سر ما

برای ضبط ما پر بسته مرغان / همه هم پشت همچون موج دریا

عجب دارم که با این منع جاده / ز نقش جبهه هر بی سر و پا

اشارت کن که چون اقبال کردیم / بخاک آستانت جبهه فرسا

در قلعهٔ شاهدرک گفته

در مدح شاهنواز خان موقعی که ظاهراً تحت نظر قرار گرفته بوده است

حدیث شکوهٔ گردون بلند خواهم کرد / مگر بدرگه خانِ جهان رسد فریاد

پناه اهل هنر شهنواز خان که کند / ز رای روشنِ او آفتاب استمداد

جهان بذات عدیم المثالِ او نازان / بدان مثابه که اهلِ هنر باستعداد

کشد شمار عطاهای بی حدش هردم / ز صفر حلقه بگوشش مراتب اعداد

خرد ز وسعت میدان همتش گفته / هزار برهان بر لاتناهی ابعاد

بعهد عدلش خنجر کشیده می آید[2] / بانتقام کشیدن چراغ در ره باد

دمی که خامه نگارد حدیث قدرش را / سیاهی شبِ قدر آورم بجای مداد

قضا بهفته و ایام کرد تعبیهٔ شرش / چو تیغ تیزبرش پیوندهای دهر کشاد

ز شرم ناخن اندیشه‌اش همی فگند / سرِ خجالت در پیش تیشهٔ فرهاد

زهی شکسته اهلِ هنر درست از تو / چه واقع است[3] که ما را نمی کنی امداد

سزای بی گنهان گر چنین بود چکنم / بفرض اگر گنهی کس بما کند اسناد

بگنج ده من سی روزه، مست رسوا را / زمانه چله نشین کرده است چون زهاد

روا بود که فراموش کردهٔ از من / خصوص از پی صد گونه شکوه و بیداد

گرفتم این که رهم میدهی بخاطر خویش / ز بسکه مضطربم زود میروم از یاد

---

[1] ا : هندوهای پاسس ؛ ب، ج : پاس هندوهای

[2] ا : آمد ؛ ب، ج : آید

[3] ا : واقع است ؛ ب ، دل تویست

رضای آمدن از نیست رخصت رفتن / کرم نما که درین ره نمی توان استاد
بدان مثابه ازین آمدن سبک شده ام / که همچو موج به پس میروم ز جنبش باد
هزار کوهِ غمم سنگِ[1] راه شد تا کے / ز نوک خامه کنم کار تیشهٔ فرهاد
کلیم گوهر از زنده ایست حیرانم / که از کجا بکفِ طالعِ زبون اُفتاد

تعریف مُرقع پادشاهی و تاریخ اتمام آن

دَر مدحِ شاه جهان و توصیفِ مُرقع شاهی

پرورده کدام بهارست این چمن / کز بهر دیدنش نگه از هم کنیم دام
هر خط آن چون خطهٔ کشمیر دلفریب / وز حلقه حروف براه نظاره دام
از دیدنش نظارگیان مست می شوند / زان[2] باده که دایرها را بود بجام
از بس که دیده خیره شود در نظاره اش / نتوان شناخت نقطه کدامست و خط کدام
یاقوت ثلث این خط اگر می نگاشتی / مستعصمش بدیده نشاندی ز احترام
تذهیب داده شاهد خط را چه زینتی / آری شفق فزوده بحُسن جمالِ شام
آراسته بهشتی تصویر حوریان / حوری که باشد آن را غلمان کمین غلام
چسپان شُد اختلاط خط و صورتش بهم / پیچد بموی طرهٔ تصویر زلفِ لام
مو از زبان چو خامهٔ نقاش سر زند / نطق از ز حُسن صورت اُو سر کند کلام
تصویر و خط چو صورت و معنی قرین بهم[3] / وز اتحاد کرده در آغوش هم مقام
تمکین حُسن[4] اگر نشدی مانع آمدے / در باغ صفحه شاهد تصویر در خرام
چندین هزار نقش بدیع انتخاب کرد / دوران که شُد مرقع شاه جهانش نام
صاحبقران ثانی از اقبال سرمدے / شاه ستاره لشکر خورشید احتشام
کوه وقارش ار فگند سایه بر بحار / مانند سطر موج بیک جا کند مقام
شاهنشهی که پیر مرقع لباس چرخ / ذکرش دعای دولت اُو شد علی الدوام
تاریخ شد "مرقع بی مثل و بے بدل" / چون این سواد گلشن فردوس شد تمام

---

۱ ا: سنگ ؛ ب: سد
۲ ا: آن ؛ ج: زان
۳ ا: بهم؛ ب هم
۴ ا: حُسن ؛ ب: خط

تعریف مرقع پادشاهی

در توصیف از مرقع شاهجهان

نقش بند کارگاهِ صنع همچون زلفِ یار[1] — نقش پرکاری دگر بر روی کار آورده است

از بهار گلشنِ فردوس رنگین نسخهٔ — کاتبِ قدرت برای روزگار آورده است

نازم این زیبا مرقع را که چون روی بیان — صفحه اش خطی بخونِ نوبهار آورده است

این مرقع نیست غوصی[2] کرده غواصِ قلم — یک صدف لبریز دُرِ شاهوار آورده است

محضر خوبی بخطِ جمله استادان رساند — میر سد فخرش سجل[3] افتخار آورده است

حُسنِ خطش بسکه کامل شد سپهر از کانِ صبح — بهر تذهیبش زرِ کامل عیار آورده است

رُوحِ مانی عندلیبِ گلبنِ تصویر اُوست — این گلستان این چُنین بُلبل هزار آورده است

از تحرک خامهٔ نقاشِ جادو کارِ اُو — پنجهٔ تمثالها را رعشه دار آورده است

سحر کاریٔ قلم در گوشهٔ چشمِ بُتان — دلبری را همچو مژگانِ آشکار آورده است

جلد را شیرازهٔ جمعیتِ خاطر از وست — کاین چنین زیبا نگاری در کنار آورده است

طرح این گلشن شه جنت مکان کرد از نخست — این زمان لیکن گلِ اتمامِ بار آورده است

حُسنِ سعی ثانی صاحبقران شاه جهان — آب شادابیش اندر جویبار آورده است

آن شهنشاهی که این پیر مرقع[4] پوش چرخ — نقد انجم بر درش بهر نثار آورده است

باد عهد دولتش پیوسته تا روزِ شمار — کو بعالم رسمِ جودِ بیشمار آورده است

تاریخ فتح بلخ

شکر خدا را که یک توجهٔ اقبال — زد دو گلِ فتح تازه بر سرِ دوران

همچو خدنگی که بگذرد ز دو نخچیر — گشت بیک دفع فتح بلخ و بدخشان

---

۱ ا، زلفِ یار؛ ب، نوبهار

۲ ا: غوصی؛ ب: عوضی

۳ ا ج: سجل؛ ب: مسجل

۴ ا: مرقع بوس؛ ج: مرقع پوش

شاهد این فتح را رسد ز نکویی   گیرد اگر رونما ولایت توران

چون گهر فتح پادشاه زمانه   گوهر دیگر نه بحر دارد و نه کان

لشکر اقبال سرخ روی شد از فتح   رنگ ز خون ناگرفته چهرهٔ میدان

والی بلخ از حدیث کردی و تردی   گشت ز[1] گرد سپاه فتح گریزان

در عوض از دست دشمنت چه برآمد   اینکه ده انگشت خویش کند بدندان

ثانی صاحبقران و شاهجهان را   داده خدا بخت[2] ملک گیر ز شاهان

عزت اقبال تو به مذهب افلاک   واجب و لازم بسان حرمت مهمان

از سر دشمن چو مایه یافت سنانت   یافتم آن روز معنی سر و سامان

خصم ترا سر بلند از سر زانوست   کرسی زانو کجا و تخت سلیمان

بسکه برو روزگار تنگ گرفته   دشمن تو در حصار رفته ز دامان

بر سر خوان مصیبت است همیشه   چشم عدویت ز رشک شور نمکدان

بخت بلند چو یافت خلعت ایجاد   غالب مطلق خطاب یافت ز یزدان

از صف اقبال شاه یکه سواریست   شعله که تنها زند به قلب نیستان

تا که نهیب صف سپاه تو دید   چشم عدویت رمیده از صف مژگان

چون شود از شکل نعل اسب سپاهت   صورت دامی زمین عرصهٔ توران

دانه شود قطره‌های خون عدویت   صید گرفتار او همه تن بی جان

فتح شود باغبان گلشن رزمت   معرکه از خون دمی که گشت گلستان

فتح به تیغت قسم خورد که ندیدست   همچو سپاهت ظفر پناه به دوران

جامه سرخ ار نیافت نیست شگفته   تیغ تو در روز عید رزم چو طفلان

از پی تاریخ فتح قبة الاسلام   برد چو غواص فکر سر بگریبان

رایت والی ملک پست شد گفت   "بلخ مبارک بود به سایهٔ یزدان"

---

[1] ب: ز؛ ج: از

[2] ج: ملک بخت گیر؛ ب: مطابق متنِ هذا

تاریخ وفات مُمتاز محل

گوهری ارجمند از کفِ شاه رفته کز دیده خون نمی بندد

حاصلِ هردو کون شاه جهان بدهد گر به سلک پیوندد

رختِ گلگون شفق نمی پوشد که ببر جُز سیاه نه پسندد

آسمان برسر از مه و خورشید چهرهٔ زرد گر نمی بندد

گشت[ا] تاریخِ این مُصیبتِ عام "صبحدم زین الم نمی خندد" ۱۰۴۰ھ

ا: گشت؛ ج: گفت

غزلیات

۱

بدل کردم بمستی عاقبت زہدِ ریائی را
رسانیدم بآب از زمین می بنیادِ تقوی را

زسینہ ایں[1] دلِ بے معرفت را میکنم بیروں
چرا بیہودہ گیرم در بغل مینائی خالی را

تعلق نیست باجان گر نیفشاندم بپائی او[2]
منِ بیدل نمی فہمم تکلفہائے رسمی را

گذشتن از جہاں نادید زپائے ہمتِ ہر کس
نباشد ہیچ معجز بہتر از تجریدِ عیسیٰ را

بود آرایشِ معشوق حالِ درہم عاشق
سیہ روزیِ مجنون سُرمہ باشد چشمِ لیلیٰ را

پس از دردِ جُدائی محنتِ ایام نہ نماید
زآتش ہیچ پروانیست دُور از آب ماہی را

دو مصرع در سبکروحی کلیمِ آن طور می باید
کہ در پروازِ شہرت بال باشد مرغِ معنی را

دریں چمن چو گلی نشنود فغانِ مرا
کجاست برق کہ بردارد آشیانِ مرا

حدیثِ زلفِ تو از دل بلب چو می آید
بسانِ خامہ بسیہ می کند زبانِ مرا

زبس کہ ماندہ ز پروازم اندریں گلشن
زنقشِ پا نہ شناسند آشیانِ مرا

بزندگی نہ نشستی بہ پہلوم ہرگز
مگر خدنگِ تو بنواز داستخوانِ مرا

چو نخلِ شعلہ بہ باغِ جہاں بہ یکشی حالم
نہ کس بہار مرا دیدہ، نہ خزانِ مرا

چو شمع در رہ بادِ صبا سبک روحم
نسیمِ وصلِ تو اندر بود جانِ مرا

ندید کوچہ زخمی کہ رہ بدر نہ رود[3]
چو بر دلم گذر افتاد دلستانِ مرا

---

[1] ا: اے؛ ب،ج: ایں

[2] ا: تو؛ ب،ج: او

[3] ا،ج: نرود؛ ب: بہ برد

زبس کہ نقش سیہ چون دکان بدل جا کرد   بہ تن سیاہ چو رگ ساخت استخوانِ مرا

کلیم وام کن از خامہ ہمزبانے چند
کہ یک زبان بکند شرحِ داستانِ مرا

لب فرو بستم زیان دارد زبان دانے مرا   چشم پوشیدم نمی زیبید عریانے مرا
شانہ در زلفِ تو بادے میدہد از حالِ من   بے تو زینسان در میشان دارد پریشانی مرا
نکتہ سنجی چیست عیب کس نفہمیدن کہ چیست   می کند فہمیدگی تعلیمِ نادانے مرا
یک دو گامی از سرِ کویش سفر خواہم گزید   باز پس گر نا آورد اشک پشیمانے مرا
بندگی را در رہ خدمت زبس[1] شایستہ ام   می شود داغ غلامی خطِ پیشانے مرا
گرچہ خوارم عزتم این بس کہ در بیع نیاز   میدہی خود را بمن تا آنکہ بشانی مرا
گر چنین از بارِ غم خواہم بخود رفتن فرو   شمع سان آخر کند دامن گریبانے مرا
از خرابی کس نمی گردد بگردِ خانہ ام   پاسبانی نیست مشفق تر ز ویرانے مرا
روشناسِ ابرِ رحمت گشتہ ام از فیضِ او   عاقبت آمد بکار آلودہ دامانے مرا

گرم کردم جائی خود در گوشۂ گلخن کلیم
کے دگر از جا برد تختِ سلیمانے مرا

بگذاشتم بہم بد و نیکِ زمانہ را   آزادہ ام نہ دام شناسم نہ دانہ را
سرمایۂ سرد مہریِ گل بود در چمن   آتش زدیم خار و خسِ آشیانہ را
کنجِ قفس بایمنی او بہشت نیست   بے دام دیدہ ایم دریں گوشہ دانہ را
از حلقہائے زلف تو داغم کہ می دہند   انگشترِ سلیمان انگشتِ شانہ را
تیرِ مرادِ من بہ ہدف بر نمی خورد   در خانۂ کمان بہ نہم گر نشانہ را
خواہم اگر ز گوشۂ عزلت برون روم   گم می کنم ز نابلدے راہِ خانہ را

در کوئے یار سر بنہ و خود برو کلیم
باخود مبر امانتِ ایں آستانہ را

---

[1] ا : زبس ؛ ج ، بسی

نیلگوں شد فلک از تیرگیِ اخترِ ما | گرد و آیینه سیه تاب زخاکسترِ ما
بیکسانیم گذاری بشرِ ما که کند | مگر از گریه گهی بگذرد آب از سرِ ما
ای دل انگار که چوں تیغ به بند افتادیم | بهر آنست که ظاهر نشود جوهرِ ما
نه تذرویم نه طاؤس چه دریا دیده است | که پر و دیدهٔ دام از پیِ بال و پرِ ما
روی گرمی چو نه بینیم به کس وانشویم | نخلِ مومیم، بجز شعله نچیند[2] برِ ما
نشأ از باده ندیدیم و طرب در مستی | خاکِ محنت زدهٔ بود گلِ ساغرِ ما
اشک اختر همه از دیدهٔ گردوں بچکد | مصلحت نیست که دودی بکند مجمرِ ما
پیش ایں جوهرمانے که دریں بازارند | قیمتِ رشته فزوں تر بود از گوهرِ ما

نیست دور از اثرِ طالعِ پست تو کلیم
که بچاه افتد اگر سیر کند اخترِ ما

زتیغش چاک شد دل چوں نهاں سازم[3] غمِ اُو را | گریباں پاره شد گل را کجا پنهاں کند بُو را
سپهرِ دون درِ فیض آنچناں بستست بر عالم | که سیلابِ بهاری تر نمی سازد لبِ جُو را
سخن در هر زبان بے رحمتِ تعلیم می گوید | اگر طوطی به بیند یک ره آں چشمِ سخن گو را
بهیچ گلخنم نه بستری باشد نه بالینے | چو خاکستر براخگر می نهم پیوسته پهلو را
ز رسوایی بعالم عیبِ من شد فاش و آسودم | که دیگر در حقِ من هیچ حرفی نیست بدگو را
نروید سبزه از هر جا نمک زاریست حیرانم | که خط چوں سبز و خرم میکند لعلِ لبِ اُو را

بزارے کامِ دل حاصل تواں کردن کلیم امّا
مقیّد همچو بلبل گر شوی یارِ تنک رُو را

هیچ دلسوزی نه داند چارهٔ کارِ مرا | شمع بگریزد اگر بیند شبِ تارِ مرا
دستِ هر کس را بسانِ سبحه بوسیدم چه سود | هیچ کس نکشود آخر عقدهٔ کارِ مرا
مانده در قیدِ لباسم زانکه گاهی میفروش | می ستاند در گرو ایں کهنه دستارِ مرا
همچو نقشِ پا ندارد بام و در ویرانه ام | روزگار از بسکه کوته ساخت دیوارِ مرا

---

۱ ا: ایں بیت ندارد و از نسخهٔ ج نقل شده است
۲ ا، نچیند ؛ ج ، نچیند
۳ ا: سازم ؛ ب، ج : سازد

خوردنی زخمست و آشامیدنی خونِ جگر — چون کنم این ساز گار افتاده بیمارِ مرا

گر سیه روزم ولی چون سرمه خواهانم بسیست — روشنی از من بود چشمِ خریدارِ مرا

نزدِ رندان قول و فعلِ من سند باشد کلیم

سهل باشد زاهد از بد گفته اطوارِ مرا

بهر منزل فزون دیدم زهجران زاریِ دل را[1] — خوشا حالِ جرس فهمیده است آرامِ منزل را

زشوقِ هند زانسان چشمِ حسرت بر قفا دارم — که رو هم گر براه آرم نمی بینم مقابل را

چمن را غنچهٔ ناشگفته بسیار است می ترسم — که در گلزارِ ایران هم نه بینم شادمان دل را

اسیرِ هندم و زین رفتنِ بیجا پشیمانم — کجا خواهد رساندن پرفشانی مرغِ بسمل را

اگرچه هند گرد ابست امان از وی نمی خواهم — نگیرد دست استغنائی من دامانِ ساحل را

با یاران می رود نالان کلیم از شوق همراهان

بپای دیگران همچون جرس طی کرده منزل را

هر کس بقبلهٔ کرد روی نیاز خود را — هندو صنم پرستد من سرو ناز خود را

نگذاشت آستانش در جبهه ام سجودی — بی سجده میگذارم اکنون نمازِ خود را

شمشیر[1] آزمودن بر مرده از تو خوش نیست — ضایع بصید اغیار مپسند نازِ خود را

چون شیشهٔ شکسته در شان طاقتم نیست — آن قدرتی که پوشم یک لحظه رازِ خود را

در کنجِ نامرادی تا کی ز منعِ دشمن — در زیرِ سر گزارم دستِ درازِ خود را

از نقشِ پا بر شکم گر چه[2] همی گذارد — بر آستانِ جانان روی نیاز خود را

پروانه سان نگردد هر لحظه گردِ شمعی

خواهد کلیم بی دل عاشق گدازِ خود را

شهیدِ آن قدر عنا وصیت کرده همدم را — که بندد نیزه بالا در عزایش نخلِ ماتم را

اگر گویم که خاتم چو دهانِ اوست از شادی — شود به زخمِ ناسورش علم سازد قدِ خم را

ز پیری و کهن سالی نشد کم قوتِ باده — همان یک جرعه اش از دل برد غمهای عالم را

درشتند اهلِ عالم خواه شهری خواه رستایی — قضا نا پخته گل کرده گوئی خاکِ آدم را

---

۱ این بیت و بیت مابعد از نسخهٔ ب نقل شده است　　۲ ا: مطابق متن هذا؛ ج، د: آن رو که میگذارد

تو هم از فیضِ خاموشی چو غواصان گهریابی نگهداری گر از بیهوده گفتن یک نفس دم را
فلک می آورد ما را برون از کورهٔ محنت ولی روزی که خود بیرون کند این رخت ماتم را
بنرمی چاره داغِ جفای دوستداران کن که داخل گر نباشد موم نقلی نیست مرهم را
بدانے[1] تا که شهدِ زندگانی نیست بی تلخی خدا[2] در سال عمرت داده جا ماه محرم را
علاجِ دیده بی آب جستم از خرد گفتا مقابل ساز با خورشید روئی چشمِ بے نم را
نه بینی مایه پستی که کس بنود طلب گارش شرار این آرزو دارد که یابد عمر شبنم را
بغیر از خانه ویران سازی و رختِ سرا سوزی
کلیم آخر چه حاصل آتشین اشکِ دمادم را

که خریدی زِ غم گردشِ دوران ما را دیده گر مفت نمی داد بطوفان ما را
مفلس از جنسِ خود ارزان نفروشد چکند کم بها کرد تهی دستی دوران ما را
رشک این گرسنه چشمان مژه دارد هر چند دهر بر خوان تهے ساخته مهمان ما را
در چمن دیدهٔ ز نظارهٔ آدم نشدیم گرچه ز دست قضا این همه سوهان ما را
ناصحان گر نتوانید که آزاد کنید بفروشید بآن زلفِ پریشان ما را
خصمی زشت بآئینه چه نقصان دارد چه غم از دشمنی، مردم نادان ما را
چون گهر غربت ما به ز وطن خواهد بود در بدر کو بفگن گردشِ دوران ما را
چشمِ جادوی تو هر چند برد دل ز کلیم
باز دل میدهد آن عشوهٔ پنهان ما را

قراری برد از خلق آه و زاریِ ما باین قرار اگر ماند بے قراری ما
شویم گرد و بدنبالِ توسنت افتیم دگر برائے چه روز ست خاکساری ما
کدام بارِ غم از خاطری زیاد آید که دهر ننهد بر دوشش بردباری ما
خمارِ صحبت تو عقل و هوشش از ما برد چه مستی ز قفا داشت میگساری ما
تو چون روی بره انتظار دیدهٔ خلق بهم نیاید چون زخمهائے کارے ما

---

[1] بدانے ؛ ج : ندانے
[2] قضا ؛ ج : خدا

بروی دشت اگر گردبادت آید پیش
ازو به پرسی احوالِ بے قرارے ما

نماند جان و دلے تا به یادگار دهیم
کلیم را ببر از ما به یادگاری ما

ت

نوبهار آمد دگر دلها خوش و دنیا خوشست
خانه در رهن شراب اولیست تا صحرا خوشست

درمیان نیک و بد زین بیشتر هم فرق نیست
گل بسرگرمی[1] پسندی خار هم در پا خوشست

سر بسر عمرش به تلخی هیچ کس چون من نرفت
روز بر پروانه گر بد بگذرد[2] شبها خوشست

حسنِ مستغنیست، امّا عشق می گوید بلند
خاطرِ خورشید از سرگرمی حربا خوشست

پر تنک ظرفست مینا هرزه خند افتاده جام
بد حریفانند دیگر میکشی تنها خوشست

میکند زنجیر کارِ سبزه و آبِ روان
اے دل از زندانِ غم بیرون نیایے جا خوشست

هیچ منظوری بزمِ میکشان چون شیشه نیست
عالم آبست آنجا سبزهٔ مینا خوشست

نام خود را رخصتِ سیر جهان بهرچه دار
گر ز کنج عزلتِ خود خاطر عنقا خوشست

تا ازین خون گرم تر کردند غمخواران کلیم
گاه گاه از دوستداران شکوهٔ بیجا خوشست

زین چمن عاشق ز نخلِ عیش هرگز بر نداشت
غیر زخمِ خونچکان دیگر گلے بر سر نداشت

عاقبت مکتوبِ ما را سوی او پروانه برد
تابِ سوز نامه ام بال و پر دیگر نداشت

عشق[3] آن روزی که از داغِ وفائی گلرخان
سینه ام را کرد روشن آسمان اختر نداشت

عشق[4] میگیرد کمال از پرتو خورشید حسن
شمع تا روشن نشد پروانه بال و پر نداشت

بیقراری بین که بعد از سوختن همچون سپند
یک نفس خاکسترم جا بر سرِ اخگر نداشت

شب که از شمع جمالش دیده ام روشن نبود
مردمک در دیدهٔ من قدر خاکستر نداشت

هرگز از دوران کلیم خسته آسایش ندید
در دلش صد نیش بود از خار و در بستر نداشت

---

[1] ا : بسرگرمی ؛ ج : گربسری
[2] ا : بگذرد ؛ ج : بگذر
[3] این بیت نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب نقل شده است
[4] این بیت نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ب نقل شده است

راحتی دارم که با سودای عشقم کار نیست
در جگر سوزی ندارم آهم[1] آتشبار نیست

عندلیبی ما بامید چه بندد آشیان
شبنم و گل را چه آمیزش درین گلزار نیست

گر وفا پایم نه بندد روی گردان میشوم
پشت طاقت بر سر کوی تو بر دیوار نیست

از گلستانی که زاغ و بلبلش هم نغمه اند
چشم بستم بیش ازین در دیده جای خار نیست

در محبت بیکسی، در عشق تنهایی خوشست
شادمانی بهتر از آن غم که بی غمخوار نیست

بسکه از چشم ترم دیوار کویش نم کشید
گل بشادابی چو خار آن سر دیوار نیست

هجر[2] تا آمد کلیم خسته جان تسلیم کرد
می شناسد طاقت خود را حریف آزار نیست

فراق هم نفسان جان بیقرارم سوخت
گیاه خشکم و هجران نو بهارم سوخت

چو من مباد کس آوارهٔ هزار وطن
فلک ز[3] داغ جدائی هزاره[4] بارم سوخت

زمانه از شب تارم چراغ باز گرفت
پس از وفات من آورد و بر مزارم سوخت

سرشک راه بدامن نبرد در شب هجر
چو شمع لخت جگر گرچه در کنارم سوخت

طبیب خسته دلان بعد مرگ مشفق شد
بوعده کرد وفا چون در انتظارم سوخت

چو مایه داری گنه از چشم بد مرساد
دلش تهی نشد ارچه هزار بارم سوخت

مراجدا یی جانان اگر نکشت کلیم
چه منتست تف آه شعله بارم سوخت

ناله می آید بکویت راه چندان دور نیست
گر توهم گاهی کنی یاد اسیران دور نیست

گرچه مارا میدهی بر باد بفشان دامنت
تا بدانی خاک مشتاقان ز دامان دور نیست

کیست در کویت که شبها ناله ام نشنیده است
جمله میدانند که این بلبل ز بستان دور نیست

میکند هجرت مدارا زانکه میداند که من
گر گشد کارم بمردن آب حیوان دور نیست

تا دل و جان بود دادیم ای صبا آخر توهم
بوی گل را قیمت ارزان کن گلستان دور نیست

---

۱ ا: چشم السار؛ ب، ج: آهم آتشبار
۲ ا، هجر؛ ج، عشق
۳ ا: به؛ ج: ز
۴ ا، هزار بارم؛ ب، ج: هردیارم
۵ ا: اگر؛ ج، گر

دست بیتابی بفرقم مشت خاکی هم بریخت — تا ز دامانت جدا شد از گریبان دور نیست
با بلا هم پیرهن یارب[1] کسی چون من مباد — پای گر در دامن آرم از مغیلان دور نیست

دور از آن درگه ندارد خاطر جمعی کلیم
از وطن آواره گر باشد پریشان دور نیست

پیری رسید و موسم طبع جوان گذشت — ضعف تن از تحمل رطل گران گذشت
باریک بینیت چه ز پهلوی عینکیست — باید ز فکر دلبر لاغرمیان گذشت
وضع زمانه لایق[2] دیدن دو بار نیست — رو پس نکرد هر که ازین خاکدان گذشت
در راه عشق گریه متاع اثر نداشت — صد بار از کنار من این کاروان گذشت
از دستبرد حسن تو بر لشکر بهار — یک نیزه خون گل ز سر ارغوان گذشت
حب الوطن نگر که ز گل چشم بسته ام — نتوان دلی ز مشت خس آشیان گذشت
طبعی بهم رسان که بسازی بعالمی — یا همتی که از سر عالم توان گذشت
در کیش ما تجرد عنقا[3] تمام نیست — در قید نام ماند اگر از نشان گذشت
مضمون سرنوشت دو عالم جز این نبود — کان سر که خاک راه شد از آسمان گذشت
بی دیده راه اگر نتوان رفت پس چرا — چشم از جهان چو بستی ازو میتوان گذشت
بدنامی حیات دو روزی نه[4] بود بیش — گویم کلیم با تو که آن هم چسان گذشت
یک روز صرف بستن دل شد باین و آن — روز دگر بکندن دل از جهان گذشت

براه شوق تو جز اشک و آه با من نیست — ازان متاع چه بهتر که باب رهزن نیست
ز بس گداخته[5] از غم، چنان سبک شده ام — که خون ناحق من نیز بار گردن نیست
بغیر دیده و دل کز رخت فروغ برند — دو خانه هرگز از یک چراغ روشن نیست
درین چمن دل ما همچو غنچه پیکان — ز صد بهارش امید یک شگفتن نیست
برای قافله کعبه سبک باری — هزار بدرقه و راهبر چو رهزن نیست

---

[1] ا: اگر؛ ج: گرد
[2] ا: لایق؛ ج: قابل
[3] ا: عنقا ندارد و از نسخهٔ ب نقل شده است
[4] ا: "نه" ندارد و از نسخهٔ ب نقل شده است
[5] ا: گداختم؛ ج: که کاستم

دلم که در کف عشقست ز موم نرم ترست | چو وقت پند[1] شود کم ز سنگ و آهن نیست

به بحر هستی غیر از حباب نتوان یافت | سری که منت تیغ تواش بگردن نیست

کم از هنر بنود عیب چون بجا باشد | که تنگ چشمی نقصست[2] و عیب[3] سوزن نیست

کلیم را سر هم خانگی به شعله بنود
وگرنه جای بهتر ز کنج گلخن نیست

عارف که جا بجز سر کوی فنا نه ساخت | هر جا که سیل راه ندارد سرا نه ساخت

افلاک را بفکر من انداخت وصل او | کم بخت را سعادت بال هما نساخت

در ملک زندگی دل بی شور عشق نیست | آری بد هر کس جرس بی صدا نساخت

زان کوی پا کشیدم و رفتیم زیاد او | داروی ناگوار صبوری مرا نساخت

عاشق[4] که چشم حسرت او وقف آن لب است | تا داشت دسترس به نمک توتیا نساخت

دانی که را ز شیردلان مرد گفته اند | آن را که تنگدستی بیدست و پا نساخت

گفتم که دل بدست من آمد ز ترک عشق | دل کز تو شد جدا بمن بی نوا نساخت

شمشیر امتیاز جهان[5] را برش نماند | یک جوهری زر و خزف از هم جدا نساخت

در روزگار تنگ دلی عام شد کلیم
زانانکه شمع در دل فانوس جا نساخت

آهم ز سرکشی به تلاش اثر نرفت | هر جا ندید روی دل آنجا دگر نرفت

چون یافت اینکه شرتبش[6] از خون عاشقست | بیمار چشم تو که طبیبش بسر نرفت

با آنکه در رهت ز دو عالم گذشته ایم | یک گام آشنای ما پیشتر نرفت

جز خون دل که رنگ وفا داشت این حنا | دیگر چه داشتم که ز دستم بدر نرفت

بگریخت خواب و روشنی از دیده رخت بست | بی روی تو چها که ازین چشم تر نرفت

خود را به پیچ و تاب هزار آرزو نداد | آسوده آنکه از پی تاب کمر نرفت

---

۱ ا: پند؛ ج: بند
۲ ا: نقصست؛ ب: عیب است
۳ ا: عیب؛ ب: نقص
۴ این بیت زاید از نسخهٔ ب نقل شده است
۵ ا: جهان؛ ب: زمان
۶ ا: سرتبش؛ ج: شرتبش

دیگر بخواب تشنه چه بیند بغیر آب — مُردیم و شوق تیغ تو ما را ز سر نرفت
شعر بلند را چه غم از کاوکاوِ دخل — آبِ گهر بسفته شدن از گهر نرفت

از آستینِ خامه و آلای من کلیم
یکباره[1] دست معنی خواهش بدر نرفت

هرگز دلت نشان گذار وفا نداشت — سنگی که ره فتاد برو نقشِ پا نداشت
دل از هجومِ درد تو شرمندگی کشید — ویرانه حیف در خور سیلاب جا نداشت
شمع ز باد دامنِ فانوس می کشد — آن محنتی که در رهِ بادِ صبا نداشت
از هایهای گریهٔ من تا دلش گرفت — دیگر چو آبِ تیغ سرشکم صدا نداشت
بر سینه خط زخم چو خوانا نوشته — داغ ار چه بود حاجت این نقطها نداشت
روزی هزار بار اگر گریه دیده را — می شُست بی تو خانهٔ چشمم صفا نداشت
جز خاک کوی دوست که نتوان ازو گذاشت — از چاک سینه بستن خونم دوا نداشت
گر آب و دانه در قفس مرغ دل نبود — صیاد را چه جرم قفس آن قضا نداشت
از گریه ام که زیب عروسانِ گلشن ست — پای گلی نبود که رنگِ حنا نداشت
دل ترکِ آشنای ما زود کرد و رفت — زان شد پسند یار که عیبِ وفا نداشت

دست جنون لباس چو کند از بر[2] کلیم
چون غنچه غیر زخم بزیر قبا نداشت

شگفت غنچه ولی موسمِ خزانِ منست — فروغِ عارضِ گل برقِ آشیان منست
چنان نهفته ام اسرارِ عشق را که تبسم — خبر نیافت که نام که بر زبانِ منست
زبان بسته باشکِ روان گذاشت سخن — چو طفل بسته زبان گریه ام بیانِ منست
عزیز مصر جفایم گذشت آن خوارے — کنون همه قسم ناوکت بجانِ منست
سفید[3] روی اجاگاه جور از دست — باین تو خوار مبینش[4] که استخوانِ منست
بغیر ازین که بنظاره ات زخویش روم — دگر به هر سفری می روم زیانِ منست

---

[1] ا: یکبا.....ست؛ ب: یکباره دست
[2] ا: ازین؛ ب: ازبر
[3] ا: سفیدروي؛ ج: سفیده رويی
[4] ا: میش؛ ج: مبینش

مرا برائے تغافل بہ بزم می خواند — بداد تا نرسد گوش بر فغانِ منست

بچاک سینہ و فریاد پیشرو اویم — جرس براہِ وفا میرِ کاروانِ منست

کلیم این ہمہ خون پس زفیض کاوش کیست
اگر نہ آن مژہ درچشم خون فشانِ منست

رفتن ز درت کارِ من دل نگران نیست — گر کشتہ شوم خونم ازان کوئی روان نیست

باتیرِ بلا چون ہدفم روے کشادہ — گر کوہ شود دردِ غم عشق گران نیست

حال من بے برگ و نوا را چہ شناسد — آن سرو کہ آگاہ ز تاراجِ خزان نیست

رسوائے مارا زکفن پردہ چہ[1] پوشید — گر شمع بہ فانوس دور باز نہان نیست

شمشیر تو خوبست کہ بے خواست برآید — فیضی نرساند بدلِ آبے کہ روان نیست

طائرِ بدوم گر نکند کے بہ برآئے[2] — بے یاری کس تیر در آغوش کمان نیست

تنہا نہ ز دل زود برون رفتہ جفایت — بر پیکرم از این ہمہ زخمِ تو نشان نیست

چون روزہ خوری جانبِ میخانہ رواں شو — بہتر ز سفر چارہ برائے رمضان نیست

کس واقفِ حیرانے ماییست درین بزم — کانجا کہ تویی دیدہ بغیری نگران نیست

در دامنِ الوند دگر غنچہ شود گل
زنہار مگوئید کلیم از ہمدان نیست

توبہ کردی مستی از چشم بتان افتادہ است — تاک راہم از خزان آتش بجان افتادہ است

دست تاکش بشکند گر بر در عیشت قفل — گر ہمین سرپنجہ چندین پہلوان افتادہ است

شیشہ کے باشد کہ در پشت دلی خالی کند — شکوہا دارد کہ ساقی سرگران افتادہ است

بوی خون می آید از راہی کہ ما سر کردہ ایم — نقش ما ہر گام چون برگِ خزان افتادہ است

در زبان ہا گفتگو گم کردہ[3] راہ از تیرگی — ہر کجا حرفی ز بختم در میان افتادہ است

فصلِ گل رفت و سر از زانوی گلبن برنداشت — غنچہ پنداری بفکرِ آن دہان[4] افتادہ است

کاہشِ غیرت زمو باریکتر دارد مرا — بر زبان ہا تا حدیثِ آن میان افتادہ است

---

[1] ا: مپوشید؛ ج: چہ پوشید

[2] ا: بکف آئی؛ ج: بہ برآئی

[3] ا: کم راہ؛ ب، ج: گم کردہ راہ

[4] ا: میان؛ ب: دہان

تا چه خواهد بر سرم آورد کینِ باغبان | از گلم آتش بخار آشیان افتاده است
حاصلِ دنیا بچشم چُون در آید جا کجاست | اشک انجا کاروان درکاروان افتاده است

شد کلیم آوازه اش از صبح عالمگیر تر
تا چُو شمع صبحگاهی از زبان افتاده است

هیچ گه جوشش سرشک از مژه ما کم نیست | این قدر آب سزاوار گل آدم نیست
پست فطرت هوس گوشه عزلت نکند | تا گدا بر سر ره نیست دلش خرم نیست
ما به نظاره پریشان دخشرا هیم ازو | شانه از صحبت زلف تو مرا و رهم نیست
جرم مستان همه بر گردن خود می گیرد | دختر رز بجوان مردی اُو آدم نیست
همه از حسرت لعلِ لب اُو بے تابند[1] | سنگ بر سینه زنان کیست کہ چوُن خاتم نیست
نام اُو در همه دُوری به زبان ها بوده است | روشناس است ز می شهرت جام از جم نیست
بے رخت تنگدلی بسکه جهان را بگرفت | در چمن عرصه گنجایش یک شبنم نیست
بسکه دلهاے عزیزان به نفاق از هم گشت | هر کجا بزم شود روی دو کس باهم نیست

چشم داغ تو بسی شور رفتادست کلیم
چُون نباشد که بغیر از نمکش مرهم نیست

در مزرع بختم اثر نشو نما نیست | از گریۂ من آب اگر هست هوا نیست
چُون کج نرود انکه ز مینخانه بر آید[2] | این کج روشیها گنه آن نثرها نیست
چُون شمع به هر جا که نشانیند نشینم | با هیچ کسم گفت و شنو بر سر جا نیست
هر چند که مژگانِ تو برگشته ز عاشق | آن نیست که روی سختش جانبِ ما نیست
صد بارم اگر بخت ببازار فرستد | چُون خونِ هدر ابر سرِ من نام بها نیست
آمیزش ابناے زمان عینِ نفاق است | هر جا قدمِ صلح رسید است صفا نیست
شادی و غمِ عشق به هر کس نه پسندیم | خار و گل اُو لایق هر بے سروپا نیست
بے قطع تعلق عبث است این همه طاعت | سر تا نبریده است ازو سجده روا نیست
میکوش کلیم ارند هد فیض سخن روے | این جاست که ابرام خنک عیب گدا نیست

---

[1] ا: در تابند؛ ج: بے تابند [2] ا: برآید؛ ج: برآمد

نخلِ اُمید ز بار افتاده ست   با غم از چشمِ بهار افتاده ست

بی حسابست هُماں درد دلم   نفسم گر بشمار افتاده ست

گریه زین تخم که بر سینه فشاند   ناله‌ها[۱] آبله دار افتاده ست

بود بر سر کشیم سر کوبی   حیف دستم که ز کار افتاده ست

درد را در خور طاقت ندهند   شعله در جانِ شرار افتاده ست

دل ز ما نیست حق رهگذریست   هر چه در راهگذار افتاده ست

تخته آخر پی تابوتِ کیست   که ز دریا[۲] به کنار افتاده ست

اضطراب نگهت از[۳] دلِ ماست   باز چشمش ز شکار افتاده ست

حُسنِ تو با همه بی پروائی   در پی خون بهار افتاده ست

همه جا آه کلیم از پی اوست
گرد دنبالِ سوار افتاده ست

سرخوش از می چو نیم موج هوا شمشیر است   ابر را خود چکنم قطرهٔ باران تیر است

زور بازوی توانائیم از فیض میست   باده در طبع من آبست که در شمشیر است

موج سان بر سر هر قطرهٔ می میلرزم   چُو تواں کرد مس طبع مرا اکسیر است

بر سرم لشکر غم آمده از کف نه نهم   آنچه شمشیر جوانست عصای پیر است

با گل روی تو دعوی نکوئی خورشید   بر طرف چُون نکند زلف تو جانب گیر است

گر بجوشم بهم ماه و تو ساقی وقتست   ابر و مهتاب بهم همچو شکر در[۴] شیر است

در خمِ زلف تو دلها چه[۵] بهم ساخته اند   چُون فرازند بپای همه یک زنجیر است

این قدر فرق میان خط یک کاتب چیست؟   سرنوشت همه گر از قلم تقدیر است

سبقِ نطق به پیش همه خواندیم کلیم
آزمودیم خموشیست که خوش تقریر است

---

۱ ا، ب: نالها؛ ج: ناها   ۲ ا: سلامت؛ ج، ب: زدریا

۳ ا: از؛ ب: در   ۴ ا: با؛ ب، ج: در

۵ ا: چو؛ ج: چه

پاسِ وفا داشتیم بے اثر افتادہ است — آفت اوقات بود خوب بہر افتادہ است
شکوہ ام از دہر نیست داد ز ابنائے او — در ہمہ ملک ایں پدر بد پسر افتادہ است
از سر نو قسمتی باز نخواہند کرد — خار بپا می رسد گل بسر افتادہ است
بسکہ دریں تنگنا چشم و دلم تنگ شد — دیدہ ام از نگر خان بر کمر افتادہ است
بر سر رحم آمد از نالہ فرو خورد نم — تیر نیفگندہ ام کارگر افتادہ است
گرمی احباب[۱] را دیدہ و سنجیدہ ام — سردیِ ایام ازان گرم تر افتادہ است
رشتۂ گوہر شد است جادۂ ما[۱] سر بسر — درہ سودای او بسکہ سر افتادہ است

ظاہر و باطن کلیم ہمچو حبابم یکیست
صدرہم[۲] از کار ما پردہ بر افتادہ است

شیوۂ نادان بود بر عاشق بے دل گرفت — بر اصولِ مرغ[۳] بسمل کی کند عاقل گرفت
عشق با سیلاب پنداری ز یک سرچشمہ است — جائے خود ویران کند ہر جا دمی منزل گرفت
طبع بے انصاف را از عیب جوی[۴] چارہ نیست — گر بزیر تیغ آمد نکتہ بر قاتل گرفت
ہر کجا سامان فزون تر بہرہ مندی کمتر است — تشنہ ز آب جوی بیش از سیل کام دل گرفت
سفلہ چون دستش قوی گر در زبون کش[۵] میشود — حرص ہر جا غالب آمد لقمہ از سایل گرفت
بادۂ صحبت اگر یک[۶] دم بود دارد اثر — تیغ تعلیم بخون غلطیدن از بسمل گرفت
موج می تیفست بروی جلوۂ گل آتشست — ہر کرا طبع بلند از دہر بے حاصل گرفت
راہ عشقست ایں کہ نتوان بے ادب یک گام رفت — گرد اگر بر خاست از جا خصت از محمل گرفت

رفت عمرم در سفر چوں موجِ و نتوانم کلیم
گوشۂ امنی ازیں دریائے بے ساحل گرفت

پیوستہ دل ز قطع اُمید آرمیدہ است — راحت دریں چمن بر نخلِ بریدہ است
صبرم بہ جستنِ دل گم گشتہ رفتہ است — طفل سرشک در پے رنگ پریدہ است

۱،۱ ا: شدست جادہا؛ ب، ج: شدہ است جادۂ ما — ۲ ا: بار داز کار؛ ج: بار چوری کاری؛ ب: صدرہم از کار
۳ ا: مرغ؛ ب، ج: رقص — ۴ ا: "جوی" ندارد؛ ب: جوی
۵ ا: کس شود؛ ب، ج: کش میشود — ۶ ا: "ہ" ندارد؛ ج: و

با گریه خنده رویم و با ناله گرم خون
بازاز شراب غصه و ماغم رسیده است

شادست بخت بد که بهفتم ز دست دار
گوئی مرا فروخته یوسف خریده است

مضراب مطرب از رگ طنبور خون گشاد
در خاطرش کرشمهٔ ساقی خلیده است

بی دشت مزد خار ز پایی نمی کشد
همراهی زمانه باین جا کشیده است

هر کس که تیغ جدت طبعش برنده تر
اول زبان دعوی خود را بریده است

تا چند نیش عقربی از دخل کج خورم
کسب کمال شعر دلم را گزیده است

رنگین سخن گمان نبری خویش از کلیم
کز خامهٔ بریده زبان خون چکیده است

آزادگی زمنت احسان رهیدن است
قطع امید دست طلب بریدنست

بحریست زندگی که نهنگش حوادث است
تن کشتیست و مرگ بساحل رسیدنست

امید کام یافتن از روزگار ما
عطر گلاب از گل اختر کشیدنست

سیر ریاض عالم جان با حجاب تن
گلزار را ز رخنهٔ دیوار دیدنست

در دور ما زخست ابنای روزگار
دشوارتر ز مرگ گریبان دریدنست

در کوی دوست خاک نشینی ز حد گذشت
ای تیغ جور نوبت در خون طپیدنست

تدبیر تنگدستی جستم ز عقل گفت
دستی که کوتهیست علاجش بریدنست

افتاد پیش در سخن آن کس که ایستاد
عیب کمیت خامه درین ره دویدنست

در بند جامه با همه آزادگی کلیم
از اشتیاق پای بدامن کشیدنست

دل که چون نرگس مستست بشراب افتادست
دفتر معرفت ماست در آب افتاد است

ما ز آغاز و انجام جهان بی خبریم
اول و آخر این کهنه کتاب افتاد است

غمزه ات کار دلم ساخت بیک چشم زدن
دامنی تا زوی آتش به کباب افتاد است

ل. باز از ؛ ج : تا از

۲. ا : این بیت زاید نسخهٔ ا نداره و از نسخهٔ ب نقل شده است

شکوهٔ چشم تو کند محتسبِ شهر کزو | هر کجا میکدهٔ هست خراب افتاد است
از حریفان قمار تو نماند ست کسے | کار سر باختن اکنوں بحباب افتاد است
شیشه از باده برنگیت که می پندارے | آتشے[1] دختر رز را به نقاب افتاد است
بر رُخ ساقی گلرنگ پریشانئے زلف | عکس موجیست که بر روئے شراب افتاد است

چشم ساری شده است ازنکه شادالبش
چشمِ گریانِ کلیم ازبشراب[2] افتاد است

حُسن اگر بے پرده باشد عشق ازو دیوانه نیست | بر چراغ روز جاں افشانی پروانه نیست
تا طبیبِ خستگانِ عشق چشم مست اُوست | نالهٔ بیمار غیر از نعرهٔ مستانه نیست
نیست سامانی بغیر از رخنه در ویرانه ام | گر بسان دام ماهی آب دار و دانه نیست
با دل روشن کدورت همرهِ دیرینه است | گر مرادت شمع بے دود ست دراین خانه نیست
سیل که جاروب منزل گاه فرش خانه است | فقر را زیں بد متاعی زینتِ کاشانه نیست
صید معنی را ز بس می بندم و وا میکنم | هر که می بیند مرا گوید بجز دیوانه نیست
مزرع اُمید[3] را از گریه نتوان سبز کرد | آب شورِ چشمه ما سازگار دانه نیست
زخمها برداشت تا زلف ترا تسخیر کرد | دستِ سعی هیچ کس بالای دست شانه[4] نیست

هر کس از بیداد گردوں شکوه دارد کلیم
گر تو هم داری بگو ایں جا کسی بیگانه نیست

گر بقسمت تا لفی بیش و کم دنیا یکیست | تشنه خون یک جرعه خواهد کوزه و دریا یکیست
حرصِ دهقان گر نباشد کشته را شبنم بس است | خوشه و خرمن به پیشِ چشمِ استغنا یکیست
کج نظر سود و زیان مرا امتیازی داده است | هر چه را احول[5] دو می بیند بر بینا یکیست
نا اُمیدی دستگاهِ عیش می سازد مزاج | گریه بندی دیده کج خانه و صحرا یکیست
غم نه پیوندی بدل دارد کزو بتوان برید | گر باصلِ کار بینی شیشه و خارا یکیست

---

[1] ا: دختر از را آتش ؛ ب: دختر از کرآتش ؛ ج: آتشے دختر از را

[2] ا: بشراب ؛ ج، لبراب

[3] ایں بیت ز ایه از نسخهٔ ج نقل شده است

[4] ا: سایه ؛ ج: شانه

[5] ا: احوال دو بیند ؛ ج: احوال دو می بیند

ماکه از افتادگی فیروز جنگ افتاده ایم | از که اندیشیم چون فتح و شکست ما یکیست
عزت و خواری که پشت و روی کاری عالم ست | نزد رندی گو ندارد کار با دنیا یکیست
جزو، جزو من جدا آشفته هر جزو او ست | گو چو من دیوانه مجنون تمام اجزا یکیست
در قفس بالا و پایینی نمی باشد کلیم | آستان و مسند دنیا بر دانا یکیست

زان سینه چه راحت که ره زخم بدر نیست | بادی نخورد بر دل اگر خانه دودر نیست
با این همه تنگی که نصیب دهن اوست | داغم که چرا روزی ارباب هنر نیست
چشمت غم آن زلف سیه روز ندارد | از ماتم همسایه درین خانه خبر نیست
از خضر مکش منت بی جا بره عشق | کز بحر ره قافلهٔ موج بدر نیست
زان غمزه بدل می رسدم از ره دیده | صد زخم که در پیش رهش سینه سپر نیست
از چرخ چه بیناای اگر بخت ندارے | بے طالعی طفل ز تقصیر پدر نیست
زین حرف که در طینت ایام سرشته | در باغ جهان سایه اگر نیست ثمر نیست
گربار بدوزخ نکشایم چه سازیم | مارا که متاع بجز از هیزم تر نیست

در خاک وطن تخم مرادے نشود[1] سبز
بیهوده کلیم این همه سرگرم سفر نیست

عاقل سپر زخم زبان گوش گران یافت | گر عقل بود این سپر از پنبه توان یافت
شیطان چه تمتع برد از اهل تجرد | رهزن چه درین بادیه از ریگ روان یافت
دنیا طلب از مور میان نان نشد از جا | بس دیده که او حسن کمر در همیان یافت
مارا هدف ناوک بیداد نوشتند | آن روز که ابروی بتان شکل کمان یافت
نازم بخرابات که از هر در خانه | آبے که سیاهے برد از بخت توان یافت
عنقا و وفا جفت بنودند ندانم | از بهر چه این هر دو بیک جای مکان[2] یافت
از فقر و فنا می برد آلودهٔ دنیا | فیضی که شکم بنده ز ماه رمضان یافت

---

[1] ا : بشود ؛ ج : نشود

[2] ا : توان ؛ ج ؛ ب : مکان

هر تارکِ دنیا نه شناسای جهان است	عنقا بحقیقت جز از کارِ جهان یافت

سرگشته کلیم از پیِ آنم که درین راه

هر کس بطریق[1] دگر از دوست نشان یافت

ما را طپیدن از غمِ دُنیا شعار نیست	صد شکر کاب طینتِ ما موج دار نیست
بے جذبهٔ جنون نرسد کس به هیچ جا	سالک براه ماند اگر نے سوار نیست
آئینه وار رُوے دلش جانب ریاست	آن را که پُشتِ[2] کار به از روی کار نیست
روشن دلان حباب صفت چشم[3] بسته اند	روزن چه احتیاج اگر خانه تار نیست
آن را که دل ز مشربِ منصُور آب خورد	کشکولِ نقرِ اُو بجز از چوب دار نیست
قطعِ اُمید کرده نخواهد نعیم دهر	شاخ بریده را نظرے بر بهار نیست
دل را که باشد آتش شوقی بغم چکار	آئینه گداخته جائے غبار نیست
مجلس فروز گبر و مسلمان یک آتش است	در سنگ دیر و کعبه بجز یک شرار نیست
لوح مزارِ خویش ز دیوانِ خود کنم	یعنی زمن[5] بغیر[4] سخن یادگار نیست

درگلشنی که عشق بود باغبان کلیم

جز آشیانِ سوخته بر شاخسار نیست

بزخم تیغ جفا مرهم عتاب چراست	نمک بروے نمک بر دل کباب چراست
فلک به تشنه لبان قطره را شمرده دهد	بعاشقان کرم اشکِ بے حساب چراست
شبی[6] است عمر طبیعی چو شمع عاشق را[6]	بقتل سوختگان بس ترا شتاب چراست
تمام نسل بزرگان اگر نکو باشد	ز بحر زاده تنک ظرفی حباب چراست
تو در کنارکے در نیامدے بخیال	کمر همیشه در آغوش پیچ و تاب چراست
براه شوق که سر[7] هم گمست سالک را	شکسته پای تو دایم دلا بخواب چراست

۱۔ ا : بطریقی دگر ؛ ج : بطریق دگر

۲۔ ا : پشت ؛ ج : پست

۳۔ ا : چشم ؛ ج : دیده

۴۔ ا : یعنی ؛ ج : چیزے

۵۔ ا : زمن ؛ ب : مرا

۶۔ ا : چو شمع عمر طبیعی شب است عاشق را ؛ ب : مطابق متن هذا

۷۔ ا : پر ؛ ج : سر

بجز کہ ضرور نباشد شراب غفلت را — دلت بر آتش حرص این قدر کباب چراست
ز ذوقِ فقر و فنا بی‌خبر چه میداند — که جغد معتکف خانهٔ[1] خراب چراست

کلیم مرغ دلِ[2] بال و پر شکستهٔ ما
همیشه در قفس از چنگل عقاب چراست

چاره خاموشی بود هر جا سخن درگیر نیست — تیر بر سنگ آزمودن جز زیان تیر نیست
گر بخلق الفت نمی گیرم گناه از من مدان — طینتِ ابنای دهر از خاک دامنگیر نیست
خواری[3] و عزت درین محنت سرا یکسان بود — آستان و مسندی در خانهٔ زنجیر نیست
مادر گیتی که باشد نارپستان زین انار — خون بود گر بهرهٔ وارند طفلان شیر[4] نیست
یک هوادار از خطش بر جا نماند آخر چرا — یک گلستان خار را ایک خار دامنگیر نیست
عاشق و معشوق بی آمیزش هم ناقص‌اند — شاهد این مدعی به از کمان و تیر نیست
کار فردا با کریمی دان که او از شوقِ عفو — عذرها را نشنود گر بدتر از تقصیر نیست

یا زبانِ شمع باشد یا زبانِ من کلیم
آن زبانی کاشنائی شکوهٔ تقدیر نیست

آن صید پیشه فکرِ مدارا نکرده است — گر سر بریده رشته ز پا وا نکرده است
امروز در بهشتی اگر بی‌تعلقی — هرگز کریم وعده بفردا نکرده است
در روزگار خاک گلِ آدمیست و بس — خاکی که عشق او بسر ما نکرده است
تا راه برده است خرابی بخانه‌ام — یک سیل رو بجانب صحرا نکرده است
بی برگی نهالِ محبت ببین که دل — از نخل آه[5] سایه تمنا نکرده است
زاهد که بر نداشته دست از عصای شبید[6] — دارد گمان که تکیه به دنیا نکرده است
عقل این ملایمت که بایی سرکشان کند — در هیچ دور پنبه به مینا نکرده است

---

۱ ا: خانه؛ ج: منزل — ۲ ا: دل و بال؛ ع: دلِ بال
۳ این بیت زاید نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ج نقل شده است.
۴ ا: سیر؛ ج: شیر — ۵ ا: آه؛ ب: موم
۶ ا: شد؛ ج: شیر

سالک اگر بکوی تعلق درآمده　　چون تیر خانه ساخته و جا نکرده است

دل برده از کلیم در آن زلف روبرو
دزدی که شحنه او را پیدا نکرده است

علاج عاشق دلگیر سیر بستان نیست　　بچشم تنگ دلان غنچه کم ز پیکان نیست
ز استخوان شهیدان اگر نخیزد دود　　دلیل راهروان کس درین بیابان نیست
ز بهر تن زرهی نیست به ز نقش حصیر　　برای سر سپری بهتر از گریبان نیست
حدیث تلخ از آن لب برون نمی آید　　که شور طوفان در طبع آب حیوان نیست
بدور حسن تو گل از نظر چنان افتاد　　که چشم رخنه دیوار بر گلستان نیست
ز راه پرخطر عشق زین عجب دارم　　که سیل ریگ روانش بفکر طوفان نیست
مراز صحبت مینائی باده شد روشن　　که راز هر که تنگ ظرف گشت پنهان نیست
حیات هم بسر آید چو رزق خورده شود　　چه نعمتست که در کام پیر زندان نیست
زهاد دامن برهم خورد محبت شان　　میان شعله و شمع اتحاد[2] چپان نیست
یکیست خانه زنجیر و خانه دنیا　　درین دو خانه فراغت نصیب مهمان نیست

چگونه پای بدامان عافیت پیچی
کلیم آبلها گر فراخ دامان نیست

د

دولت بملک عشق به هر سر نمی رسد　　سر تا بریده نیست بافسر نمی رسد
جایی که عارض تو بدعوی طرف شود　　میراث آئینه بسکندر نمی رسد
تا امن گشته میکده از دست رهزنان　　می از حجاب شیشه بساغر نمی رسد
هر جا که تشنه الیست رسد گر بکام خویش　　زین بحر قطره نیز بگوهر نمی رسد
زین بخش آب و تاب که روی تو برده است　　جز گرد روی کار باخگر نمی رسد
پیدا نمی کند نمک شور رستخیز　　تا گریه ام بدامن محشر نمی رسد

---

[1] ا، برآمده؛ ج: درآمده　　[2] ا: اتحاد جهان؛ ب، اختلاط جنبان

بر سر زن آن قدر که رسد کن پا بله دستت اگر بساغرِ دیگر نمی رسد
تا غنچهٔ دهان ترا نقش بسته اند تنگی دل به عاشقِ بی زر نمی رسد
بیگانه پی[1] بدقتِ معنی نمی برد جز آشنا بداد سخنور نمی رسد

چشم اثر کلیم ندارم ز آهِ خویش
آری ز نخلِ سوخته نوبر نمی رسد

خوش آن که لافِ هنر نزد بی هنر نزند اگرچه برق بود طعنه بر شرر نزند
بچاره دست مزن در بلا که شست[2] قضا نشان غلط نکند تیر بر سپر نزند
مکن سوال که ابوابِ فیض اهلِ سخا[3] کشاده است بروی کسی که در نزند
چراغ عقل دهد روشنی زپرتوِ عشق نظر نه بیند تا آفتاب سر نزند
فراخ حوصله گر خانه را بسیل دهد چو موج دستِ تاسف بیک دگر نزند
بجز تو کز دلِ بیچاره صبر می طلبی کسی نگفته به بسمل که بال و پر نزند
دلم ز جانب آن چشم فتنه جو جمعست که مست سنگ به دکانِ شیشه گر نزند
درین[4] بهار چنان روزگار افسر دست که غیر شمع گلی هیچ کس بسر نزند

کلیم خوار تر از خود کسی نمی بیند
چرا ز حلقهٔ اهل وفا بدر نزند

دل که بریز الم شد ز نوا می افتد جام هر چند که پر شد ز صدا می افتد
سوخت اسبابِ تعلق دل و آسوده نشست قدم برق بسر منزلِ ما می افتد
نتوان ناصح عریانی ما را پوشید راز پنهان نشود[5] چون به بلا می افتد
جامه[6] در خونِ شهیدان کش و بخرام بناز[7] بتوای[8] شاخِ گل این رنگِ قبا می افتد
دوستداری مراد هر شگون نگرفته گر بمن سایه کند بالِ هما می افتد

---

[1] ا: بی؛ ج: پی
[2] ا: شصت فنا؛ ج: شست قضا
[3] ا: سخا؛ ب: کرم
[4] ا: وزین؛ ج: درین
[5] ا: "نشود" ندارد؛ ج: نشود
[6] ا: خامه؛ ج: جامه
[7] ا: ساز؛ ج: بناز
[8] ا: هوای؛ ج: بتوای

زلفِ پرکار تو چون تن بشکستن ندهد — هر که از روی تو برخاست. بجامی افتد

نیست کس در رہ افتادگی از ما در پیش — هر که از پای فتد بر سرِ ما می افتد

چه بگویم که شبم بے تو چه سان می گذرد — صبح از تیرگیٔ شب ز صفا می افتد

شب آدینه بدریوزۂ میخانه روم — زانکه از هفته شب بگدا می افتد

هر که عاجز تر از درخواستۂ امداد کلیم
دستگیرش بود آن کس که ز پا می افتد

نشود اینکه ز دل اشک جگر گون نرود — طفل آراسته از خانه بدر چون نرود

کامِ دل رم کند اما به طلب رام شود — راه اگر گم شد از بادیه بیرون نرود

رخصتِ بادیه گردی ز کجا خواهد رفت — اشکِ ما گر بسرِ تربتِ مجنون نرود

شب خیالِ تو چنان بر سرِ دل می آید — گر کسی بر سرِ دشمن بشبِ خون نرود

ما بر آئینۂ دشمن نه پسندیم غبار — آهِ ما صاف دلان جانبِ گردون نرود

گریه در اول عشقست نشان خامے — زخمِ ما تا نشود کهنه از و خون نرود

آهِ سرگشته که در سینۂ ما می پیچد — گردبادیست که از خانه بهامون نرود

رازدار آمدۂ با همه بے پروائے — که سخن از دهنِ تنگِ تو بیرون نرود

میرود از سرِ مخمور برون فکرِ شراب
ولے از یاد کلیم آن لبِ میگون نرود

از غمے شکوه مکن تا غم دیگر ندهند — از لبِ خشک مگو تا مژه تر ندهند

خوبرویان چو نشینند در ایوانِ غرور — منصبِ آئینه دارے بسکندر ندهند

در دیاری که رهایی ز اسیری مرگشت[1] — صید تا لایقِ کشتن نشود سر ندهند

خط آزادے ما از غمِ دوران که دهد — ساقیانِ باده اگر تا خط ساغر ندهند

حاجت از فقر طلب روی طلب گردانے — که ز یک در دهدت انچه ز صد در ندهند

گرچه خودکشته زن، حرص و طمع می گوید — مفتیِ شهر شریک زن بدو شوهر ندهند

جامه عرض نکویان چه[2] درد نتوان دوخت — زانکه پیراهنِ گل را به رفوگر ندهند

---

۱ ا: مرگست؛ ج: می کشت ۲ ا: چه؛ ج: چو

از سخن غیر زیان نفع سخن ساز نبود بصدف جوهریان قیمت گوهر ندهند

در دیارے کہ بود گردش آن چشم کلیم
نسبت فتنه به برگردی اختر ندهند

چشم از جهان که بست؟ که او[1] دیده ور نشد قطع نظر که کرد؟ که صاحب نظر نشد

گرد رخ از گهر نتوان شست زآب او رفع ملال خاطر ما از هنر نشد

درمان[2] روزگار چو در دست جانگداز کو صندلے که مایهٔ صد درد سر نشد

یک جا مرا ترقی طالع نگه نداشت حالم کدام روز که از بد بتر نشد

در حیرتم که تفرقه سازے روزگار چون در پے جدائی شیر و شکر نشد

در راه شوق خود قدم از سر نهاده ایم ورنه کسے ز عشق تو زیر و زبر نشد

عمرم بسر شد و شب هجران بسر نرفت آبم که ز سر گذشت ولب خشک و تر نشد

سرگشته هر که نیست بجاے نمی رسد تا راه گم نگشت خضر راهبر نشد

از کار خود فتاد زبان سوده شد لبم
دیگر مگو کلیم دعا کارگر نشد

فلک اسباب دولت را ز بهر ناکسان دارد هما گر سایهٔ دارد براے استخوان دارد

ز محرومیست دل گرزاري دارد درين[3] وادي بقدر دوری منزل جرس دایم فغان دارد

ز رشک طالع تر دامنان داغم برين[3] گلشن که شبنم خانه از گل بلبل از خار آشیان دارد

خموشی پیشه کن گر[4] نطق آفتهاست سالک را جرس دایم زبان با رهزنان کاروان دارد

بعاشق ناز معشوقان بیک نسبت نمی ماند که تیر رفته آخر باز گشتی با کمان دارد

اگر راحت هوس داری بجوی ناامیدی او که دایم باغبان آسودگی فصل خزان دارد

هواداران گروه دیگر ند و عاشقان دیگر نگیر و جای بلبل گل اگر صد باغبان دارد

میان زاهدان خشک کمتر اهل دل بینی نه هر جا استخوانی هست مغزی در میان دارد

صراحی چون دلی خالی کند دیگر نمی گرید کلیمست اینکه دایم دیدهاے خونفشان دارد

---

[1] ا، آن؛ ب: او
[2] ا: مطابق متن هذا؛ ب، بگریز همچو درد ز درمان روزگار
[3] ا: برین؛ ج: درین
[4] ا: گر؛ ج: کز

هنرم را ثمری چرخ جفاکار نداد — دیدهٔ قدرشناسی به خریدار نداد

ناامیدت نشود یاس براحت نرسی — این نهایست که تا خشک نشد بار نداد

شمع را بنگر و داد دهش دهر ببین — چون زبان داد باو قوت گفتار نداد

صحبتی نیست که آخر اثرش گل نکند — خنده را غیر گل زخم بسوفار نداد

سالک راه حق از ترک علایق دیده ست — آن قدر نفع که پرهیز به بیمار نداد

هر که پیوند تعلق ز بد و نیک برید — گاه در خانهٔ او پشت به دیوار نداد

تا ندامت بکفم چون صدف انگشت نهاد[1] — بخت بدکار مرا عقده دشوار نداد

نشئهٔ باده نیابد ز سرش راه عروج — آن قدح نوش که دستار بخمار نداد

وای بر حال عزیزان که درین قحط تمیز — هیچ کس خار بپای گل بی خار نداد

دهد کامست ندهد منت که امید گلاب — تا نیامد بمیان آب گلزار نداد

تا نداد آب باین مزرعه از گریه کلیم
شعله سرسبز نگر دید و شرر بار نداد

کند گر آرزوی دیدنت آئینه جا دارد — که از خورشید رویت در برابر رونما دارد

ندارد بزم میخواران بغیر از ما تنک ظرفی — صراحی بر رخ هر کس که میخندد بما دارد

نویسم نامه و از بسکه خون می گریم از هجرت — تو گویی کاغذ مکتوب من رنگ حنا دارد

نشد بی روی او چشم سفید از توتیا روشن — نه بیند بهرهٔ هر چند کاغذ توتیا دارد

ز هم ربط نیاز و ناز را نتوان گسست آری — کشش باقی بود تا کاه رنگ کهربا دارد

چه سرگردان شوی از بهر روزی پا بدامن کش — که آب و دانه این سرگشتگی را آسیا دارد

ز کویت چون کلیم آمد چو مستان هر قدم رفته
نه بیند پیش ما بیچاره چون رو بر قفا دارد

ساقی از تاب می آن لحظه که در میگیرد — عرق از عارض او رنگ شرر میگیرد

می پذیرند بدان را به طفیل نیکان — رشته را پس ندهد آن که گهر میگیرد

صاف دل ترک حق از بهر خوشامد نکند — زشت رو بیهده آئینه بزر میگیرد

---

[1] ا: نهاد؛ ب: نهشت

هر دمی را اثری هست که از صحبتِ خلق هر نفس آئینه ام رنگِ[2] دگر میگیرد

چشم بندد ز جهان مابکشاید دل تنگ مرغِ دیگر که سر در ته پر میگیرد

منم آن نخل برومند که دهقانِ قضا می فروشد ثمرم را[1] و تبر میگیرد

اشک آگاه بود از دلِ شوریده کلیم
پیشتر طفل ز دیوانه خبر میگیرد

دورِ آرام ز عمری که به هجران گذرد کاروان از ره[3] نا امن شتابان گذرد

بر گرفتاری دل خنده زنان میگذرم همچو دیوانه که از پیش دبستان گذرد

بخت شاد است ز ویرانی ما در غمِ عشق عید جغدست بمعموره چو طوفان گذرد

قسمت این بود که چون موج بدریای وجود هر کجا رو نهم احوالِ پریشان گذرد

حسنِ بی پردهٔ او بیشترم می سوزد چون تهی دست که بر نعمتِ ارزان گذرد

چشم بر راهِ خضر سالکِ[2] عارف نبود در پی راهزن افتد ز بیابان گذرد

آگه از عیش جوانی نشدم در غمِ دهر همچو آن عید که بر مردمِ زندان گذرد

هر کجا مورِ قناعت پرِ همت واکرد چه عجب گر ز سرِ ملکِ سلیمان گذرد

دست و پا بیهده زد در غمِ عشقِ تو کلیم
بشنا کس نتواند که ز عمان گذرد

بجز سکوت ز روشندلان نمی آید زبانِ شعله بکار بیان نمی آید

ز سیل حادثه چشم چنین که ترسیدست ز دیده دیدن ریگ روان نمی آید

خدنگ آه شکار افگن ست لیک چه سود که از هزار یکی بر نشان نمی آید

بزلفِ او نیم آگه ز حال دل چکنم خبر همیشه ز هندوستان نمی آید

جرس براه طلب غیر ازین نمی گوید که هیچ کار ز آه و فغان[2] نمی آید

سری که افسر شاهی قسم باد نخورد بکار سجدهٔ آن آستان نمی آید

ازان دیار که سود سفر خطر باشد چو راه امن شود کاروان نمی آید

---

۱ ا: "و" ندارد؛ ع: و

۲ ا: در؛ ب، ج: از

زهور لاف سلیمانی ازچه برتابم — زمن فروتنی از آسمان نمی آید
هلاک چشم ادا فهمیم که دریابد — هر آن سخن که ز دل بر زبان نمی آید
زغمزه اش مطلب رخصت نظاره کلیم
صلای سیر گل از باغبان نمی آید

شیخ از مسواک، دندان طمع را تیز کرد — سبحه را هم بهر تخم شید دست آویز کرد
اہل عالم طفل طبعانند و بیمار ہوس — کی تواند محفل چون بیمار شد پرہیز کرد
خونم از ذوق[1] شہادت جنگ دارد با بدن — ہر کہ تیغی بر فسان زد شوق او را تیز کرد
حیرتی دارم که گردون چون به دانایان بداست — او که نتواند میان نیک و بد تمیز کرد
ہر کجا زہری است باید ریخت در جام حیات — تا توان پیمانۂ یک عمر را لبریز کرد
صوت بلبل جای قلقل گشت از مینا بلند — چون ز تاب باده ساقی چہره رنگریز کرد
سربلندی ہر کجا کمتر سلامت بیشتر — باد نتواند ستم بر سبزۂ نوخیز کرد
گر بنردی سیل اشکم میشدم فرسوده پا — گریه در راه طلب سعی مرا ناچیز کرد
دیده را سامان یک شبنم کلیم اول نبود
این زمانش موج حسن یار طوفان خیز کرد

سرفراز آن سر که فارغ از غم سامان شود — بر سرت گل زن گر از دستار روگردان شود
ہر که چون سوزن ز تجریدش بود سررشته — صدرہش گر جامه پوشانی دگر عریان شود
عاشق بیچاره از یک دیده در پاس رقیب — وز دگر چشمی بکار خویشتن حیران شود
ہیچ جا بہر وطن ہمچو دیار عشق نیست — خانه در آن ملک از سیلاب آبادان شود
شوق زخم ما چو سازد جذبۂ خویش آشکار — تیرہا در ترکش او جمله[2] بی پیکان شود
در چمن ہا لاله نبود این که ایام حسود — میزند آتش بباغ از غنچه خندان شود
ہمچو برق آن[3] آفت صد خرمن ہوش و خرد — خویش را از آن می نماید گر نظر پنہان شود

---

[1] أ: ذوق؛ ب، ج: شوق

[2] جملگی پیکان؛ ج: جمله بی پیکان

[3] أ: آن؛ ج: از

در تماشای پری رویانِ اقلیم خیال — دیده گر بر هم نهی چشمت نگارستان شود

غیر غم کز حالِ دل غافل نمی باشد کلیم
کس ندیدم پاسبان خانهٔ ویران شود

چند در وصل تو دل حسرتِ دیدار کشد — در چمن نالهٔ مرغانِ گرفتار کشد
دل که غیر از دمِ آخر نفسِ خوش نزند — در تهٔ تیغ نشیند که ز پا خار کشد
گرچه دستِ هوسم یک گل ازین باغ نچید — جذبِ پای طلبم خار ز دیوار کشد
منم آن عاشقِ قانع که به کنج گلخن — شعله در سر[1] به هوای قدِ دلدار کشد
شمع بگداخت سراپا و شد از شرم[2] خلاص — تا بکی خجلت ازان قامت و رخسار کشد
هر سری را که بود خضرِ خرد دیگرِ مو — تا بُود خار[3] چرا منتِ دستار کشد
آنکه[4] گُل را بجمالِ تو برابر گیرد — رو کشی بر رخ آئینهٔ زنگار کشد
آب در گوهرم از گرد کسادی شده گل — کی بایں مهرهٔ گُل طبع خریدار کشد

همدم آورد طبیبش بسر از بسکه کلیم
یادِ آن چشم کند نالهٔ بیمار کشد

چنان ز عکسِ رُخِ دوست دیده پر گل شد — که شاخ هر مژه آرامگاه بُلبُل شد
چه راز مست چنان مشق سرگرانی کرد — که یک نفس نتوان غافل از تغافل شد
چو مار بر سر گنجش اگر بود مسکن — گداست مرد اگر عاری از توکل شد
که همچو تیرِ هوای بخویشش رفعت بست — که نه ترقی اُو مایه تنزل شد
گلی که بوی وفای دریں چمن ندهد — بقدر کم ز حُسنِ آشیان بلبل شد
غلط بود که کند صبر کارها به مُراد — بمن که دشمنِ غالب شد از تحمل شد
خطاب یافته دیوانهٔ دو زنجیره — ستمکشی که هوادارِ زلف و کاکل شد
بلا بچاره گران تند و تلخ پیشتر ست — که روز سیل همه حرف کندن پل شد
کلیم توبه اگر می کنی بیا و قلتست — ز توبه توبه کُن اکنون که موسم گُل شد

---

[1] ا: بر؛ ج: سر
[2] ا: شرم؛ ج: درد
[3] ا: خار؛ ج: خاک
[4] ا: هرکه گوید که بردی تو بود گل ماند؛ ب: مطابق متن هذا

چند نومید ز کوی تو دلِ زار آید | چون تهی دست که از میکده هشیار آید
خارِ پا در رهِ ادبار[1] ز دامن روید | سرِ سودازده در جیب بدیوار آید
فقر اگر زخم زند مرهمش از عزلت به[2] | که تهیدست خورد خون چو ببازار آید
عشق تا[3] قابلِ زخمِ ستم می داند | تیغ از موجِ نفس بر دلِ افگار آید
میکند نرگسِ بیمار تو غمخوارِ دل | همچو مستی که به هر پرسیدن بیمار آید
کس ندیدیم که مردود دور از درِ عشق | آتش آن نیست که از خار و خسش عار آید
میتوان یافت سر[4] شکی که ز دل میخیزد[5] | بی نشان نیست اگر طفل بگلزار[6] آید
شب آدینه بدریوزهٔ میخانهٔ شهر | شیخ پنهان رود[7] از رهِ[8] بازار آید

گر متاعِ سخن امروز کساد است کلیم
تازه کن طرز که در چشمِ خریدار آید

دل بجذبِ خواریِ خود جورِ دشمن می کشد | شیشهٔ ما سنگ از دستِ فلاخن میکشد
نشنود[9] گر بوی خار از دامن صدپاره اش | سالکِ راهِ طلب کی پا به دامن میکشد
تا لبم را بسته شرمِ عشق می سوزم ز اشک | هر کجا بینم که دودی سر ز روزن میکشد
از مغیلان کارِ سوزن گیر در راهِ طلب | نیست سالک آنکه خار از پا بسوزن میکشد
کشتهٔ ما را اگر ننواخت برقِ حادثات | نیست غافل انتظارِ وقتِ خرمن میکشد
در بیابانِ طلب لب تشنگی بردم بخاک | بر مزارِ من چراغِ مرده روغن میکشد
گر به هجران شاد مانم از اُمیدِ وصلِ اُوست | در قفس بلبل حقیر از شوقِ گلشن میکشد
بختِ ما هر جا که بزمِ عشرتی سامان کند | شیشهٔ راه سنگ می بیند چو گردن میکشد

در کنارِ خویشتن پروردمش عمری کلیم
اشک کم فرصت که لشکر بر سرِ من میکشد

---

[1] ا : ادبار ؛ ج : اوباز
[2] ا : به ؛ ج : نه
[3] ا : تا ؛ ج : تا
[4] ا : سرگی ؛ ب ، ج : سرشکی
[5] ا : میخیزد ؛ ج : برخیزه
[6] ا : بگلزار ؛ ج : زگلزار
[7، 8] ا : رود از راه و سازار ؛ ج : رود از ره بازار
[9] ا : نشنود ؛ ج : بشنود

مشکلِ اهلِ محبت ز تو آسان نشود | لبِ اُمید در ایام تو خندان نشود
ناله بی اثرم گر به نسیم آمیزد | سر زلفش دگر از بار پریشان نشود
می جهد تیر بزور دو کمان ز ابروی تو | هدف ناوکِ اُو هیچ مسلمان نشود
کی چنین لختِ جگر جوش زند بر سرِ اُو | از خیالِ لبت از دیده نمکدان نشود
گر بگویم که چه‌ای کشم از قامتِ اُو | سایه هم در پی آن سرو خرامان نشود
گر نداری سرِ دیوانگی ما سهل است | زلف را گو که[1] دگر سلسله جنبان نشود
دعوای شیردلی نیست مسلّم ز کسی | کز نی تیرِ تو اش سینه نیستان نشود
تیره بختی همه جا پردهٔ روی هنرست | جوهر تیغ سیه تاب، نمایان نشود

هر که بر رُوح این شعر نخواندست کلیم
گر همه رُوح امین است سخندان نشود

بغیر از می کسی از عهدهٔ غم بر نمی آید | زمانِ غصه بی ایام مستی سر نمی آید
تغافل بر شراب از توبه هر کس زد پشیمان شد | باستغنا کسی با دختر رز بر نمی آید
زمین دل گر از آبِ حیوان پرورش یابد[2] | گیاه عیش از انجا بی نم می بر نمی آید
مگر در سینهٔ پُر درد مهمانست پیکانش | که امشب پاره‌های دل بچشم تر نمی آید
منم آن بیکس بی آشنا در کنجِ تنهای | که غیر از پرتو مهر از دام کس در نمی آید
فریب مهربانی می خورد از دشمنان لیکن | حدیث دوستیش از دوستان باور نمی آید

کلیم ار نه بیاد نرگس مستانه ات نوشد
شراب از سرگردانی جانب ساغر نمی آید

بپرسش آمد و عاشق همین دو رم دارد | شکسته پای بمقصود یک قدم دارد
ز رازِ خاطر هم آگهیم سینه و ما | ز کاوشِ مژه چون سبحه ره بهم دارد
ز نقشِ پای بیابان نوردِ غم پیدا است | نشان هر سرِ خاری که در قدم دارد
سخن ز من نتراود چو سینه چاک کنم[3] | همیشه نال تنم عادتِ قلم دارد

---

[1] ا: که، ندارد؛ ج: که

[2] ا: سالد؛ ب، ج: یابد

[3] ا: نیم؛ ب: کنم

جدا ز کوی تو خونم سبیل شد چکنم   که مرغ ایمنی از پر تو جرم دارد

روان چو کاغذ بادش کنم نه پیچیده   زبسکه نامه ام از خونِ دیده نم دارد

بغیر خون نه تراود ز نامهای کلیم

بکف مگر زنی تیشهٔ اُو قلم دارد

ازآن بچشم ترم بی حجاب می آید   که کار آئینه گاهی ز آب می آید

اگرچه دیده به پایت نمی توانم سود   خوشم که اشک منت تا رکاب می آید

چو بینمت نتوانم که ضبط گریه کنم   ز دُور زلف بچشم من آب می آید

بملک حسن کسی با تو رو برو نشود[1]   سخن در آئینهٔ آفتاب می آید

حیا بگوشهٔ آن چشم مست جا کرده   چُو زاهدی که به بزم شراب می آید

ز کشتِ سوخته ام بسکه دُود می خیزد   سرشک رحم بچشم سحاب می آید

به کار و بارِ جهان دیده را دیگر مکشا   چه فال عافیت ازین کتاب می آید

کدام خرمنِ گل را کشیده در آغوش   کز آب آئینه بوی گلاب می آید

جواب نامه همین پاره کردن است کلیم

مگو که قاصد ما بی جواب می آید

گر سیل فتنه خیزد دل را چه مشکل افتد   جز اشک نیست ما را یاری که در گل افتد

عاقل بکارِ دنیا بسیار لاابالیست   همسایه جنونست عقلی که کامل افتد

سیلابِ اشک مجنون تا دشتیان وادیست   کی گرد میتواند دنبالِ محمل افتد

از سرز بیقراری عکس افتد از کنارش   آئینه گر برویت روزی مقابل افتد

گر روزگار خواهی از تو حساب گیرد   آسان شمار برخود کاری که مشکل افتد

یک دست و تیغ و شهری سرگرم سرفروشی[2]   یک بخیه زخم شاید در دستِ صد دل افتد

دریادلان کریم اند در آنچه خود نخواهند   تا خس بود کی از بحر گوهر بساحل افتد

راه گریز را هم چالاکی ضرورست   چُون میگریزد از کار طبعی که کاهل افتد

کارِ کلیم باشد آنجا مگس پرانی   هرجا که دلربائی شیرین شمایل افتد

۱؎ ا: دارد؛ ب، ج: نشود   ۲؎ ا: سرفروشی؛ ج: سُرخ روئی

نیست یک شب که سرشکم گلِ بستر[1] نشود | تار در پیرهنم رشتهٔ گوهر نشود

مدعی گر طرفِ ما نشود صرفهٔ اوست | زشت آن به که با آینه برابر نشود

خشکی بخت فرومایه طلسمی بستست | کابم از سر گذرد لیک لبم تر نشود

بسکه از گردشِ ایام به تنگ آمده ام | در خمارم هوسِ گردشِ ساغر نشود

سفله از قربِ بزرگان نکند کسبِ شرف | رشتهٔ پرقیمت از آمیزشِ گوهر نشود

ستمِ ظاهرِ او لطفِ نهانی دارد | صید رامی کشد آن شوخ که لاغر نشود

با اسیرانِ وفا[2] دلبرِ بدخوی کلیم
نکند صلح که تا جنگ مکرر نشود

عاشق از حیرت درین وادی بجایے میرسد | تا نگردد راه گم کی رهنمایے می رسد

خونِ خود بر گل رخانِ شهر قسمت میکنم | هر که می آید بدستِ او حنایے می رسد

رشک بر سنگِ فلاخن برده سرگردانیم | کو پس از سرگشتگی آخر بجایے می رسد

گرچه سیلم بر نمی دارد ز راهِ انتظار | میروم از جا اگر آوازِ پایے می رسد

با رخت افسانهٔ گلشن زبس کوتاه شد | نه ز گل بوی نه از بلبل نوایے می رسد

وعدهٔ وصلت بدل گر رسید هم بر من مخند | هر که بیند خسته را گوید شفایے می رسد

در سرِ کوئے تغافل نیستم بیکس کلیم
گر بفریادم نگاهِ آشنائے می رسد

کسی تا کی بسانِ موج دایم در سفر باشد | دری نشناسد و چون باد دایم[3] دربدر باشد

سبک پی قاصدی باید که چون غمنامهٔ ما را | بدستِ او دهد کاغذ هنوز از گریه پر باشد

بخضرم احتیاجی نیست گر اینست گمراهی | که کوران را عصا هم میتواند راهبر باشد

زبس بر خویشتن می بالد از ذوقِ گرفتاری | قفس هر لحظه بر مرغِ دلِ ما تنگ تر باشد

درین وحشت سرایم گوشهٔ امنی نشد روزی | که همچون شمع هر جا میروم سر در خطر باشد

کلیم از دل بدر کن آرزوی آن کمر ورنه | مدام از اشکِ حسرت موجِ خونت تا کمر باشد

---

۱ أ: بسر؛ ج: بستر
۲ أ: بلا؛ ج: وفا
۳ أ: باید؛ ج: دایم

کسبِ کمالِ اہلِ جہان کسبِ زر بود — علامہ آن بود کہ زرش بیشتر بود
نیک و بد زمانہ بود کاشش متصل ہم — خارش بسر رسد گلش از تا کمر بود
داد از نفس درازی این دل کہ ہمچو شمع — یک آہِ گرمش از سرِ شب تا سحر بود
خون شد دلم چو لذتِ آوارگی شناخت[۱] — تا در لباسِ موجِ گہر در سفر بود
ماہ نوی کہ یک شبہ باشد تمام عمر — در آسمانِ حسن ہلالِ کمر بود
آن ناوک ہدف کہ بعیدِ وصال ہم — ہرگز نمی رسند دعا و اثر بود
از ہر مراد کام روا باد آن کہ گفت — ترکِ مراد صندل ہر درد سر بود
نیرنگ بین کہ آفت سالک ز تشنگیست — در آن رہی کہ نقشِ قدم چشم تر بود
یارب ز حال ما چہ تواند بیان نمود — آن قاصدی کہ با تو ز خود بے خبر بود
از دوستان رسد ہمہ آفت بہ دوستان — چشمِ صدف سفید ز آبِ گہر بود

آوردہ ام بہ پیش ز آوارگے کلیم
راہی کہ خضرش از پی خضر دگر بود

وقتے[۲] ز بار ہستی چیزے بجا نماند — کز توبرہ نشانی از[۳] نقش پا نماند
دنیا ز سخت گیری ہرگز بہ کس نیاید — ہر چند لفشری مشت رنگِ حنا نماند
در راہِ بے ثباتی شادی و غم رفیقند — بر سر گلی نیاید[۴] خارے بہ پا نماند
صبر و خرد بہ یک دل با شوقِ او[۵] نگنجد — چون سیل میہمان شد کس در سرا نماند
اکسیر سیر چشمی خاکِ سیہ کند زر — غیرت چو کامل افتد کس بے نوا نماند
نقشِ خمارِ طالع گر این چنین نشیند — غیر از نشانِ دندان در دست ما نماند
آن غمزہ جہان سوز پروائے کس ندارد — آتش چہ پاک دارد گر بوریا نماند
ناداری قناعت ہمسر بہ ملک دارست — این جوی آب باریک از سیل وا نماند

باشد کلیم خاموش پیوستہ با دل پر
جامی کہ گشت لبریز باو صدارا نماند

---

۱ ا: ساخت؛ ع: شناخت
۲ ا: وقتی؛ ج: روزے
۳ ا: از؛ ج: جز
۴ ا: نیاید؛ ج: نیا؛ ع: نیاید
۵ ا: ما؛ ج: او

دلم به مُلکِ قناعت نشان نمی داند
فغان که این سگِ نفس استخوان نمی داند

شتابِ[1] عمر دلم را به شکوه آورده
جرس بجز گلهٔ کاروان نمی داند

یکیست انجمن و خلوتم ز شورِ[2] جنون
که گرد باد کنار و میان نمی داند

بسانِ شعله زبانم به عجز راه نبرد
لبم چو جام لبالبِ فغان نمی داند

چه برگِ شادی ازین روزگار می خواهی
که رسمِ خندهٔ گُل زعفران نمی داند

سری که قطع تعلق نکرده از تنِ خویش
طریق سجدهٔ آن آستان نمی داند

هوائے زلف تو دارد دلم چُون آن مُفلِس
که غیرِ هند به عالم مکان نمی داند

حریفِ باخته بی حرفه باز می باشد
زهر که دل به بری قدرِ جان نمی داند

خدنگِ نالهٔ ما همچو شعلهٔ شمعست
مُسافرست و ز مقصد نشان نمی داند

بعرضِ حالِ دل آن چشمِ مست وا نرسد
ز تُرک نیست عجب گر زبان نمی داند

درین زمانه ز هم حُسن و عشق بے خبرند
چمن گر آبِ خور د باغبان نمی داند

کلیم نالهٔ من سر براه نه فلک است
ولی ز دل ره کام و زبان نمی داند

براه فقر مرا این و آن نمی باید
چو راهِ امن[3] بود کاروان نمی باید

کمال کسب کن امّا هُنر فروش مباش
دکان خوشست کسی در دکان نمی باید

درُونِ خلوتِ فانوس نیست جای دو شمع
چُو دل بعشق بُود زنده جان نمی باید

براه فقر بلای چو جمع سامان نیست
اگر بنام رسیدی نشان نمی باید

مرا که روزه محرومیم همه ساله است
بروزِ عید دل شادمان نمی باید

کریم بر سرِ کانِ نمک چرا مرزد
حسابِ بوسه دگر درمیان نمی باید

سخن که مبتذل افتاد آسمانے نیست
چُو شمع حرفِ کسی برزبان نمی باید

کبوترانِ معانی به برج خویش آیند
برائے دزدِ سخن پاسبان نمی باید

بروزگار قناعت به هیچ نه توان کرد
مگر برائے هما استخوان نمی باید

کلیم طایرِ همت گر آشیان طلبد
جُز آستانهٔ شاهِ جهان نمی باید

---

[1] ا : شباب ؛ ج : شتاب
[2] ا : سوز ؛ ج : شود
[3] ا : من ؛ ب : امن

کے تمنای تو از خاطر ناشاد رود[1] — داغ عشق تو گلی نیست که برباد رود
نرود حسرت آن چاه زنخدان از دل — تشنه را[2] آب محال است که از یاد رود
گر بشستن برود مشق الف از شانه — فکر بالای تو هم از دل ناشاد رود
نتوان از سر او برد هوای شیرین — لشکر خسرو اگر بر سر فرهاد رود
در ره عشق جهان سوز چه شاه و چه گدا — حکم سیلاب به ویرانه و آباد رود
می کشد هرچه به دریا رسد از چشم ترم — ناز شاگرد هنرمند باستاد رود
اگر آئینه نیاید ز قبولت نظری — زلف جوهر همه از چهره فولاد رود
اشک سودی نکند عاشق دل باخته را — چکند دانه چو دام از کف صیاد رود

کاش چون شمع همه سر شود اعضای کلیم
تا سراسر همه در شوق تو برباد رود

لبم ز بستگی دل اگرچه وا نشود — چو غنچه[3] خون جگر خوردنم قضا نشود
بیک لباس مقید مشو که ساخته کیست — چرا گهی به تنت پیرهن قبا نشود
دل ضعیف جهان جذبه قوی دارد — که تیر هیچ بلای از و خطا نشود
کلید چاره و تدبیر تا نگردد گم — دری که بسته بروی امید وا نشود
گرفته دامن غم میکشم بخانه دل — که جز به مهمان آرایش سرا نشود
حدیث عشق تو با هیچکس نمی گویم — شرر ز آتش سودائی ما جدا نشود
کمند طره او باریک جهان دل را — نمی تواند برداشت گر[4] دوتا نشود
سعادت ازلی را به کسب نتوان یافت — که زاغ از خورش[5] استخوان هما نشود

چنان مکن که کلیم از در تو پا بکشد
شکسته دل شده باری شکسته پا نشود

---

۱ ا: مطابق متن ہذا؛ ج: حلقۂ سنبل زلف تو کے از یاد رود
۲ ا: زا؛ ج: را
۳ ا: لالہ؛ ج: غنچہ
۴ ا: گو؛ ب: تا
۵ ا: از خورش؛ ج: گر بخورد

کسی که از خضر آبِ بقا نمی گیرد
پیاله را بجز از دست ما نمی گیرد

ز بی نصیبی اهلِ هنر عجب دارم
که استخوان بگلوی هما نمی گیرد

میان یک جهان آن[1] قدر نفاق افتاد
که گاهِ هم طرف کهربا نمی گیرد

بایں دماغ که با بوی گل بسر نبری
چه می کنی که دلت از جفا نمی گیرد

بیا بیا که چنان بی تو زندگی تلخ است
که موجِ دامنِ آبِ بقا نمی گیرد

نخورده پیچش و تا بی بکام دل نرسی[2]
گهر برشته پی تاب جا نمی گیرد

درین خمار بفریاد ما رس ای ساقی
که غیر رعشه کسی دست ما نمی گیرد

حلاوتی که دل از گنج فقر یافته است
چرا شکر ز نما بوریا نمی گیرد

حنای موسم گل تا[3] نرفته است ز دست
کلیم پای گلی را چرا نمی گیرد

مرد حق بین که بلا را از خدا می بیند
تیغ را بر سر خود بالِ هما می بیند

دیده را سیل کشی چون دگران سرمه کشند
گر بدانی که نظر بسته چها می بیند

زنگ می خواهد از آئینه نظر چون تنگ است
ای بسا دیده که تن را بقبا می بیند

عالمی را که کتابست بحق راهنما
کعبه دارد هوس و قبله نما می بیند

بخت ما در شبِ زلف تو دمی خواب نکرد
این قدر خواب پریشان زکجا می بیند

نیست بی قدر کسی در نظرِ تنگ جهان
خاک را دسته گل بر سر ما می بیند

دیده ز جهان فیض کشایش آرد[4]
چون گدا کور شود برگ و فا می بیند

هر کرا دیده نه بندند ز کویت نه برند[5]
پیش پا گرچه نه بیند[6] به قفا می بیند

تیره گر دید کلیم آئینه زانوی من
بسکه در گوشه غم روی مرا می بیند

---

[1] ا: آنقدر؛ ب: آنچنان؛ ج: اینقدر
[2] ا: برسی؛ ج: نرسی
[3] ا: ما؛ ج: تا
[4] ا، ب: دارد؛ ج: آرد
[5] ا، ب: نبرند؛ ج: ببرند
[6] ا: به بیند؛ ج: نه بیند

اقلیم دل بزور مسخر نمی شود — این فتح بی شکست میسر نمی شود

از گریه سرنوشت چه شوئیم که این رقم — زایل بآب چون خط ساغر نمی شود

روشندلان خوشامد شاهان نگفته اند — آئینه عیب پوش سکندر نمی شود

کی می پسند دلیر قدم در محیط عشق — تا کس در آب دیده شناور نمی شود

خاک از غبار گاه بلندی طلب بود — با ما به خاکساری همسر نمی شود

پیداست تا کجاست ترقی ما که مور — گر بال[۱] یافت صاحب شهپر نمی شود

خاکی بفرق بخت که در هیچ معرکه — از ناکسی سیاهی لشکر نمی شود

آسوده خاطریم ز رد و قبول خلق — فرسوده محک زر اختر نمی شود

گر توتیا کنند گهر را چو بشکنند — با خواری شکست برابر نمی شود

در پیری از حیات حلاوت بیافتیم — این شیر کامیاب ز شکر نمی شود

خود راد گر ز گرم روان نشمری کلیم
در زیر پایت ابله اخگر نمی شود

بر لبم همچو جرس خنده فغان می گردد — آب اگر می خورم از دیده روان می گردد

صاف دل را نبود قید علایق نقصی — عیب دار آئینه کی ز آئینه دان می گردد

مرد در کشور ما روی[۲] بخون رنگ کند — کاین قضا نیست کز د پیر جوان می گردد

هوش باریک شود تا سخنم فهم کند — بسکه در خاطرم آن موی میان می گردد

هر که سرگرم طلب گشت در ره شوق — خاک بر فرق کند ریگ روان می گردد

روش حرف زدن رفت زیادم چکنم — نام یار است بچیزی که زبان می گردد

چرخ از بهر تو در کار بود حرص تو چیست — آسیا از پی رزق دگران می گردد

آنچنان شوق قناعت زده راهم که کسی — خاک اگر می خورد آبم به دهان می گردد

ناوک رشک خورد بر جگر خسته کلیم
هر که از بار غم عشق کمان می گردد

---

[۱] ا : بار ؛ ج : بال

[۲] ا : ؛ ح، ب : روی

ر

نگویمت که دل از حاصل جهان بردار — به هرچه دسترست نیست دل از آن بردار

اگر نسیم ریاض وطن هوس داری — به ناله دامن خرگاه آسمان بردار

به عندلیب شنیدم که باغبان می گفت — ز گلبنی که بود سرکش آشیان بردار

براه عشق که زاری و عجز می طلبند — ز ساز و برگ سفر چون جرس فغان بردار

پیاله گر بکف آید به پند گو منگر — چو گل بود نظر از روی باغبان بردار

اگرچه صرفه پسندیده نیست از مستان — چو شیشه جلوه کند شمع از میان بردار

براه کعبه اگر می رویم گوید عقل — که از برای سگ نفس استخوان بردار

زمانه هرچه دهد در بهای عمر مگیر — ز بد معامله گلخن به گلستان بردار

وطن تمام خس و خار بی گلست کلیم
برو سواد وطن را ز آشیان بردار

ش

می کنی ای شیخ یاد از رخنه های دین خویش — افگنی بر شانه هر گردیدهٔ خود بین خویش

خاکساری سربلندی را ز سر وا کردنست — نه حصیر و خشت گردن بستر و بالین خویش

بر کریمان شکر سایل در حقیقت واجبست — زان که گلبن را سبکساریست از گلچین خویش

در پناه فیض عریانی مسلم مانده خار — گل چه آفتها که دید از جامهٔ رنگین خویش

در طریقت عار چون از دین خود برگشتن است — گر بجام جم دهد کس کاسهٔ چوبین خویش

هرگران سنگی[1] شود ز اندیشهٔ روزی سبک — آسیا را دانه می اندازد از تمکین خویش

خود شکن را خوش نیاید مدح خویش از دیگران — خودپسند از ابلهی خود می کند تحسین خویش

تلخ کامان دگر داری بجز ساغر بده[2] — دیگران را هم زکاتی از لب شیرین خویش

از غم جانسوز خود تا کی توان دیدن کلیم
همدمان را چون چراغ کشته بر بالین خویش

---

۱ ج: سنگبار است

۲ ا: ده؛ ب، ج: بده

نجانه چند نشینی سری به بستان کش | چو چشم خویش دمی باده در گلستان کش
ز کنج کاوی دلها غبار می گیرد | ز لطف گاهی دستی به تیغ مژگان کش
مرا بگوشهٔ مکتوب غیر یاد مکن | جدا به نام من ای دوست خط نسیان کش
زمانه ایست که مستی ز بلبلان عیب است | بسانِ غنچه درین باغ باده پنهان کش
اگر قبول نداری که کشتهٔ لبِ تست | بیا به گلشن و در زخم غنچه پیکان کش
چنان که آب ز گل می شود کدورت ناک | اگر تو صاف دلی بار زیر دستان کش
ز بیقراری منعم توان کردن | کسی بشعله نه گوید که پا به دامان کش
بطاقِ گنبدِ فانوس این رقم دیدم | که سر به باد دود زود در گریبان کش

بسانِ شیشهٔ خالی دماغِ ما خشک است
کلیم رخت به بازار می فروشان کش

م

بوی کین هرگز کسی نشنیده از آب و گلم | گر بحسن آتش فتد از مهر می سوزد دلم
چون قلم دارم سر تسلیم را در زیر تیغ | هر کسم سر می زند گوئی که خط باطلم
تشنهٔ آگاهیم لیکن درین نخچیرگاه | بر سرِ تیرِ همه مانندِ عید غافلم
از در و دیوار میگیریم سراغِ مرگ را | ره نورد مانده ام در آرزوی منزلم
شمع را مانم که از سیر و سلوکم نا اُمید | هر کجا هستم [1] ز اشک خویشتن پا در گلم
لاله وارم دل ز غم صد چاک شد در بیکسی | هیچکس نه نهاد غیر از داغ دستی بر دلم
آرزوی یک دل از من در جهان حاصل نشد | مایهٔ نومیدیم گوئی جوابِ سائلم
بی ثمر نخلم مرا باری [2] بغیر از سایه نیست | سایه خود با خاک یکسانست بنگر حالم

تا قیامت خارِ غم در جان نمی ماند کلیم
گر ز دل بیرون نمی آید بر آید از گلم

---

[1] ا : هم ؛ ج : هستم

[2] ا : یاری ؛ ج : باری

جذبهٔ خواهم که از خود نیز رو گردان شوم — هر کجا آئینهٔ پیدا شود پنهان شوم
رنگ آبادی ندارم خانهٔ بی صاحبم — گر خریدارم شود سیلاب آبادان شوم
قرض دارد روزگارم خاطرم زان شاد نیست — چون حباب از دام هستی پس دهم خندان شوم
ناوک بیداد دوران را نشان باید شدن — آن چنان بگذارم[1] این غم گر نظر پنهان شوم
تا بکی باید بخلقی مختلف یک رنگ زیست — یک نفس آئینه گردم یک زمان لوهان شوم
بسکه حرمت بار می آرد شکستن نان خلق — عزتم گردد طفیلی هر کجا مهمان شوم
قدرتم غالب حریفی را نمی داند که چیست — صد تعدی می کشم از خس اگر طوفان شوم
هم کهن شد هم مکرر جامهٔ ناموس و ننگ — گر دلم خواهد لباسی نو کنم عریان شوم

خود هم از روی تنگ دادن به تاراجش کلیم
فی المثل گر پاسبان چشمهٔ حیوان شوم

ز سستی بخت مرادی روا نمی خواهم — وسیله گر همه باشد دعا نمی خواهم
سرای عاریتی قابل نشستن نیست — ازان بخاطر احباب جا نمی خواهم
شکستگان را پامال ساختن کفر است — بگنج خلوت[2] غم بوریا نمی خواهم
چنان ز دست تهی خوش دلم به همت فقر — که پیر گشتم و در کف عصا نمی خواهم
گدا به غیرت من نیست در دیار طلب — هزار مراد که گردد روا نمی خواهم
ز روزگار دو حاجت امید نتوان داشت — اگر بمرگ رسیدم عزا نمی خواهم
بتان ز صحبت هم می کنند کسب غرور — ترا بآئینه هم آشنا نمی خواهم
چنان براه طلب همتم بلند بود — که از سراب جز آب بقا نمی خواهم

کلیم از سفر آوارگی چو مطلب شد
جریده می روم و رهنما نمی خواهم

نمیرم تا براهت بر نمی آید تمنایم — نشاید تا قدم بیرون نیاید خارت از پایم
ز بس گرمست نتواند نشستن هیچ کس آنجا — عجب نبود اگر در بزم او خالی بود جایم
جدا ز آتش فزون تر مضطرب باشد سپند ما — بکویت گر نمی آیم نه پنداری شکیبایم

---

۱ ل: مگذارم ای ؛ ج : بگذارم این   ۲ ج : فقر ازان

ز تیغت چاک چاکم گر به آرم از جگر آهی / چو اوراق پریشان می رود بر باد اعضایم

هوای وادی لیلی ز بس دیوانه ام دارد / بشهرم گر کسی گم کردمی جوید بصحرایم

متاع دل به هر کس داده بودم باز می گیرم[۱] / پریشان طرهٔ دیدم که برهم خورد سودایم

برای زخم می ترسم که در تن جای نگذارد / اگر داغ وفا زین گونه می گیرد سراپایم

چو مینا خون من با دا حلالت گر یکی بنود / بسان شیشه در مهرت یکی پنهان و پیدایم

کلیم ار[۲] نه غبار درگه افتادگی کردم

نخواهد برد طالع هرگز از پستی به بالایم

ز ناتوانی خود این قدر خبر دارم / که از رخش نتوانم که دیده بردارم

زمانه آب متاع کسان خریده و من / نیم پسند ز آبی که در گهر دارم

مگر بهانه ماندن شود دران سر کوی / سرشک ریزم و بازش ز خاک بردارم

بسوی او روم از آن که می روم از خود / ز خویش بی خبرم لیک ازو خبر دارم

چو دام هر چه گرفتم بمن نمی ماند / اگر چه هیچ ندارم همین هنر دارم

بکنج خلوت غم همچو شیشهٔ نیمه / کمند وحدتی از اشک بر کمر دارم

ز پاسبانی دل آمدن بجهان چکنم / نمی توانم ازین شیشه دست بردارم

هوای سرکشی نفس دون زیاده شود / به پشت گرمی خشتی که زیر سر دارم

شکستهٔ رنگی خویشم خوش آمدست کلیم

که دایم[۳] آئینهٔ اشک در نظر دارم

با فکر او چو سر بگریبان فرو کنم / تشریح زلف خم بخمش مو بمو کنم

دهقان به هر زمین که نشاند نهال تاک[۴] / من هم به خاک تخم کدوی فرو کنم

از تیغ ابروی تو ز بس زخم خورده ام / جرات نمی کنم که بمحراب[۵] رو کنم

هر گز مراد من به حصول آشنا نبود / در زیر تیغ عمر ابد آرزو کنم

از عقلهای کهنه و نو خرمستی شود / گر آستان میکده را رفت و رو کنم

---

۱ ج : می خواهم

۲ ا : از ؛ ج : ار

۳ ا : دانم ؛ ج : دایم

۴ ا : باک ؛ ج : تاک

۵ ب : حرمتی

گردد بزیر خاک سکندر ز شرم آب | دل را اگر بآئینه اَش رو برو کنم
دشنام و بوسه هرچه عوض می دهی بده | حاشا که با تو بر سرِ دل گفتگو کنم
بر صیدِ دیگری نظرم کی فتد که من | در سر نگنجدم که گُل چیده بو کنم
خواهی نشانِ تیر شوم یا غلافِ تیغ | با هر ستم که مصلحتِ تست خو کنم

با تیغ جور ناوکِ لطفی کلیم هست
تا چاک های سینه به پیکان رفو کنم

به دورِ خویش ز مینا حصار می خواهم | در آن میانه ترا در کنار می خواهم
بتو به نامه نمی شویم از گُنه که بحشر | بکف سودهٔ زلفِ یار می خواهم
چو چشم حسرتم افتد بر تیغ ابروئے دوست | یکیست عمر و شهادت دوبار می خواهم
بروی کار جهان رنگِ دیگرم هوس است | درین چمن نه خزان نه بهار می خواهم
ستم بود که گُلِ زخم مشک بو نشود | ز تارِ زلف تو یک بخیه دار می خواهم
غبارِ اخگرِ دل را بآب نتوان برد | نسیمی از سرِ زُلفِ نگار می خواهم
بسیل اشک سپردم سرای هستیِ خویش | ز خود سفر چو کنم خانه دار می خواهم
غبار خاطر از آن می دهم بشکوه برون | که خاک بر سر این روزگار می خواهم

به بادیه نه برم گر کلیم راچه کنم
برائے مجنون شمع مزار می خواهم

دست و دل تنگ جهان تنگ خدایا چکنم | من ویک حوصلهٔ تنگ باینها چکنم
سنگ بر سینه زنم شیشهٔ دل می شکند | نزنم شوق چنین کرده تقاضا چکنم
در رهِ عشق اگر بارِ علایق همه را | بفگنم باگهر آبله پا را چکنم
ماتم بال و پرِ ریخته ام بس باشد | خویش را تنگ دل از دیدنِ صحرا چکنم
من که چُون گرد به هر جا که نشینم خارم | جنگ با صدر نشینان بسر جا چکنم
گله از چرخ بود تیر فگندن به سپهر | چون بجای نرسد شکوهٔ بیجا چکنم
خاریِ گل شده هر جا گُلِ بے خاری بود | گر نه بندم ز جهان چشم تماشا چکنم
کنجِ تنهاییم از کور درش بسته ترست[1] | عزلتم گر ندهد شهرتِ عنقا چکنم

---

[1] ا: بسر سرست ؛ ج، ب: بسته ترست

سرو برگِ جدلم نیست چو با خلق کلیم
نکنم گر به بد و نیک[1] مدارا چکنم

بسکه از بارِ غمِ دهر گرانبار شدم — همه ره سجده کنان تا درِ خمّار شدم
شیشهٔ هیچ دل از مستیِ من خود نه شکست — من باین دل شکنان از چه گرفتار شدم
خرم از ابرِ بهاری نشدم طالع بین — که درین باغ چو خارِ سرِ دیوار شدم
خواهم آیینه دگر روی بمن ننماید — بسکه از زشتیِ[2] خود بر دلِ خود بار شدم
تاکی اے دل ز غم تنگ دهانان زاری — من به تنگ آمدم از وضع تو بیزار شدم
بعد عمرے که بخوابِ منِ بے دل آمد — گریه آبی بر خم ریخت که بیدار شدم

رفتم از هوش مکن مستم ازین بیش کلیم
چشم بردار ازان چشم که از کار شدم

آن سالکم که با خضر هر چند هم نشینم — سرگشته همچو پرکار در کامِ اوّلینم
از بیم دید و وادید بگریزم از عدم هم — گر بعد مرگ بیند در خواب هم نشینم
دایم زهمت فقر خرجم ز دخل بیش است — خرمن بمور بخشم با آن که خوشه چینم
آزارِ با تلافی از آسمان نه دارد — بے مرہمست زخمم هم طالع نگینم
ظاهر به باطنِ من یک رنگ گشته در عشق — چون شمع می گدازد با دست استینم
امید رستگاری ز آغازِ کار پیداست — در خانهٔ کمان است صیاد در کمینم
از انقلابِ دوران هر درد بر سر آمد — ناچار در خُمِ چرخ من صاف ته نشینم
این سرنوشت بد هم دایم بکس نماند — سیلابِ اشک شوید آخر خط جبینم
شیرین زبانیِ من دامِ عوام بنود — جوششِ مگس کند زهر در دیده انگبینم

دایم کلیم دوران در بیستیم ندارد
شاید که قدر دانی بردارد از زمینم

دوشش در خواب که آن طرهٔ پیچان دیدم — صبح در بسترِ خود سنبل و ریحان دیدم
از هواداری آن زلف چسانم که اگر — برد خواب اجلم خواب[3] پریشان دیدم

---

[1] ا، من؛ ج: بین   [2] ب: رشتی

اے خوش آندم کہ زحیرت نزنم دیدہ بہم | تا ز دم چشم بہم آفتِ طوفان دیدم
انچہ از شکر تا تار ندیدست کسی | من زیک تار از ان زُلفِ پریشان دیدم
گرد راہ طلبم سرمۂ بینائے شد | چمنی در دلِ پُر خار مغیلان دیدم
از سرِ صدق چو دستار بگردش گشتم | گر سری خالی از اندیشۂ سامان دیدم
ہر کہ ز ابنائے جہان است بمن حق دارد | زان کہ از چین جبین ہمہ سامان دیدم
دارد از منفعتی صحبتِ این خلق چرا | خضر را معتقدِ سیر بیابان دیدم
راست گفتند بود توبہ پشیمان بودم | ہر کرا دیدم از توبہ پشیمان دیدم[1]

دہر بر عکسِ توقع چُو کند کار کلیم
ہر چہ دشوار شمردم بخود آسان دیدم

شکوۂ دردِ ترا کی پیشِ دربان می کنیم | تشنہ می میریم و شکرِ آبِ حیوان می کنیم
بے تو تاریکست کشمیر اے چراغِ دیدہا | ماسیہ روزیم در شب سیر بستان می کنیم
گل اگر تا سینہ در کشمیر می آید چہ سود | ماکہ گُل از اشکِ خونین در گریبان می کنیم
در چمنِ عیش از بس دیدۂ بد دیدہ ایم | بادہ را از چشمِ[2] ساغر نیز پنہان می کنیم
ماجرائے دیدہ می گوئیم پیش سیل اشک | ابلہی بین شکوۂ کشتی بہ طُوفان می کنیم
از ظفر خان بود آن[3] جمعیت و طرح غزل | باکہ دیگر زُلفِ معنی را پریشان می کنیم
تا تو رفتی دل بفکرِ خویشتن افتادہ است | سر چو می بازیم آنکہ فکر سامان می کنیم
بادۂ کشمیر از بزم تو صاحب نشاد بود | بے تو ما خاطر نشانِ می پرستان می کنیم

داغ می ماند کلیم از لالہ زار از دست رفت
ہر چہ دشوارست صابر خویش آسان می کنیم

از ثباتِ عشق دایم پا بہ دامن داشتم | گر چو داغِ لالہ در[4] آتش نشیمن داشتم
بر زلالِ خضر اکنون صد تغافل می زنم | من کہ چشم از تشنگی بر آب آہن داشتم
ہیچ گہ ذوق از جستجو باز م نداشت | خوشہ چین بودم من آن روزی کہ خرمن داشتم

---

[1] ا : بودم ؛ ج : دیدم
[2] ا : جیم ؛ ج : چشم
[3] ا : بود از آن ؛ ج : بود آن
[4] ا : در ؛ ج : از

روشنی از بزم من دریوزه می کرد آفتاب   در چراغِ عیش تا از باده روغن داشتم
شعله برمی خاست از بی طاقتی و می نشست   من نه جنبیدم ز جا تا جا بگلخن داشتم
کی به هر نامحرمی چاکِ جگر خواهم نمود   من که زخمش را نهان از چشم سوزن داشتم
بیچو ماهی غیر داغم پوششی دیگر نبود   تا کفن آمد همین یک جامه بر تن داشتم

داغ را جز بر کنارِ زخم ننهادم کلیم
دیده را بر رخنهٔ دیوارِ گلشن داشتم

بسکه می پیچد صدائے نالهٔ دل در برم   استخوانِ سینه موسیقار شد در پیکرم
طالع بد بین کز آب و آتشم بی قدرتر   گرچه آتش می توان کشتن ز آبِ گوهرم
حکم سودا بر سرم جاری ترست از سیل اشک   گر بفرقم خاک بیزد ور زند گل بر سرم
خاک اصل طینتم گوئی ز گرد لشکر است   کز[2] رفیقان جمله در راهِ طلب واپس ترم
بسته ام چشمِ اُمید از مهربانی های خلق   دل نهاد زخم بی مرهم بسانِ مجمرم
فطرت پستم ندارد بالِ پرواز بلند   من که مورِ ناتوان باشم چه باشد شهپرم
خاطرِ آزردهٔ دارم که در سیر بهشت   از گریبان چون جرس بیرون نمی آید سرم
برگِ من بی برگیست و بار بارِ خاطرست   باد یارب روزی برقِ بلا برگ[1] و برم

میکنم[3] گاهی اگر سامانِ بزمِ می کلیم
سنگ پر بیرون کند از اشتیاق ساغرم[3]

فرصتی کو که دوای دلِ رنجور کنیم   پنبهٔ شیشهٔ می مرهمِ ناسور کنیم
طمع خام نشد ز آتشِ حرمان پخته   گر به دوزخ بردیم آرزوی حور کنیم
خدمتِ بزم شراب تو ز ما می آید   می توانیم که از گریه نمک شور کنیم
از پیِ کینهٔ ما تیغ به بند و به میان   ما اگر دستِ هوس در کمرِ مور کنیم

---

۱ ا: بر ندارد: پر   ۲ ا: از؛ ج: کز
۳-۳ ا: میکنم گاهی اگر سا........ ؛ سنگ پر بیرون کند از اشتیاق عزم
ج: میکنم گاهی اگر سامانِ بزمِ می کلیم ؛ سنگ پر بیرون کند از اشتیاق ساغرم

زندگی بسکه ز بیدادِ فلک تلخ شد است	خسته به شده را پرسشِ رنجور کنیم
پردهٔ هر چند فزدن جلوهٔ افشا خوشتر	فهم این نکته ز رازِ دلِ طنبور کنیم
رخت صندوق به تابوت نخواهد گنجید	هر چه با خود نتوان برد ز خود دور کنیم

چارهٔ زاریست بر دلبر مغرور کلیم
نتوانیم چو دامش به زر و زور کنیم

گر گهر گه شرر از دیدهٔ تر یافته ام	من هم از برق و هم از ابر نظر یافته ام
تاکه از پای نفتادم ز سپهر در پیشم	پا براه تو اگر باخته پر یافته ام
پیش پا را نتواند ز سیه روزی دید	در کفِ هر که چراغی ز هنر یافته ام
بر سرم گل شود از سوزِ درون خاکستر	می توان یافت که از شمع نظر یافته ام
گر عسس کرد رها محتسبم می گیرد	تارِ کیفیتِ چشم تو خبر یافته ام
در بیابانِ طلب از اثر گرم روی	صدف آبله را پر ز شرر یافته ام
در معانی که سرم را سپر از تسلیمست	گر سکندر ظفرم گشته ظفر یافته ام
فقر را بسکه قناعت به نظر شیرین کرد	دستم از تنگ بود تنگ شکر یافته ام

رازِ هر سینه به بینم چو می از شیشه کلیم
از درِ میکده تا کحلِ بصر یافته ام

بر رگِ دل گاه ناخن، گاه نشتر می زنم	هر زمان بر سازِ غم مضراب دیگر می زنم
در لباسِ شید زاهد در حرم[1] ره می زند	من درین میخانه بدنامم که ساغر می زنم
عقدهٔ مکتوبِ ما را از کشادن بهره نیست	این گره بیهوده بر بالِ کبوتر می زنم
جام چون لبریز شد دیگر نمی دارد صدا	با دلِ پُر در حرفِ شکوه کمتر می زنم
میتوان گاهی به مکتوبی مرا خورسند کرد	من ز بندی[2] داستانِ شکوه را سر می زنم
تازه می گردد دلم هر گاه آهی می کشم	هر نفس کز دل کشم دامن بر اخگر می زنم
خودنمای شیوهٔ من نیست چون دیوارِ باغ	گل به دامن دارم اما جا بر سو می زنم
عاقبت بر شمع رویش می زنم خود را کلیم	من کم از پروانه ام خود را درین می زنم

---

۱ ا: جرم؛ ج: حرم
۲ ا: رسدی؛ ج، ب: تو مدی؛ جا: فروندی

بایں دماغ که از سایه اجتناب کنیم
بر آن سریم که تسخیر آفتاب کنیم
بگریهٔ سحری سعی بیش ازین خوش نیست
چه لایق است که در شیر صبح آب کنیم
شود به صبر بدل عجز چون کمال گرفت
گذشت آنکه توانیم اضطراب کنیم
ز شورِ ناله بود جمله بے قراری اشک
نمی گذارد کاین طفل را بخواب کنیم
سفینه می رود این سعی ناخدا عبث است
چو عمر می گذرد ما چرا اشتاب کنیم
هوائے خانهٔ ناموس و ننگ دلگیر ست
خوش آنکه بر سر عقل این بنا خراب کنیم
کدام سوخته جان راست تابِ آتش ما
باهِ سرد دلی را مگر کباب کنیم
بهر عشق ز خاکِ وجود می سازیم
گلی که غازهٔ رخسار آفتاب کنیم

بود کلیم که باز از نشانِ دندان ها
برائے بوسه لبی چند انتخاب کنیم

بروے ساغر می ماهِ عید را دیدم
همین بلبست درین عید دیده وا دیدم
بغیرِ دیده که پوشیدم از مراد دو کون
بقدرِ همتِ خود جامهٔ نه پوشیدم
چنین که برگ و برِ نخلِ آه پیکان است
بفرقِ سایهٔ آهست سایهٔ بیدم
لبم ز خنده و چشم ز گریه ترمی داشت
باشک بی اثر خویش بسکه خندیدم
ز عاقبت نیم ایمن که ترسم آخر کار
کفن برون کند از تن لباسِ تجریدم
بسانِ شمع کس آوازِ گریه ام نشنید
باشکِ خویش اگر تا صباح غلطیدم
گران بنودم بر طبعِ دوستان هرگز
به زود رفتن و دیر آمدن همهٔ عیدم
بحشر آخر از خوابِ مرگ برخیزد
گمان صبر که ز امدادِ بخت نومیدم

به پیر جام از آن دم که دست داده کلیم
زخطِ ساغر چون شیشه سر نه پیچیدم

ز شورِ عشق چه هنگامهٔ فغان بندیم
چو شمع گشته ازین ماجرا زبان بندیم
نهال سرکش و گل بے وفا و لاله دورد
درین چمن بچه امید آشیان بندیم

---

۱ ب : شور
۲ ب : نمی گذشت
۳ ا : عیب ؛ ب : عبث
۴ ا : به ؛ ج : همه
۵ ج : سوز

دمی که ما گره از کار عیش بگشاییم
خیالِ بوسه بر آن خاکِ آستان بندیم

متاعِ خانهٔ دل آن چنان به یغما رفت
که در نماند بر روی دشمنان بندیم

هزار شکوه یکی کرده‌ام و کسی نشنید
گذشت آنکه زیک حرف داستان بندیم

گره بموی چو افتاد باز نگشاید
غنیمت است بیا دل در آن میان بندیم

کلیم سایهٔ شاهِ جهان چو بر سرِ ماست
به پشتِ چرخ دگر دستِ کهکشان بندیم

از درِ محرومی استمدادِ همت کرده‌ایم
آرزوها را تمام از سینه رخصت کرده‌ایم

کیست تا ما را بدستِ کم تواند برگرفت
بر سرِ یک پا به پیشِ خم عبادت کرده‌ایم

این زمان بی بوسه از ساقی نمی‌گیریم جام
زان که در میخانه‌ها بی مزد خدمت[1] کرده‌ایم

نقدِ جان از ساقی و رختِ سرا از می‌فروش
در حیاتِ خویشتن میراث قسمت کرده‌ایم

گر همه رخصت بود دستان که تنگِ همت است
بارها این بند[2] را در کارِ همت کرده‌ایم

در رهِ سنگِ ملامت فرش چون خاک رهیم
سرگرانی را به بالینِ سلامت کرده‌ایم

خاکساری نقشِ پا تعلیم می‌گیرد ز ما
در فنِ خود گرچه بی‌قدریم شهرت کرده‌ایم

سخت بی‌قدر است شاید[3] قیمتی پیدا کند
خونِ خود را وقف بر خاکِ مذلت کرده‌ایم

پیش پا دیدن نمی‌آید دگر از ما چو شمع
بسکه بر سروِ قدِ او مشقِ حیرت کرده[4]‌ایم

بر سرِ جنگست با ما بی سبب دایم کلیم
گرچه صلحِ کل به هفتاد و دو ملت کرده‌ایم

جان کاهم چو حقِ سخن را ادا کنم
گر نقدِ جان دهند سخن را بها کنم

با عالمی مرا سرِ هم خانگی کجاست
گو مرگ تا که راحتِ جُدا کنم

چندان که جای در دلِ آتش کند
خواهم که جا بخاطرِ آن بی‌وفا کنم

سرگشتگی عجب بمیانم گرفته است
دلدار دو گستاره دادو بر قفا کنم

از دیده گریه رخته زدست و بدست نیست
غیر از غبارِ خاطرِ تا توتیا کنم

---

[1] ب: محنت

[2] تنگ را؛ ج: بند را؛ ت: چند ها

[3] ا: شاهد همتی؛ ج: شاید قیمتی

[4] این بیت نسخهٔ ا ندارد و از نسخهٔ ع نقل شده است.

یک بزم را به بوی سخن مست می کنم چون شیشه هر کجا که سر حرف وا کنم
سامانِ خون فشانی روز و شبم نماند دیگر با شکِ شام چو شمع اکتفا کنم
داروی پاس ما همه دردی موافق است زین یک دوا هزار مرض را دوا کنم
تن را چو در لباسِ قناعت به پرورم همچون قرابه پیرهن از بوریا کنم
گر هیچ نیست در سخن من ز عجز نیست حیف آیدم که زهر در آبِ بقا کنم

تنبیه منکران سخن می توان کلیم
گر اژدهائی خامه به آنها رها کنم

نه سزاوارِ حرم، نه لایق بتخانه ام در خراب آباد دینی جغدِ بی ویرانه ام
فرقم از سرکوبِ محنت یک نفس خالی نبود گر ز کار افتاد دستم رنجیست بر سر خانه ام
بسکه هرگز پُر ندیدم جامِ عیشِ خویش را باورم ناید که پُر خواهد شدن پیمانه ام
من نباشم رونقِ عشق و محبت می رود تیشهٔ فرهادم و بالِ پرِ پروانه ام
فقر تا ما بینوایان را حمایت می کند سایه پشتی بانِ دیوارست در ویرانه[۱] ام
با گرانان سازگاری و مدارا عاقلست چون به زنجیرِ جنون می سازم از دیوانه ام

شعله برمی خیزد از فرقم بجای مو کلیم
می سزد گر از ید بیضا[۲] بسازی شانه ام

همین نه در سفر آشفته تر ز سیلابم که در وطن همه سرگشته تر ز گردابم
چرا فریبِ شرابِ هوس خورم که چو تیغ تمام عمر به یک قطره آب سیرابم
نه سر نهادن از سرگذشتن است سجود بکیشِ امن که خم تیغِ اوست محرابم
نه رهبر و نه رفیق و نه منزلست مرا براهِ شوق عنان بر عنانِ سیلابم
بدستِ عشق یکی ساز دلخراشم بین که تا دم از رگِ جان نشترست مضرابم
مرا ز وعظِ تو غفلت زیاده شد ناصح زبان به بند که افسانه می برد خوابم
به بر و بحرم سرگشتگی رفیق رهست گمان بری که خس گرد باد و گردابم

---

۱ ا: ورنه؛ ج: ویرانه
۲ ا: ید و بیضا؛ ع: ید بیضا

اگرچه تیغ نیم روزگار دریا دل
در آتشم فگند تا دهد دمی آبم

زاشک و آه که یارب زیاده باد کلیم
همیشه آتش سامان و سیل اسبابم

روز و شب از بسکه محو آن میان گردیده ام
موی می ترسم برآید عاقبت از دیده ام

اشک رنگین داغ حرمان زخم[1] اشک مدعی
وه چه گلها بهر تابوت تمنا چیده ام

برتنم هر جا که اشک رفته برآید دود[2] ازان
از تف تب[3] های هجران تاب از بس دیده ام

عیب پوشی سهل باشد عیب نادیدن خوشست
چشم من روشن که دایم صاحب این دیده ام

از سیه روزی رهای چون نباید دل که من[4]
هر رگ او را به تار زلف او تابیده ام

فرصت عشرت ز کف ندهم بهر حالی که هست
گریه تا پس کرده ام بر بخت خود خندیده ام

چون نباشد سبز نه گلگون رخ سبزان هند
لخم زابر دیده خون در پای شان با دیده ام

گل به بستر تا بیفشانی نمی خوابی و من
شمعسان با شعله در یک پیرهن خوابیده ام

همچو من در پیش یار بی وفای خود کلیم
زور نتوان خوار شد عمر وفا ورزیده ام

هرگز آشفته ز بدکردی دوران نشدم
داد خاکم همه بر باد و پریشان نشدم

آه ازین غفلت سرشار که چون ساغر پر
جان بلب آمد و از کرده پشیمان نشدم

طالع خصم فگن در همه میدان دارم
دین هنر بین که بکس دست و گریبان نشدم

چون لب زخم دلم خنده پی گریه نکرد
گل گل از عشق شگفتم من و شادان نشدم

بسکه با نیک و بد خلق نه دارم کاری
منکر و معتقد گبر و مسلمان نشدم

گل نقش قدمم در چمن بی قدری
لایق گوشه دستار عزیزان نشدم

و در ره دشمنی خویش چه ثابت قدمم
خاری از پا نکشیدم که پشیمان نشدم

گل روی سبد گلشن پژمردگیم
ابر از گریه بتنگ آمد و خندان نشدم

تا ندادم سر خود در ره آن شوخ کلیم
همه طایفه بی سر و سامان نشدم

---

۱ ج: دون
۲ ج: تنهای
۳ ج: من؛ ا: ...
۴ ج: درزیده ام؛ ا: درزنده ام
۵ ج: درها؛ ا: دلها

ماکه پیش از مرگ آسایش تمنا میکنم   شکوه از بدگردی افلاک بیجا میکنم
چون بکوی خاکساری سرکشی از سر نهیم   تا هوای خشت بالین را ز سر وا میکنم
ترکِ تجریدی که ما داریم بی اجرست عیف   چون ز ننگِ اهل دنیا ترک دنیا میکنم
چاره کم کن تا جفای دهر هم کمتر شود   افگند صد عقده در کار از یکی وا میکنم
کارِ فردا را ز ما امروز می خواهند و ما   هرچه را امروز باید کرد فردا میکنم
بسکه هر جا شکوهٔ افلاک دانجم کرده ایم   شرمساری میکشم از سر به بالا میکنم
گر بکنجِ عزلت از تنهاییم گیرد ملال   با و عنقا هر دو در یک آشیان جا میکنم

خواه صبر و خواه دل هر چیز گم شد از کلیم
جمله را در کوچهٔ زلفِ تو پیدا میکنم

اشک ریزان از غمت چون او به هامون میکنم   کاسهٔ مجنون و جام لاله پر خون میکنم
طالعی دارم که می افتد گره در کارِ من   سر چو تارِ سبحه از هر جا که بیرون میکنم
ابروی زخمم کشیده چشم داغم سرمه دار   حُسنِ یوسف را العشقِ خویش مفتون میکنم
طاعتِ شوریدگان را قبله جای دیگر است   رو بوقتِ اشک ایزی سوی جیحون میکنم
با چنین بختِ زبون با روزگارم دشمنست   کوششِ فرهاد را با ضعفِ مجنون میکنم
انچه من دیدم ز دشمن هم جدائی مشکلست   می خلد در دل گر از پا خار بیرون میکنم

جامهٔ واژونِ طالع میکنم از بر کلیم
بخت را از همتِ والا دگرگون میکنم

ن

میرویم[1] از خود بیا در انجمن تنها نشین   ذوقِ تنهای اگر داری بیا با ما[2] نشین
سرکشی با هر که کردی رام او باید شدن   شعله سان از هر کجا برخاستی آنجا نشین
طرز وضعِ اهلِ دنیا سر بسر نادید[3] نیست   گر فراغت خواهی از ایام نابینا نشین
صدرِ مجلس گر تمنا باشدت افتاده باش   همچو گرد از خاکساری آنگهی بالا نشین

---

۱ ب؛ ج: میردم
۲ ا: من؛ ع: ما
۳ ا: نادیدنیست؛ ج: تا دیدنیست

شب چراغ افروختن از اہلِ عزلت بدنماست | منزوی گرمی شوی از سایہ ہم تنہانشین
گرد بالای تو ساقی جلوۂ مستانہ بس | گہ در آغوشِ من و گہ پہلوے مینانشین

اے کلیم از کیمیاے جستجوے وصلِ دوست
گر زپا خواہی نشستن بر درِ دلہانشین

کارِ دوران چیست؟ جمعیت پریشان ساختن | سیل مجبورست در معمورہ ویران ساختن
پاک طینت را بکین کس نشاید کرم کرد | بہر خون ریز از طلا شمشیر نتوان ساختن
گر طبیبِ ہمت ایام عیسیٰ دم شود | باید از وی دردِ فقرِ خویش پنہان ساختن
ابر اگر از طینتِ اہل جہان آگہ شود | قطرہ سازی را بدل سازد بہ پیکان ساختن
ترکِ دنیا پیشِ این دنیا پرستان کافریست | چون بکیشِ ہندوان بتخانہ ویران ساختن
گریۂ ما را اگر میر آبے گلشن دہند | عاجز آید نوبہار از غنچہ خندان ساختن
باہمہ ناقابلی دارد ہنرہا بختِ ما | می تواند از گل و ریحان مغیلان ساختن
بے کدورت راحت از گیتی نشاید چشم داشت | زان کہ ناچارست با دودِ چراغان ساختن

نارپستان دست فرسود[1] ہوسہا شد کلیم
بعد ازین خواہیم با سیبِ زنخدان ساختن

نہ ہمین می رسد آن نوگلِ خندان از من | میکشد خار درین بادیہ دامان از من
با من آمیزشِ او الفتِ موج است و کنار | روز و شب با من و پیوستہ گریزان از من
قمریِ رنجیتہ بالم بہ پناہ کہ روم | تا بکی سرکشی اے سروِ خرامان از من
بہ تکلم، بہ تبسم، بہ خموشی، بہ نگاہ | می توان برد بہ ہر شیوہ دل آسان از من
نیست پرہیزِ من از زہد کہ خاکم بر سر | ترسم آلودہ شود دامنِ عصیان از من
گرچہ مورم ز دلی آن حوصلہ راہم دارم | کہ بہ بخشم بود از ملکِ سلیمان از من

اشکِ بیہودہ مریز این ہمہ از دیدہ کلیم
گر دو غم را نتوان شست بطوفان از من

مگو ناصح کہ بتوان از رخِ جانان نظر بستن | بسی مشکل بود بر روی صاحب خانہ در بستن

---

[1] ا: فرسودہ؛ ع: فرسود

به از مو نیست دستاری سر بی دماغان را | که هرگه وا شود بازش نمی باید[1] بسر بستن
رمق در کس نمی ماند کمر گاهی که بگشاید | میان بگشودنت باشد بخونِ ما کمر بستن
بسعی خویشتن هرگز نگردی نیک بخت ای دل | تمام عمر اگر بالِ هما خواهی بسر بستن
ز روی سهو بر مرهم نیفتد دیدهٔ داغم | چنین باید بلی از روی نامحرم نظر بستن
رهِ فیضِ ازل رهزن ندارد خصم کو بنشین | که از کوشش نیارد کس ره آب[2] گهر بستن
سخن بخشد حیاتِ جاودانی اهلِ معنی را | همین باشد کلیم از شاعری ها طرف بر[3] بستن

سکندر سد نمی بستی که نامش در جهاں ماند
دو مصرع را توانستی اگر بر یک دگر بستن

اے صبا این دلِ صد چاک بجانان[4] برسان | شانه تحفه بآن زلفِ پریشان برسان
بچمن گر گذری نالهٔ از من بشنو | نغمهٔ تازهٔ بمرغانِ خوش الحان برسان
زادِ راهم همه چون دیده عاشق آبست[5] | می رسد ابر[6] تری مژده به مستان برسان
تا دلِ آبلها وا شود از رنج سفر | خضر راهست شو و خود را به مغیلان برسان
کارِ اغیار چو از بوسه رساندی به کنار | بهر ما هم نگهی تا سرِ مژگان برسان
هدفِ ناوکِ اُو باش گرت شوقی هست | آتشی دارے در سینه نیستان برسان
تا کی اے بخت بری چاک[7] ز جیبم به کنار | یک شبِ هجر مرا نیز به پایان برسان
خون اگر نیست دلا آهنِ پیکان بگذار | مددِ اشک بایں دیدهٔ گریان برسان

نوبهارست کلیم این همه افسرده مباش
تو هم آخر گلِ اشکی به گریبان برسان

بسینه ناوکِ غم تا بکے روان کردن | چه ذوق رو دهد از آئینه[8] نشان کردن
دلا به گلشنِ حسنِ معاش می باید | بقدر پایهٔ پرواز آشیان کردن

---

۱ ج: باید　　۲ ا: آب روان؛ ج: آب گهر
۳ ا: بر، ندارد؛ ج: بر　　۴ ا: بجانان؛ ب: بجانان
۵ ا: آنست؛ ج: آبست　　۶ ا: آب؛ ج: ابر
۷ ا: خاک زچشم؛ ب: چاک زجیبم؛ ج: خاک زجیبم　　۸ ب: آئینه را

قفس فراخ اگر گشت گلستان نشود — بجاست شکوه و شکایت ز آسمان کردن
غذای ماست فریبِ سرابِ نومیدی — مگو به هیچ قناعت نمی توان کردن
ترا چنین که سر و برگِ بدگمانی هست — چرا نداری پروای امتحان کردن
مسلّم است به دل دردِ عمرگاه ترا — زجان نهفتن و پنهان ز لب فغان کردن
چنین که قبلهٔ خود کرده ایم دنیا را — نشان کفر بود پشت بر جهان کردن
زمانه را به تو یک رنگ می کند از دل[1] — به نزدِ جهل فروشان هنر نهان کردن

جفای خار نه از بهر گل کشید کلیم
رساند مشق تنزل ز باغبان کردن

شب عید است می باید در میخانه واکردن — بمی خشکیِ زهر روزه داران را دوا کردن
صراحی گر چنین پیوسته خواهد در سجود آمد — به یک شب طاعت سی روزه را خواهد قضا کردن
زمانِ عید بی ابروی ساقی کار نکشاید — بیک ناخن گره نتوان زکار عیش وا کردن
ستم باشد کشیدن جام می را یک نفس بر سر — بیک دم این چنین آیینه را بی صفا کردن
نیابی مستحق تر از من مخمور ای ساقی — زکوة فطر می رطل گران باید جدا کردن
خمارِ باده در چشم سیه کرد ست عالم را — بیا ساقی که وقت شام باید روزه وا کردن
مرا بیتابیِ مژگانِ او می سوزد از غیرت — زچشمانش جدا نا گشتن و رو بر قفا کردن
گرو از ما برد در تیره روزی و پریشانی — چرا زلفت بجد دارد شکستِ کار ما کردن
چنان کز هر شرده ناید دواندن ریشه در دلها — ز هر چشمی نمی آید نگاهِ آشنا کردن
کجا هر بی بصیرت را رسد این کحل بینایی — فلاطون می تواند خشتِ خم را توتیا کردن
فزون از پایهٔ خود هیچ کس پستی نمی بیند — فلک هرگز نخواهد نیشکر را بوریا کردن

درین دریای بی ساحل کلیم از من چه می آید
ز کار افتاده این جا بازوی موج از شنا کردن

باز می خارد کفم خواهم دگر بر سر زدن — این بود از ما بدام عشق بال و پر زدن
از غم آن[2] دل که گم شده می زنم بر سینه سنگ — چون درین غم خانه کس نبود چه حاصل در زدن

---

1. ا: اول، ج: از دل
2. ب: این

در حقِ آن قامتِ دلکش وصیت کرده است
وقت رفتن شمع رعنائی و گل بر سر زدن

گرچه می گویند نیکوی کن و بفگن در آب
حیف باشد خاک پایش را بچشم تر زدن

کم خریداری برای ما هنر باشد نه[1] عیب
کی توان بهر کسادی طعنه بر گوهر زدن

دعوی فهمیدگی دارد گواه اهل زمان یکیست
نزد مردم لاف از فهمیدگی کمتر زدن

ای که دلگیر از حیاتی یاد از پروانه گیر
از ملالِ زندگانی سینه بر خنجر زدن

رنج و راحت را تلافی از قضا چون می رسد
خارِ غم در پا شکستن به که گل بر سر زدن

دستها یم چون فلاخن هر دو بی سر پنجه شد
از تاسف تا بکی بتوان به یک دگر زدن

آن که حرف از بیم بدنامی نه زد با ما کلیم
نیک نامی باشدش با مدعی ساغر زدن

کمر از تارِ جان باید بر آن نازک میان بستن
کی از هر رشته این دستهٔ گل میتوان بستن

بزورِ[2] رعشهٔ شوق اضطرابی آرزو دارم
که مغزم را نباشد فرصتِ در استخوان بستن

بروز از عندلیبم شام چون پروانه خاموشم
در آن کو صرفهٔ من نیست خواب پاسبان بستن

علاج اضطرابِ دل نمی آید ز من ورنه
بافسون می توانم لرزهٔ آب روان بستن

همیشه پیشهٔ من عجز و کارِ اوست استغنا
ز گلچیں در زدن می آید و از باغبان بستن

دکانِ گلفروشم رونقِ من موسمی دارد
بخود نتوان گُل داغ جنون را در خزان بستن

جرس این ناله[3] را از پهلوی دلبستگی دارد
بنایستی ز نالِ خویش را بر کاروان بستن

بنازم ترک چشمت را که ترکش بسته می خواهد
بخون ریز اسیران این چنین باید میان بستن

کلیم از یک الف زخمش چه شرح شکوه می خوانی
سخن کوتاه کن تا کی ز حرفی داستان بستن

اگر مردِ رهی نعلین خارِ سعی در پا کن
قدم از سر کن و سودای منزل از سر وا کن

ز مجنون کم نهٔ روز سیاهِ درهم خود را
بوادیِ شکیبائی خیالِ زلف لیلی کن

نه مردِ صدمهٔ عشقی ز سرحدِ هوس بگذر
هوای سیر دریا داری از ساحل تماشا کن

---

۱ ا: به؛ ج: نه

۲ ب، ج: بزور

۳ ا: نالها؛ ج: ناله را

بحر می میتوانی ساخت کار شور بختان را — تبسم را بگو مشتی نمک در زخم دلها کن
طریق زندگی با دوستان بنگر چسان باشد — ترا هرگاه می گویند با دشمن مدارا کن
بهشتی جز دل آگاه در عالم نمی باشد — هوای جنت ار داری بطبع اهل دل[1] جا کن
دلا گرچه رفیقی در ره عزلت نمی باید — نمی گویم که تنها باش همراهی به عنقا کن
بود کفر طریقت در پی گم گشته گردیدن — اگر داری دماغ جستجو آرام پیدا کن
مشو چون غنچهٔ گل خود نگهبان خرده خود را — گرت نقد سرشکی هست در دامان صحرا کن

اگر سودا بلند افتاد ازین[2] بهتر چه می باشد
کلیم از بهر خود او فکر یاری سرو بالا کن

به یغما برد دین و دل که دست انداز نازست این — نهادم سر بکف من هم که تسلیم نیازست این[3]
غم جانسوز عشق از نهفتن فاش می گردد — ز خویش آتش برآوردم گل اخفا رازست این
گیاه و برق را باهم چه آمیزش سرت گردم — بمن آمیختی خاطر نشان احترازست این
بلا پروردهٔ باید که دارش در بغل گیرد — انا الحق گفت اگر منصور لاف امتیازست این
باین بی برگ و سامانی چو دولاب کهن دایم — سراپا زاری و اشکم چه سامان نیازست این
نهال حسرت ما هم بهاری می کند آخر — نمود از استخوان مغزم گل سوز و گدازست این
مبادا سر کشد جای که نتوانیش باز آرے — گذشت از کشور دلها چه مژگان درازست این
چه سود از اشک ریزی سر به زانوی غم ار بنهی — نداری اجر چندانی وضوی بی نمازست این

کلیم از هند اگر دستان رفتن می زند اے دل
نداری خارج آهنگش که آهنگ حجازست این

شکارگاه معانیست کنج خلوت من — زه کمان شکارم کمند وحدت من
خدنگ خامه چو پر[4] ز بیان من باید — خطا نمی شود از صید تیر فکرت من
ز دور گردی جای رمشم[5] به دشت خیال — که گم شود ره طی کرده گاه رجعت من

---

[1] ب : اهل دلها
[2] ب ، ج : ازین بهتر چه می باشد ؛ ا : ازین
[3] ب : نازست این ، ا : مارت ست این
[4] ج : پرواز بال من باید
[5] ج : رسد

چگونه معنیِ غیری برم که معنیِ خویش — دو بار بستن دزدیست در طریقتِ[1] من

زشوق شاهدِ معنی همیشه همچو دوات — براه عالمِ بالاست چشمِ حیرتِ من

هلاکِ گوهرِ قدرِ خودم که شیشه به سنگ — اگر خورد شکند در میانهٔ قیمتِ من

اگر بچاه درافتم رسم باوجِ کمال — زسازگاریِ افتادگی به طینتِ من

مسافتیست که صد عقده سدِّ ره دارد — میانِ تجربهٔ تند دیر و دستِ همتِ من

کفن بخلوتِ گورست برگ و سامانی — باین غبار نیالوده کنجِ عزلتِ من

ازین که دستِ امیدم کلیم کوتاه است
خدا معانیِ برجسته داد قیمتِ من

کس نمی گیرد دگر در رهن صهبا پیرهن — از تو چاک اے دستِ بیتابی جی وازما پیرهن

بے تو ضعفم قوتی دارد که مانندِ حباب — باز می افتم اگر بردارم از جا پیرهن

شب قبای صبرِ دلها چاک شد چون آمدی — همچو شمعِ خلوتِ فانوس یکتا پیرهن

از زکوة سنبلستان تار زلفی ده بباد — پاره زین امید می سازند گلها پیرهن

درمیان پاٰ نیارد گرم خونی هاے داغ — باهمه نسبت نمی چسپد براعضا پیرهن

نیست تار و پود راحت در لباسِ روزگار — یک بیک را آزمودیم از کفن تا[2] پیرهن

سخت جانی بسکه از پهلوے ما اندوخته — کارِ جوشن میکند بر پیکرِ ما پیرهن

خرقهٔ عریانی از دستِ جنون پوشیده ام — قامتم هرگز نخواهد راست شد با پیرهن

جامه پوشاندن یتیمان را مسلمانے بود — دخترِ رز را به پوشانم زمینا پیرهن

گاه عریان از جنون چون شمع می گردد کلیم
گاه چون فانوس می آید سراپا پیرهن

و

نه گُل شناسم و نه باغ و بوستان بے تو — که دیده در نکشاید براین و آن بے تو

زخضر گیرم و برخاک ریزم آبِ حیات — به زندگی شده ام بسکه سرگران بے تو

---

[1] ج، ب: شریعت
[2] ا: ما، ج: تا

درین بهار چو گل از سفر تو هم باز آیی | به بین چه می کند این چشم خون فشان بی تو
طفیلی که پس از میهمان بجا ماند | چه قدر دارد جان مانده آنچنان بی تو
کجا فرصت آن کز فراق شکوه کنم | بغیر نام تو نگذشته بر زبان بی تو
همه ذخیرهٔ شبهائی تیره روزی رفت | چو شمع سوخته شد مغز استخوان بی تو
گمان برند که من نیز با تو هم سفرم | چنین که می روم از خویش هر زبان بی تو
بجام و ساغر ما قطرهٔ نمی افتد | اگر نشاط به بارد ز آسمان بی تو

تو همچو تیر ز گف جسته رفته و کلیم
بخود فرو شده چون حلقهٔ کمان بی تو

ای کاش صد دل باشدم ای جان و دل قربان تو | چون سبحه یک یک بهره مند از کاوش مژگان تو
محراب ابروی ترا نازم که پیوسته در و | صفهائی طاعت پیش و پس استاده از مژگان تو
جانا کجا داری خبر از اشک بی آرام ما | چون طفل بدخوی چنین بنشسته[1] در دامان تو
از تیغ بی زنهار تو یارب کدامین نیشتر | بر سینهٔ من زخمها پا گشته در میدان تو
شد خشک سال عافیت گو تیر باران غمت | شاید دلم آبی خورد از آهن پیکان تو
زنجیر اگر چه سر به سر چشمست بر من بنگرد | از بس مکدر گشته ام در گوشه زندان تو

بر گریه ات یک ره کلیم آن شوخ اگر زد خندهٔ
هر قطره گوهر می شود در دیدهٔ گریان تو

غنچه یکی ز جملهٔ خونین دلان تو | رفته فرو بخویشتن به فکر دهان تو
از بهر کشتن دو جهان آن کمر بس است | شمشیر احتیاج ندارد میان تو
هر جا که فتنه ایست در ابروت جا گرفت | بیش از دو خانه گرچه ندارد کمان تو
بدنام و بی وفاییم از بسکه می کنیم | با سیل اشک خود سفر از آستان تو
بدنام خواندم همه کس بی گمان بدست | نامی که نگذرد به غلط بر زبان تو
باری ز دست بوس کمن منع ما اگر | تنگست جای بوسه بکنج دهان تو
بر چرخ این هلال نباشد که دست من | آویخته به طاق بلندی کمان تو

---

[1] ع : نشسته

می را نهفته خوردم و مستی نهان نماند — رسوائی عالمم ز نگاه نهان تو

از نالهٔ کلیم چه حاصل که چون جرس

فریاد رس بهم نرساند فغان تو

ه

نمک ز گریه و تاثیر از فغان رفته — دعا اثر نه کند گر به آسمان رفته

دهان تنگ تو گاهی بچشم می آید — کمر کجاست که یکبارهٔ[1] از میان رفته

دل شگفته نماندست در جهان ورهست — گلیست چیدنش از یاد باغبان رفته

چگونه سیل بزنجیر موج بند شود — مگوی پند که بار از کف عنان رفته

همه بقدر ادب بهره می برند ز دوست — مزاج فهم ز مسند بر آسمان رفته

بهار رفت و گلی در چمن نمی شگفد — صبا بسجدهٔ آن خاک آستان رفته

ز بسکه پیروی خلق گمرهی آورد — نمی رویم براهی که کاروان رفته

کلیم لاف زبان آوری مزن چندین

که شمع آخر ازین بزم بی زبان رفته

ایدل بسنگلاخ هوسها قدم منه — از کنج یاس روی بباغ ارم منه

بر[2] نوک نیشتر نهی از دیدهٔ امید — سهل است چشم برکف اهل کرم منه

حمال حرص و آز خودی اینقدر بست — بر دوش بار منت کس بیش و کم منه

تعریف خودپسند سخن تا شنو مکن — از خود گرست پنبه بگوشش تو هم منه

تا خون ز دست خویش توان خورد زینهار — همت بورز و لب بلب جام جم منه

با خود نشان به وادی آوارگی مبر — جائی که نقش پایی بماند قدم منه

راه و روش ز نخل خزان دیده یادگیر — گاه خزان به پیری دل بر درم منه

طبل تهی نکوست گر آوازه ات هواست — هر رطب و یابس که بود در شکم منه

خود را نشان ناوک شهرت مکن کلیم — از نام ننگ دار و بمحضر قلم منه

---

[1] ل: یکپاره، ج: یکباره

[2] این بیت زائد در نسخه ل ندارد و از نسخه ب نقل شده است

هوای سیر گلشن مانده است و بال و پر رفته — هوسها کاش می رفتند با عمر بسر رفته

بعشق ریشه محکم کرده ناصح بر نمی آید — زسوزن بر نمی آرند خار در جگر رفته

بکوی تیره بختی چون قلم پایم بگل مانده — اثر از شعله آهم بدر همچون شرر رفته

شکیب بی قراران هم بجای خود نمی آید — نیائی[1] از سفر تا باز چون عضو بدر رفته

مبادا آتش سودائی کس زین گونه تند افتد — زجوش گریه ام چشمت چون دیگ بسر رفته

نیم شرمندهٔ یک کام همراهی ز دل هرگز — براهی گر مرا دیدست از راه دگر رفته

میان[2] خاکساران لاف پستی می توانم زد — هوای کرسی زانو مرا از سر بدر رفته

رهم طی گشته اما نیست از منزل نشان پیدا — درین سرگشتگی مانم بزلف تا کمر رفته

بکوی تنگدستی خود زمین گیرم کلیم اما
سرشکم بر سر دریا به تاراج گهر رفته

دل از غم بیش و کم تقدیر گذشته — وز نیک و بد عالم دلگیر گذشته

پرواز وطن شیوهٔ بال و پر من نیست — عمرم بغریبی چو پر تیر گذشته

چون درنگی در کف شوریدگی ماست[3] — سر رشتهٔ هر کار ز تدبیر گذشته

امروز بافسون و وفابیش سلام است — ترکی که زما دست بشمشیر گذشته

راه دل و جان غمزهٔ او زد به نگاهی — یک ناوک کاری ز دو نخچیر گذشته

در راه طلب همت این هر دو بلند است — آهم ز اثر اشک ز تاثیر گذشته

خارم بجگر کاشته و داغ به سینه — در دل چو گل و لالهٔ کشمیر گذشته

در کوی جنون کلبهٔ ما تیر نشان است — گامی دو سه از خانه زنجیر گذشته

یکباره کلیم از لب و دندان تو دل کند
طفل هوسش زین شکر و شیر گذشته

ز آتش پنهان عشق هر که شد افروخته — دود نخیزد از او چون نفس سوخته

دلبر بی خشم و کین، گلبن بی رنگ و بوست — دلکش پروانه نیست شمع نیفروخته

---

۱ ا: نیابی ؛ ج: نیائی — ۲ ا: خاکساری ، ج: خاکساران

۳ ا ، ا ، ج ؛ ماست

در وطن خود گهر ابلهٔ بیش نیست — کی به عزیزی رسد یوسف نفروخته
مایهٔ آرام دل چشم هوس بستن است — از طلبش آسوده است باز نظر دوخته
شاید کاید بدام مرغ پریده زچنگ — گرم نگردد دگر عاشق واسوخته
داردی بیماریش مستی پیوسته است — چشم تو این حکمت از پیش که آموخته

آمد و آورد باز از سر کویش کلیم
بال و پر ریخته جان و دل سوخته

اشکم[۲] ز دل چو شعله فروزان برآمده — طوفانم از تنور بدبینان برآمده
رفتی و مضطرب ز قفایت دو دیدهٔ[۳] اشک — چون لشکری که از پی سلطان برآمده
جایی به دلکشای چشمت نه دیده است — تا سرمه از سواد صفاهان برآمده
ازبسکه روزگار دنی سفله پرور است — از تخم لاله خار مغیلان برآمده
از تیغ عمر خط تو کوتاه کی شود — چون از کنار چشمهٔ حیوان برآمده
معشوق خورد سال درآید به قید ضبط — سروی که قد کشیده ز بستان برآمده
جستم بسی ز شش جهت و هفت کشورت — آسودگی ز عالم امکان برآمده
گل گل ز باده چهرهٔ سبزان هند بین — در باغ حسن لاله ز ریحان برآمده
در آرزوی خاتم لعلت ز بس گداخت — انگشتری ز دست سلیمان برآمده

رستاییست هر که نباشد ز شهر عشق
هرچند چون کلیم ز یونان برآمده

آمد آن هوش ربائی دل بکار افتاده — زلف آشفته به پایش چو زنگار افتاده
حسرت ناوک او می کشدم[۴] این چه بلاست — که اگر تیر خطا گشته شکار افتاده
همرهان دشمن و من بیکس و رهزن در پی — دستم از کار فرو مانده و بار افتاده
نامه ام کاغذ آتش زده را می ماند — جابجا اشک چو افشان شرار افتاده
حسن در کسوت یک رنگی عشق ار نبود — گل بخون لاله در آتش بچکار افتاده

---

۱ ا: غیرت، ج: عبرت
۲ ا: اشکم چو شعلهای، ج: اشکم ز دل چو شعله
۳ ا: دودیده، ج: دودیده
۴ ا: هر ساعت، ج: این چه بلاست

بحساب زر خود می کند ایمان تازه | خواجه آندم که نفس ها بشمار افتاده
کشتهٔ عشق شوای دل که زخس خوار ترست | هر که زین بحر سلامت به کنار افتاده
نیست در محفلِ این تیره دلان راه چراغ | کارِ پروانه بسرهای مزار افتاده

قیمت و قدر کلیم ای بُتِ رعنا بشناس
سروِ بی فاخته از چشمِ بهار افتاده

ی

نبرد از دل غمی نظارهٔ گلهائے بستانی | ز لاله داغِ دل افزود[1] و از سنبل پریشانی
شگفته رو ویم ار بینی نه پنداری که خوش حالم | که در زیرِ غبارِ غم نهان شد چین پیشانی
بخاک انگند بختِ بد چو برگ گُل پر و بالم | درین گلشن چنین کردیم آخر بال افشانی
شراب درد و غم از ساغر تبخاله می ریزد | مبادا از پیِ صرفِ مداوا لب به جنبانی
برائے گرد سر گشتن از و بهتر نمی یابم | بگرد عالمم اے بخت اگر صد ره بگردانی
جراحت های[2] چشم از اشکِ خونین کی شود بهتر | خراش دیده افزون می شود زین لعل پیکانی

کلیم امشب دلی از یار خالی میکنم تا کی
سخن بر لب گره باشد نفس در سینه زندانی

ز بزمی بر نمی خیزد سرودِ نغمه پردازے | همین از خانهٔ تنگ جرس می آید آوازے
دلم پر مایه است از درد چاکی خواهد از تیغت | که باید خانهٔ ارباب دولت را در بازے
به گیتی گرچه مشهورم ولی از کامِ دل دورم | چه سود از امتیاز من دریغا بخت ممتازے
صدائے آشنا زین شش جهت نشنیده ام هرگز | مگر گاهی که از کوه غمم می آید آوازے
ز رشک چشم خود خون می خورم در جستجوی او | که هر تر گانش هم پائے بود هم بال پروازے
به زنجیرم نشاید داشت در بزم ورع کیشان | به کوی مطربان در بندم از ابریشم سازے
منم آن بلبلی کز شوقِ گل بے خود زدم انجا | نشان یابم گل خوبی[3] اگر در چنگل بازے
کلیم از دست دادم اختیار خانه دل را | چنان کانجا ندارم جائے پنهان کردن رازے[4]

---

۱ ا : افروز دوراز ، ج ، افزود داز
۲ ب : دل
۳ ب ، ج : خوبی ، ا : خونی
۴ ج : آرازی

نزد این خلق[1] از رواج باطل و حق دشمنی | حرف حق گو چون انا الحق گوی باشد کشتنی
بسکه در پای خیالت هر زمان سر می نهم | در جوانی چون هلالم[2] گشته قامت منحنی
بر جرس این طعنه می آید که در راهِ طلب | زار نالی اینقدر از چیست بار[3] ومین تنی
عاقبت پیراهن گل پای تا[4] سر در گرفت | تا بکی بر آتش بلبل کند دامن زنی
خلوتِ دل بی صفا و تیره شد از راهِ چشم | گرچه دائم خانه از روزن پذیرد روشنی
نیست همچون دامنِ مژگانِ او آتش فروز | گر کند دور افق بر آتش من دامنی
می تواند داد اثر تیرِ دعا را آنکه داد | ناوکِ مژگانِ او را بی گمان صید افگنی
چاره سازی سر کند هر جا چو بخت چوب دست | می کند آبی که او ریزد بر آتش روغنی

نغمهٔ ز آهن دلهای تو می گفتی کلیم
چون جرس بودی اگر او را زبانِ آهنی[5]

به صحرای هوس تا کی دلا سر در هوا گردی | نمی بینی رهی ترسم که گم گردی چو وا گردی
توکل بر حرص خواهی چار تکبیر فنا گفتن | که هر جا چار راهی بنگری خواهی گدا گردی
به تن نقشِ حصیرِ فقر وقتی خوش نشین گردد | که از محنت شکسته استخوان چون بوریا گردی
سرِ خجلت ز شرم گردها اکنون به زیر افگن | چه منت بر حیا داری چو از پیری دوتا گردی
ز پا افتادگان را در جوانی دستگیری کن | به پیری گر نمی خواهی که محتاج عصا گردی
نمی گویم که بارِ دوش کس شو اینقدر گویم | که از میخانه غیبت ار به پای خویش وا گردی
نقابِ غنچه چون بگشاد دیگر بسته کی گردد | مبادا ای گل جدا از پردهٔ شرم و حیا گردی
خدنگِ طعنه دایم سوی تیر انداز برگردد | کسی را قدر مشکن گر نخواهی کم بها گردی
چو در دامِ غمی افتی پر و بال آنقدر می زن | که باشد قوتِ پرواز اگر روزی رها گردی

کلیم این شیوهٔ تردامنانست از تو کی زیبد
که همچون موج هر جانب به دنبال هوا گردی

---

[1] ب : عالم
[2] ا : ملالم
[3] ا : بار دبین، ج : بار وکین
[4] ا : ما، ج : تا
[5] ا : آهی، ج : آهنی

نیست بی فایده این بیخودی و مدهوشی — عقل را پخته کنیم از سفرِ بیهوشی
هیچ دل نیست که با عشق نباشد کارش — گو حبابی که به دریا نکند سرگوشی
اخگر از عاقبتِ کارِ جهان داده خبر — دلقِ خاکستریش بین[1] پس از اطلس پوشی
زهر چشمش نکند دستِ هوس را کوتاه — تلخیِ میٔ نشود مانعِ ساغر پوشی
همه جا حوصله خوبست بجز بزمِ شراب — که ز کس فوت شود فایدهٔ بیهوشی
تو که بر حرفِ کسی گوش نمی اندازی — چه شود گر بدهیم رخصتِ یک سرگوشی
حاصلِ هر دو جهان را به سخن گر بدهند — بگشا لب چه توان یافت[2] به از خاموشی

گرچه بهر گهرِ آبله جا نیست کلیم
چون صدف ساخته دل با غمِ تنگ آغوشی

فزون از صبر ایوب است تابِ محنت دوری — که رنجوری نباشد آن چنان مشکل که مهجوری
چنان بیروئی تو دست و دلم از کار خود مانده — که ساغر در کنم لبریز و من مردم ز مخموری
ز گوش این نکته پیر مغان بیرون نخواهد شد — که مستی خاکساری آورد پرهیز مغروری
ز چشم اعتبار خلق چون پنهان شوی دانی — که باشد مستی و رسوائی ما عین مستوری
تو همچون شعله ای سرکش ز هر آلائشی پاکی[3] — ز ما گردی به دامانِ تو ننشیند مکن دوری
نصیب ما نشد یکبار دیدار ترا دیدن — بخوابت هم نمی بینم زهی کوری زهی کوری
چنان عالم به بند اعتبارِ ظاهر افتاده — که پروانه نسوزد گر نباشد شمع کافوری

نگوی بی اثر دیگر کلیم این اشک ریزی را
ز بختم گریه آخر هم سیاهی برد و هم شوری

مکن از تلخ کامی شکوه گو شیرین سخن باشی — به عریانی بساز ار با هنر هم پیرهن باشی
زبانهائی که در راهِ سخن دیدی اگر گوئی — دلا همچون جرس باید که دائم در سخن باشی
بکن بنیاد بیت و سیل شو کاخ سخنها را — چرا زین شیوه دائم ساکن بیت الحزن باشی
درین مکتب سوادِ صفحهٔ دانش مکن روشن — سیه[4] روز و سیه بخت ار نخواهی همچو من باشی

---

[1] ا: بین ندارد، ج: بین
[2] ا: یافت ندارد، ج: یافت
[3] ا: ماکی، ج: پاکی
[4] ا: سه، ج: سیه

بُت خود ساختی یک چند دانش را چه گل چیدی | برائے امتحان خواهم دو روزی بت شکن باشی
به پائ خویش آخر تیشه خواهی زد ز ناکامی | اگر در زور بازوی هنر چون کوهکن باشی
بخلق احسان کن و چشم از تلافی پوش می باید | بکس راحت رسانی بے عوض چون بادزن باشی
چنان بر خویشتن اندوه غربت را گوار کن | که مانندِ گهر بیزار از یاد وطن باشی
درین جا چشم ها تنگ است نتوان خود نما بودن | بآن دنیا فگن خواهی اگر خونین کفن باشی

کلیم از منتِ غم خواری یاران شوی فارغ
زداغِ تازه گر مرهم نهی زخم کهن باشی

۱۔ ج: سخن

رباعیات

هر چند که مردِ قول و فعلش تبهه است — برداشتن پرده ز کارش گنهه است
رسوا شود آنکه می درد پرده کس — زر قلب برآید و محک روسیه است

*

از رازِ دو کون گر کس آگاه افتد[1] — چون جاده سر براه هر راه افتد[1]
بیچاره به تنگنائے دنیا چه کند — مانند شناوری که در چاه افتد

*

گویند ز رخ طرهٔ پیچان برداشت — از شاخِ گُل آشیان مرغان برداشت
او زلف بریده با صبا ز آتش حُسن — خاکستر دلهای پریشان برداشت

*

دل قافلهٔ دردِ ترا مرحله بود — این دشتِ بلا خیمه اش از آبله بود
تا رفت غمِ تو هر چه بود از دل رفت — آبادیِ کاروان که از قافله بود

*

گویند کلیم توبه آسان شکند — در میکده آنگاه نه پنهان شکند
فصل گُل و خون گرم حریفان بسیار — تا توبه بود خاطرِ یاران شکند

*

---

[1] ا: شود، ب، ج: افتد

بلبل هوس گلبن با غم نه کند
پروانه هم آهنگ چراغم نه کند
زین گونه که روزگار برگشته زمن
گر آب شوم تشنه سراغم نه کند

❋

چون شمع خودم آتش پیراهن خویش
برقم اما افتاده در خرمن خویش
خود را دایم بر آب و آتش زده ایم
پروانه کجا هست همچو من دشمن خویش

❋

آن کس که ترا رخصت می خواری داد
صیقل پی آئینه هشیاری داد
تا باده ز کم حوصله گان رسوا شد
از موج به مستان خط بیزاری داد

❋

با آنکه پیاله گیر این بزم منم
ممتاز به لطف ساقی از انجمنم
گیرد هر کس از کف ساقی جامی
گردد چو پیاله آبِ اندر دهنم

❋

ای دل گر رفع احتیاجت هوس است
بر خویش مگیر تنگ تا دسترس است
حاجت کمتر چو دستگه نیست فراخ
خاریدن گوش را یک انگشت بس است

❋

راز دو جهان به تنگ دستان بسپار[۱]
اسرار بلند را به بستان به سپار
می خورده سفال نم به بیرون ندهد
گر راز دلی هست به مستان به سپار

❋

از باده گذشتیم به پاکان قسمت
شستیم ز جام دست اگر جام جم است
توفیق ثبات هم خدا خواهد داد
آری تاریخ هم ثبات قدم است



---

۱ ب: بسیار

ضمیمہ

عہدِ حکومت شاہجہان کی سنہ واری فہرست

واقعہ	سنہ
۱۔ تخت نشینی شاہجہان	۱۶۲۸ء
۲۔ تسخیرِ کابل	۱۶۳۰ء
۳۔ خان جہان لودی کی بغاوت و سرکوبی	۱۶۳۱ء
۴۔ قحط دکن	۱۶۳۱ء
۵۔ وفاتِ ممتاز محل	۱۶۳۱ء
۶۔ قبضۂ ہوگلی	۱۶۳۲ء
۷۔ کتخدائی شہزادہ دارالشکوہ و شجاع	۱۶۳۳ء
۸۔ جلوسِ تختِ طاؤس	۱۶۳۵ء
۹۔ ججھار سنگھ بندیلہ کی سرکوبی	۱۶۳۶ء
۱۰۔ فتح چہل قلعجات دکن	۱۶۳۶ء
۱۱۔ اورنگ زیب کی صوبہ داری بر دکن	۱۶۳۶ء
۱۲۔ رسم عروسی اورنگ زیب	۱۶۳۷ء
۱۳۔ الحاق بکلانہ	۱۶۳۹ء
۱۴۔ فتح قندھار	۱۶۳۹ء
۱۵۔ فتح بلخ	۱۶۴۷ء
۱۶۔ تعمیر شاہجہان آباد	۱۶۴۸ء
۱۷۔ وفات شاہجہان	۱۶۵۸ء

کتابیات

کتبِ مطبوعہ

آنندراج
فرہنگ آنندراج
نولکشور پریس

احمد خان سید
"آثار الصنادید"
نولکشور پریس ۱۹۰۰ء

امیر شیر علی خان لودی
"مراۃ الخیال"
بمبئی ۱۳۲۴ف

انندرام مخلص
"چمنستان"
۱۸۷۷ء

بارتولڈ
"مسلمان کلچر" ۱۹۳۴ء کلکتہ

بشیر الدین احمد
"واقعاتِ مملکتِ بیجاپور"
آگرہ ۱۹۱۵ء

پرتو بیضائی
دیوان کلیم کاشانی
طہران ۱۳۳۶ء

جلال اسیر، مرزا
"دیوانِ جلال اسیر
نولکشور پریس ۱۲۹۷ء

حمد اللہ مستوفی
"نزہتہ القلوب"

خافی خان (محمد ہاشم خان)
"منتخب اللباب"
کالج پریس کلکتہ ۱۸۷۴ء

رضا زادہ شفق

"تاریخ ادبیاتِ ایران"

۱۳۲۱ ف طہران

سجاد ظہیر

"ذکرِ حافظ"

۱۹۵۴ء بلوچستان

سعید حسن، سعید محمد

"روز روشن"

۱۲۹۷ھ بھوپال

سید ہاشمی فرید آبادی

"تاریخ ہند"

۱۹۳۹ء دار الطبع جامعہ عثمانیہ

سید احمد

"ترجمہ تزک جہانگیری"

۱۸۶۴ء

شبلی نعمانی

"شعر العجم" جلد سوم

۱۹۱۰ء مطبع فیض عام۔ علیگڈھ

(سلسلہ دار المصنفین)

"الکلام"

۱۹۴۱ء اعظم گڈھ

شیخ چاند

"ملک عنبر"

۱۳۵۰ھ

صمصام الدولہ، نواب (شاہنواز خان)

"ماثر الامراء"

جلد اول ۔ ۱۸۸۸ء رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ، کلکتہ

جلد دوم ۔ ۱۸۹۰ء " " "

جلد سوم ۔ ۱۸۹۱ء " " "

عبد الباقی نہاوندی

"ماثر رحیمی"

جلد اول ۱۹۲۴ء کلکتہ

جلد دوم ۱۹۲۵ء "

جلد سوم ۱۹۳۱ء "

عبد الحمید لاہوری

"پادشاہنامہ"

جلد اول ۱۸۶۷ء کالج پریس، کلکتہ

جلد دوم ۱۸۶۸ء " "

عبدالحی

"گلِ رعنا"

۱۳۶۴ھ - آگرہ

عبداللطیف خان

"تحفۃ العالم"

۱۲۶۳ھ ایران

۱۲۹۴ھ پبلشر محمد مسیح الزمان حیدرآباد دکن

عبدالغنی خان

"تذکرۃ الشعراء"

۱۹۱۶ء

عبدالمجید صدیقی، پروفیسر سیاسیات جامعہ عثمانیہ

"تاریخ گولکنڈہ"

۱۹۳۹ء ادارۂ ادبیاتِ اُردو

حیدرآباد دکن

"تاریخ دکن عہدِ وسطیٰ (بہمنی سلطنت)"

۱۹۵۲ء ادارۂ ادبیاتِ اُردو

حیدرآباد دکن

"مقدمۂ تاریخ دکن"

۱۹۴۰ء ادارۂ ادبیاتِ اُردو

حیدرآباد دکن

عبدالنبی، فخرالزمانی قزوینی

"میخانہ"

۱۹۲۶ء محمد شفیع۔ کپور آرٹ لاہور

عظیم الحق جنیدی

"مآثرالنجم"

۱۹۴۱ء آگرہ

علی حسن خان

"صبح گلشن"

۱۹۲۴ء بھوپال

علی حسن خان، سید ابن ناصر

"بزم سخن"

۱۲۹۸ء آگرہ

غلام حسین سلیم زیدپوری

"ریاض السلاطین"

۱۸۹۰ء کلکتہ

غنی کشمیری

"دیوانِ غنی"

۱۹۱۵ء نولکشور پریس

فتح علی حزین

"تذکرۂ ریختہ گویان"

۱۹۳۳ء اورنگ آباد

کشاورز صدر

"کلیم کاشانی"

۱۳۳۳ف ماہ شہریور ۔ طہران

چاپ کاویان

کلیم، میرزا ابوطالب

"دیوانِ کلیم"

۱۲۹۷ء نولکشور پریس

لچھمی نارائن شفیق

"چمنستانِ شعراء"

۱۹۲۸ء اورنگ آباد

لطف علی آذر

"آتشکدۂ آذر"

۱۲۷۷ھ بمبئی

لطف علی مرزا

"گلشنِ ہند"

۱۹۰۶ء لاہور

محمد افضل خان سرخوش

"کلمات الشعراء"

۱۹۴۲ء لاہور

محمد تقی بہار مشہدی

"سبک شناسی"

جلد اول ۔ ماہ شہریور ۔ ۱۳۲۱ف ۔ طہران

محمد حسین آزاد

"سخندانِ فارس"

۱۹۰۷ء لاہور

"نگارستانِ فارس"

۱۹۲۲ء کریمی پریس لاہور

محمد صالح کنبوہ

"عمل صالح" (موسومہ بہ شاہجہان نامہ)

جلد اول ۔ ۱۹۱۴ء ۔ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ کلکتہ

جلد دوم ۔ ۱۹۲۷ء " " " "

جلد سوم ۔ ۱۹۳۹ء " " " "

محمد عبدالجبار خان صوفی ملکاپوری

"محبوب الزمن" حصہ دوم

۱۳۲۹ء حیدرآباد دکن

محمد قدرت اللہ گوپاموی
"نتائج الافکار"
۱۲۸۴ھ نولکشور پریس

مرزا ابراہیم زبیری
"بساتین السلاطین"
۱۹۱۵ء حیدرآباد دکن

مرزا طاہر نصرآبادی
"تذکرہ طاہر نصرآبادی"
۱۳۱۷ف طہران

مرزا محمد علی صائب تبریزی
"دیوانِ صائب"
۱۸۸۰ھ نولکشور پریس

معتمد خان
"اقبال نامہ جہانگیری"
۱۸۶۵ء کلکتہ

منشی اسکندر بیگ
"عالم آرائے عباسی"
۱۳۱۴ف طہران

میر ابوالقاسم
"حدیقۃ العالم"
۱۲۶۶ھ حیدرآباد دکن

میر خواند
"روضۃ الصفا"
۱۸۳۲ء یوروپ

میر غلام علی آزاد
"خزانۂ عامرہ"
۱۸۷۱ھ نولکشور پریس

"ماثر الکرام (موسوم بہ سرو آزاد)
۱۹۱۳ء مطبع رفاہ عام لاہور (از طرف کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن)

نذیر احمد، ڈاکٹر۔ پروفیسر فارسی علیگڈھ یونیورسٹی
"تحقیقی مطالعے"
۱۹۵۴ء سرفراز قومی پریس لکھنو
دانش محل

نور الحسن خان
"طور کلیم"
۱۲۹۸ھ آگرہ

ولیم بیل
"مفتاح التواریخ"
۱۸۶۷ء نولکشور پریس

یوسف حسین خان، پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ
"رُوحِ اقبال"
۱۹۴۴ء حیدرآباد دکن

کُتبِ قلمی

بختاور خان
"مراۃ العالم"
سنہ کتابت ۱۰۱۲ھ، کُتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، فن تاریخ، نمبر ۱۳ ۵ف
(سنہ تصنیف ۱۰۷۸ھ ہے اس لیے اغلب ہے کہ سنہ کتابت ۱۱۱۲ھ ہو اور کاتب نے غلطی کر دی ہو)

تقی اوحدی
"عرفات العارفین"
ناقص الاخر ۔ " " ، فن تاریخ، نمبر ۲۰۹ ف

رفیع الدین شیرازی
"تذکرۃ الملوک"
سنہ کتابت ۱۳۰۶ھ " " ، نمبر ۱۰۸۱ ف

سراج الدین علی خان آرزو
"مجمع النفائس"
سنہ کتابت ۱۱۸۶ھ کتب خانہ سالارجنگ ، " ، نمبر ۴۲ ف

سلیم، مرزا محمد قلی

"دیوانِ سلیم"

سنہ کتابت ۱۱۵۷ھ کتب خانہ سالار جنگ ، فن دادین نمبر ۱۹ ف

شیدا

"دیوانِ شیدا"

سنہ ۱۰۶۸ھ کتب خانۂ آصفیہ حیدر آباد دکن ، فن داوین نمبر ۱۱۱۸ ف

صمصام الدولہ، نواب (شاہنواز خان)

"بہارستانِ سخن"

سنہ کتابت ۱۱۹۴ھ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ، "تذکرہ"، نمبر ۱۲۱ ف

علی قلی خان، والہ داغستانی

"ریاض الشعراء"

سنہ کتابت ۱۲۵۸ھ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ، ،، ، نمبر ۱۲۰ ف

علی اکبر شیرازی

"تذکرہ دلکشا"

سنہ کتابت ۱۲۳۷ھ کتب خانہ سالار جنگ ، ،، ، نمبر ۵۸۱۶ ف

علاء الملک تونیتی

شاہجہان نامہ (پادشاہنامہ)

سنہ ندارد کتب خانہ سالار جنگ ، فن تاریخ نمبر ۲۳۵ ف

غلام علی آزاد

"تذکرہ ید بیضا"

سنہ ندارد — کتب خانہ آصفیہ ، تذکرہ نمبر ۱۸۶ ف

قاضی نوراللہ

"تاریخ عادلشاہ"

سنہ کتابت ۱۱۹۵ھ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد — فن تاریخ نمبر ۲۵۸۷ ف

قدسی، محمد جان

"کلیات قدسی"

سنہ ندارد — کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد — دواوین نمبر ۳۱۶ ف

" " — کتب خانہ ریکارڈ آفس حیدرآباد — " " ۶۴۳ ف

کشن چند اخلاص

"تذکرہ ہمیشہ بہار"

سنہ ندارد — کتب خانہ ریکارڈ آفس — تذکرہ نمبر ۱۳ ف

کلیم، مرزا ابوطالب ہمدانی

"شاہجہان نامہ" (جس کا حوالہ بعد تحقیق ہم نے "شاہنامہ" کے نام سے دیا ہے)

سنہ کتابت ۱۲۵۵ھ کتب خانہ ریکارڈ آفس حیدرآباد دکن ، نمبر ۱۳۴ ف

"کلیات کلیم"

سنہ کتابت ۱۰۸۲ھ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ، فن دواوین نمبر ۱۲۲۵ ف

" " ۱۱۴۵ھ کتب خانہ سالار جنگ " " " ۴۶۶ ف

دیوان " ۱۱۹۴ھ " " " " ۱۷ ف

دیوان	سنہ کتابت ۱۱۰۸ھ	کتب خانہ سالار جنگ	فن دواوین	نمبر ۵۹۴۳ ف
"	"	"	"	"	۵۹۴۴ ف
کلیات کلیم	" ۱۱۴۳ھ	"	"	"	۴۶۷ ف
"	" ۱۱۱۱ھ	"	"	"	۵۹۴۱ ف
دیوان کلیم	"	"	"	"	۵۹۴۲ ف
کلیات کلیم	" ۱۱۵۷ھ	"	"	"	۱۹ ف
دیوان کلیم	" ۱۱۴۹ھ	"	"	"	۴۸ ف
"	" سنہ ندارد	"	(میوزیم)	"	۲۸۱ ف
"	" ناقص الاخر	مملوکہ ڈاکٹر نظام الدین صاحب			

لچھمی نارائن شفیق

"بساط الغنائم"

سنہ کتابت ۱۲۹۷ھ کتب خانہ آصفیہ، فن تذکرہ، نمبر ۳۴۳ ف

مرزا جلال طباطبائی

"شاہجہاں نامہ (پادشاہنامہ)"

سنہ کتابت ۱۱۸۷ھ کتب خانہ آصفیہ، "، نمبر ۳۵۹ ف

محمد امین قزوینی

"پادشاہنامہ"

سنہ کتابت ۱۱۹۳ھ کتب خانہ ریکارڈ آفس حیدرآباد دکن، نمبر ۶۳۲ ف

محمد حسین خان شاہجہان پوری

"ریاض الفردوس"

سنہ کتابت ۱۲۷۶ھ کتب خانہ سالار جنگ نمبر ۵۸۱۷ ف

محمد قاسم فرشتہ

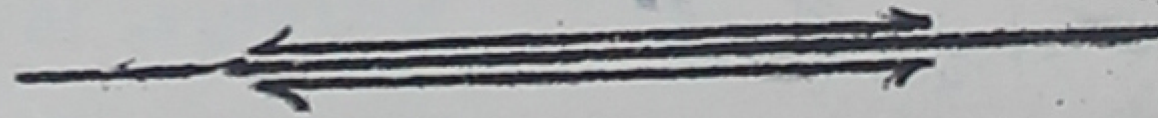
"تاریخ فرشتہ" (جلد دوم)

سنہ کتابت ۱۲۴۷ھ کتب خانہ سالار جنگ نمبر ۳۹۸۷ ف

محمد ولی بن محمد عثمان ابن محمد علی علوی بدری

"مدحت الشعراء"

سنہ کتابت ۱۱۹۶ھ کتب خانہ سالار جنگ نمبر ۴۳ ف



اشاریہ

Story, C. A.,
" PercianLiterature. "
Luzac, London 1939.

CATALOGUES

Abdul Kadir, K. B. Sh.,
" A Descriptive Catalogue of the Ar. Per. Mss. in the Library of the University of Bombay. "
Bombay, 1935.

Edwards, E.
" Catalogue of Per. Books in the British Musem. "
London, 1922.

Ethe,
" Catalogue of Per. Mss. in the Library of India Office Vol. I. "
Oxford, 1903.

" A Descriptive Catalogue of the Ar. Per. Miss. in Edinburgh University Library. "
Robertson, 1925.

Flugel,
" Catalogue of Ar. Per. Mss. Vol. I. "
Wien, 1865.

Ivanow. W.,
" Catalogue of Asiatic Society of Bengal. "
Calcutta 1926.

Houtsma, Arnold.,
" Encyclopaedia of Islam "
London 1927.

Pertch Wilhelm,
" Die Handschriften-Verzeichnisse Der Knoiglichen Bibliothek Zu Berlin, "
Berlin A Asher, 1888.

Riew,
" Catalogue of Per. Mss. in the British Museum, Vol. II "
Longmans 1881.

Ross. D.,
" Catalogue of Ar. Per, Mss. in the Oriental Public Library Bankipore. "
Calcutta, 1921.

Sachau.,
" Catalogue of Per Mss. in the Bodleian Library. "
University Press, Ware house.
Oxford, 1889.

Sprenger.,
" Catalogue of Ar. Per. and Hin. Mss. Vol, I. "
Calcutta, 1854.

ENGLISH BOOKS

Banarsi Parsad,
"History of Shahjahan of Delhi."
The Indian Press, Allahabad 1932.

Browne, E. G.,
"Literary History of Persia Vol. III."
University Press, Cambridge 1920.
Vol' IV.
Cambridge, 1930.

Ghani M. A. Professor,
"Persian Literature at the Moghal Court, Vol. III."
Allahabad, 1930.

Hadi Hasan, Dr.,
"Mughal poetry; Its cultural and Historical value."
Hyderabad Govt. Press, 1952.

Haig Sir Wolsely,
"The Cambridge History of India" Vol. III.
University Press, Cambridge 1928.

H. H Dodwell, Vol. IV,
Do 1932.

Iqbal, Dr. Sir Mohammed,
"The Reconstrution of Religious through Islam."
Lahore, 1930.

"The Development of Metaphysics in Persia."
London, 1908.

Ishaq, M.,
"Modern Persian Poetry."
Calcutta, 1943.

Ishwari Persad,
"A short History of Muslim rule in India."
Allahabad, 1939.

Nazeer Ahmed, Dr.
"Zuhuri, Life and Works."
Khyban, Allahabad 1953.

Nicholson, R. A.,
"The Mystics of Islam."
London, 1914.

"Studies in Islmic Mysticism."
Cambridge, 1921.

Sarkar, Jadunath.,
"Short History of Aurangzaib."
Calcutta; 1930.

Sharma, S. R.,
"Mughal Empire in India."
Karnatak Publishing House, 1940.

year of Shahjahan's reign i. e., 1062 A. H., and Shir Khan Lodhi also states that Kalim died in 1062 and was buried in Lahore.

On the other hand, the Contemporary poet Ghani of Kashmir has written Chronogram: which gives 1061 A. H. and the date of Kalim's beath. It is very likely therefore that Kalim died in 1061 A. H., and was burried as the Kazanah Amira States, besides Ali Quli Salim's avegr on the banks of "Dullake" in Kashmir on a high Plato. I have visited that Place in October 1961 at the occasion of All-India Oriental Conference and taken photograph which is also attached in this book.



Mohd. Jan Qudsi, Mirza Mohd. Ali Sahib, Ali Quli Salim, Shida Mir Ma'soom, Zafar Khan Ahsan, Bebadal Khan Gilani, Mir Jumla Shahristani, and Gani Kashmiri were contemporary poets of Kalim. Kalim was amiable, noble and generous too, and on the death of Malik Qumi and Qudsi in 1025 A. H., and 1056 A. H., respectively he had written a fragment and elegy also.

Kalim and his contemporary poet Mohd. Jan Qudsi had composed two masnawis simultaniously, comprising the first ten year's of Shah Jahan's reign. Qudsi left his masnawi "*Zafar namah*" incomplete but Kalim completed his masnawi "*Shah namah*" which is a detailed and authentic record of the grand and glorious deeds of the Emperor Shah Jahan.

As a poet Kalim is remembered for his novelty of topic, original concerts, and aptness of illustration. Simily and metaphor are the soul of poetry, Especially in the case of oriental poetry, not a single poet how ever great he might be, can be able to culminate his poetry without the powerful aids of these figure speeches to make a graceful and picturesque style. He had not blindly followed his predecessors on the trodden paths, but used delicate and original similes and metaphors also. Further-he wrote excellent chronograms; and had a pridilection for using Hindi in his persian poetry. This is curious for unlike Amirkhusrow and Faizi who have also used Hindi words in their verses, Kalim was not born in India but in Iran. No other poet of foreign birth excels Kalim in the use of Hindi words. He was more bold and unfail than people imagine.

Taher Nasrabadi assesses Kalim's out put of poetry at 24,000 verses, my present collection comprises 24,868 verses, and includes all forms of poetry, Odes, lyrics; masnwis, quatrains, Chronograms and fragments. And the quality of his verses is even better than his quality. He was indeed the King of poets at a time where competition was keen and the stare of Moghal poetry was in the ascendant. The lost date found in Kalim's Chronograms is 1060 A. H , and after that we find no sign of his existence. The precise date of Kalim's death is not known. According to Mulla Mohd. Waris Kalim died on 15th Diqadah, 26th

porary court historians of Kalim, have stated that Kalim came to India from Shiraz and stayed for some time in the Deccan. At that time Ibrahim Adil Shah II was the King of Bijapur, and he had earned name for his generosity and liberal patronage of Poets.

4. It is not mentioned by any historian that Shahnawaz Khan son of Mirza Rustum Safavi was ever in the Deccan during 1010 to 1014 A. H., where as during 1010 to 1014 A. H. Shahnawaz Khan, the Prime Minister of Bijapur was at the Zenith of his power and had be come a Liberal patron of Persian poets.

Kalim therefore had come directly to Bijapur from Shiraz fascinated by the accounts of the manificent patronage of poets by Ibrahim Adil Shah II and پناه اهل هنر Shahnawaz Khan Shirazi.

Kalim stayed in the Deccan till 1028 A. H., and composed two qasidahs and a masnawi; and disappointed in his expectations of reward at the Court of Bijapur, returned to Iraq.

Of the 2 years spent by Kalim in Iraq we have no knowledge; he had come to India by the Land-route Subsequently he spent 7 or 8 years in North India under the patronage of Mir Jumlah Shahristani poetically styled Ruhu-i-Amin.

After the accession of Shah Jahan, Kalim attached himself to the Imperial Court and soon rose to the dignity of Maliku'sh-Shura He composed several Qasidahs, fragments and masnawis on contemporary events e. g., conquest of Kabul in 1039 A. H. a chronogram of the fall of Khan-e-Jahan in 1040, conquest of the Deccan in 1045 A. H., conquest of Balakh in 1056 A. H., a chronogram at the Prince Dara shiko and Prince Aurang Zaib's marriage ceremonies in 1042 A. H., respectively etc.

Kalim composed an excellent Qasidah in 1044 A. H., at the occasion of Shah Jahan's coronation on the Pea-cock throne, and by way of reward was weighed against (Silver) and received Rs. 5,500., Scattered through the papers of the Padshahnamah are the specific amounts given to Kalim for his court poetry. These were the momentous events of his life

LIFE

of

MIRZA ABU TALIB KALIM

Mirza Abu Talib poetically surnamed Kalim was born approximately (between 990 A. H.– 1582–1585 A. D.) in Hamadan. He lived for sometime in Kashan for which reason he was called Kashi. By birth however, he was Hamadani as he himself states:

He persued a course of study in the Dar-ul-Fazal College, Shiraz and in the prime of his life came to India by the Sea-route. Curiously, all the biographers merely state that Abu Talib Kalim came to India during the reign of Jahangir; and attached himself, to Shahnawaz Khan son of Mirza Rustum Safavi, a noble of Jahangir's reign. The first visit, of Kalim to the Deccan by the Sea-route is therefore an independent discovery of mine and the reason which mislead the cataloguers, biographers was the name of the homonymous Shahnawaz Khan, for there were two Shahnawaz Khan, one of whom was the Prime Minister of Ibrahim Adil Shah II, and the other Shahnawaz Khan son of Mirza Rustum Safavi and it was only the first of these two who was the Patron of Kalim. The reasons for this conclusion are as follows:

1. The word " Minister " وزیر پیش بین is clearly stated in the verses.

2. The accounts of Shahnawaz Khan son of Mirza Rustum Safavi contain no detail of that building, on the completion of which Kalim had composed a Masnavi and a Qasidah. But on the other hand Mohd. Qasim bin Hindushah has given full description of that building in his history, the Tarikhi-e-Firashta. This edifice was erected during the years 1008–1010 A. H. and this fact is mentioned in the accounts of Shahnawaz Khan, the Prime Minister of Ibrahim Adil Shah II.

3. Abdul Hamid Lahori and Mohd. Amin Qazwini, the contem

The other publication consists of two volumes and is concerned with haustive list of the Urdu Manuscripts in the State Central Library prepared Shri Nasiruddin Hashmi. This list is very beneficial for those research scholars ho wish to get aquainted and take full advantage of the valuable literary easures that are to be found in this library.

For purposes of studying the history of any language according to prin- ples laid down, it is essential that an exhaustive list of all the material avail- le is present. The State of Urdu literature is such that it is scattered over e whole length and breadth of India, consequently an approach to it is not sy. As such a bibliography of books become a necessity as a special science the Western countries.

In Hyderabad, a brief list of Urdu manuscripts of the Osmania Univer- y has been published and a list of manuscripts of India office was published Shri Nasiruddiu Hashmi under the name of "Europe men Deccani Mukhtutaat', . Manucripts of the Deccan in Europe, also an exhaustive list of manuscripts Idara-e-Adabiat-e Urdu in five volumes have been published by Dr. Zore, ist of Urdu manuscripts of Salar Jung Library has also been prepared and blished by Shri Nasiruddin Hashmi. Besides these, the Urdu manuscripts of me Musjid of Bombay' has also been published under the able guidance and ervision of Prof. Najeeb Ashraf Nadvi. To this treasure, has been added the vly published list of the Urdu manuscripts of State Central Library pre- ed by Shri Nasiruddin Hashmi with great care and hard work.

On behalf of the Research Institute it is my proud privilege to thank i Humayun Kabir, the Hon'ble Minister for Research and Cultural affairs for generous help to the above Institute. In conclusion I appeal to the Govern- nt of Andhra Pradesh to grant a generous annuity to this Institute in the cause he furtherance of knowledge and the conservation of the old treasures of art literature.

(Smt.) RODA MISTRY,
president,
Khawateen-e-Deccan Library,
& Research Institute.



FOREWORD

The Kutab Khana Khawateen-e-Deccan and Idara-e-Tahqee (Research Institute) was founded in the year 1943, The Library is not o meant for the ladies of Hyderabad, but also ladies outside Hyderabad ta advantage of it. The Research Scholars and lovers of literature and learning t derive benefit from it.

Formerly this library was the private library of Shri Nasiruddin Hash Later he got it registered and declared it open exclusively for the ladies Hyderabad. A Research Institute also is attached to this library which ha twofold aim; that of study and review of the works and the elegant style of old writers on one hand, and bringing into limelight the works on research of women writers of the present day on the other hand by publishing their work a thereby adding more books to the already existiog literary treasure.

The thesis submitted by the women Research Scholars for Doctrate accepted by the University but inspite of being an important piece of work not published and those fond of art and literature are there thereby deprived the pleasure and benefit they could derive from them. The Research Instit publishes such Theses by which the women writers having received Doctrate their subjects, are also financially benefitted by the sale of their works.

To start this work a monitary aid was granted to the Research Instit for the publications of two books by the Ministry of Scientific Research a Cultural Affairs of the Gevernment of india, subject to the condition tha matching amount be spent by the Institute as well. Consequently two bo have been published, abiding by this condition. I deem it my duty to tha those ladies and gentlemen who purchased and paid the cost of these books advance and enabled us to publish these books.

Out of the books published one is the Thesis in Persian for Docto submitted by Smt. Shareefunnisa Begam. The subject of this Thesis is the and works of Abu Talib Kaleem, a renowned Persian poet of the Durba Adilshah and later of the Court of Emperor Shah Jehan where the title of Laureate was conferred upon him.

LIFE AND WORKS

of

ABUTALIB KALIM HAMADAN

(Poet Laureaute of Emperor Shajahan)

by

Dr. SHAREEFUNNISA BEGUM ANSARI,

Lecturer in Persian, Women's College,

Osmania University.